دوسرا جنم
PDFBOOKSFREE.PK
سرفراز احمد راہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

# انتساب

ان خوش نصیبوں کے نام!
آخری لمحے کی مہلت سے فیض پانا
جن کا مقدر ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


✽✽✽

"میری جان...... رونے دھونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا- خود کو سنبھالو اور میری بات غور سے سنو-" عاتکہ نے پروین کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا-

"کیسے سنبھالوں عاتکہ- میں خود کو کیسے سنبھالوں- آج خالہ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ نصیر کی دوسری شادی کرنے جا رہی ہیں-" پروین نے غم سے بے حال لہجے میں کہا-

"ارے واہ-" عاتکہ کا پارا چڑھ گیا- "دوسری شادی مذاق ہے کیا- جب جی چاہا نئے سہرے سجا لئے- تم رو رو کر یونہی ہلکان ہوتی رہو گی اور ادھر سوتن تمہارے بستر پر آ بیٹھے گی-"

"تو پھر میں کیا کروں؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آتا-" پروین نے ٹشو پیپر سے ناک دباتے ہوئے کہا-

"سب سے پہلے تو ان آنسوؤں کو روکو میری جان!" عاتکہ نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا- "تم چپ کرو گی تو میرا دماغ کسی طرف سفر شروع کرے گا ورنہ تو میں جب تک تمہارے پاس رہوں گی، محض تمہارے آنسو ہی پونچھتی رہوں گی اور کوئی بات نہ سوچ سکوں گی نہ تمہیں سمجھا سکوں گی-"

دھیرے دھیرے پروین کے آنسو تھمے- عاتکہ نے اسے خود چائے بنا کر پلائی- پھر دونوں سہیلیاں سر جوڑ کر بیٹھ گئیں-

مسئلہ یہ تھا کہ پروین کی شادی کو تین برس ہونے کو آئے تھے مگر اس کی گود سونی تھی- اولاد کا ابھی دور دور تک کوئی پتہ نہ تھا اور روایتی ساسوں کی طرح نصیر کی ماں نے اس کی دوسری شادی کا شوشہ چھوڑ دیا تھا- پروین بے چاری ماں باپ کے سائے سے محروم تھی- نصیر بے پناہ محبت کرنے والا خاوند تھا- اس پر جان چھڑکتا تھا مگر ماں کے آگے بے بس تھا- ابھی تک وہ ماں کی ضد کے آگے دیوار بنا ہوا تھا مگر پروین جانتی تھی کہ یہ ریت کی دیوار کسی بھی وقت ڈھے سکتی ہے-

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پروین کے میکے میں ماں باپ کے بعد کوئی نزدیک کا ایسا رشتے دار بھی نہ تھا جو اس کی طرف داری کرتا۔ نصیر کی ماں' بیگم جواد کو آ کر سمجھاتا' یا اس کے لئے سایہ عاطفت مہیا کر سکتا۔ اس کا ایک ہی بھائی تھا طارق۔ جو دو سال پہلے شادی کر کے امریکہ جا بسا تھا۔ طارق نے کبھی پلٹ کر اس کو خط لکھنا تو درکنار کسی دوسرے کے ہاتھ خیریت بھی نہ پوچھی تھی۔ اسے اپنا دکھڑا سنانا لاحاصل تھا۔ لے دے کے بچپن کی سہیلی عاتکہ رہ گئی تھی جس کا میاں محمود اور نصیر ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے۔ دونوں میں گاڑھی چھنتی تھی اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے تھے۔ محمود ہی سے عاتکہ کو اس بات کا علم ہوا تھا کہ بیگم جواد' نصیر کی دوسری شادی کرنے جا رہی ہیں اور وہ آج صبح ہی صبح آ دھمکی تھی۔ بیگم جواد سے اسے روایتی ساس کے رویے کی امید نہ تھی۔ وہ پرانے خیالات کی ضرور تھیں تاہم ایسی لکیر کی فقیر نہ تھیں کہ اس طرح کی حماقت پر اتر آتیں مگر جب پروین سے اسے صورت حال کا علم ہوا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بیگم جواد' خاوند کے مرنے کے بعد نصیر ہی پر انحصار رکھتی تھیں اور اس کی اولاد کی خوشی دیکھنے کے لئے اس انتہا تک بھی جا سکتی تھیں' یہ عاتکہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اتفاق یہ ہوا کہ عاتکہ کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ کسی کام سے باہر گئی تھیں اس لئے دونوں سہیلیوں کو کھل کر بات کرنے کا موقع مل گیا۔

اب کھل کر بات تو کیا ہوتی' پروین کا بس آنسو بہانے پر زور تھا اور عاتکہ اسے تسلیاں دیتے دیتے خود بے حال ہو گئی۔

نصیر کا دو منزلہ مکان ایلٹ ٹاؤن میں واقع تھا۔ اس کے پاس سواری کے لئے اپنی موٹر سائیکل تھی۔ محمود کی ذاتی رہائش گاہ سمن زار کالونی میں تھی اور اس کوٹھی نما بڑے سے مکان میں وہ دونوں میاں بیوی پانچ سال سے خوش و خرم رہ رہے تھے۔ محمود کے والدین کراچی میں تھے اس کی دو بہنیں بھی وہیں بیاہی گئی تھیں۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ کئی سالوں سے لاہور میں تھا اور شادی کے بعد وہ عاتکہ کو بھی اپنے پاس ہی لے آیا تھا۔ اس کے پاس چھوٹی سی شراڈ کار تھی جس میں وہ' عاتکہ اور اپنے دو سالہ بیٹے نوید کے ساتھ ہر ویک اینڈ پر نصیر کے ہاں آ دھمکتا۔ پھر وہ ان دونوں میاں بیوی کو ہمراہ لے کر آؤٹنگ پر نکل جاتے۔ زندگی بڑی خوش گوار تھی کہ بیگم جواد نے نجانے کس کے بہکاوے میں آ کر گھر کی فضا میں آنسوؤں کا زہر گھول دیا۔

پروین سر جھکائے کسی سوچ میں گم تھی کہ عاتکہ نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

''دیکھو پروین! اگر تم نے صرف آنسو بہانے پر ہی زور دیے رکھا تو تم جنگ لڑنے



سے پہلے ہی ہار جاؤ گی۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟ نصیر سے کہتی ہوں تو وہ محض تسلیاں دیتے ہیں مگر میں جانتی ہوں جس دن خالہ نے ذرا ناراضگی سے زور دے کر ان کو مجبور کیا' وہ سہرا باندھ کر ان کے ساتھ چل دیں گے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں بنو! تم ساری صورت حال کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی اگر عملی قدم نہ اٹھاؤ گی تو.....''

''پھر وہی بات۔'' پروین چڑ سی گئی۔ ''تم اگر دماغ میں کچھ رکھتی ہو تو مجھے بتاؤ۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔''

''تم ایسے کرو۔ شام کو نصیر کے ساتھ ہماری طرف آ جاؤ۔''

''پھر.....اس سے کیا ہو گا؟''

''میں اور محمود تم دونوں کے ساتھ مل کر اس مسئلے کا کوئی حل سوچیں گے۔''

''حل تو بس ایک ہی ہے۔''

''یعنی نصیر کی دوسری شادی۔''

''ہاں۔'' پروین پھر آبدیدہ ہو گئی۔

''اور اگر اس سے بھی اولاد نہ ہوئی تو پھر تیسری شادی۔'' عاتکہ نے طنز سے کہا۔

''یہ میں نہیں جانتی۔'' وہ سسک پڑی۔

''اچھا پروین۔'' اچانک کسی خیال کے تحت عاتکہ نے پوچھا۔ ''تم دونوں نے اپنا میڈیکل چیک اپ کرایا؟''

''ہاں۔'' پروین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''دونوں کی رپورٹس پازیٹو ہیں۔''

''تو پھر اللہ کی رضا پر راضی رہو۔''

''میں تو راضی ہوں مگر خالہ کو کون سمجھائے؟'' پروین نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور اس کے سرخ رخسار تمتما اٹھے۔

''ویسے پروین۔'' عاتکہ نے اس کے حسین چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے وارفتگی سے کہا۔ ''اگر میں نصیر بھائی کی جگہ ہوتی ناں' تو تم جیسی خوبصورت بیوی پر ماں کی قربانی دے دیتی۔''

''بکو مت۔'' پروین نے اسے جھڑک دیا اور جھینپ کر رہ گئی۔ ''خالہ دل کی بری نہیں ہیں۔ اس ایک بات کے علاوہ آج تک انہوں نے مجھے سوئی نہیں چبھنے دی۔''

"ماشاء اللہ۔" عاتکہ نے پھر طنز سے کہا۔ "اور چھونے پر آئیں تو خنجر ہی شہ رگ پر رکھ دیا۔"

"اب اس میں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ قسمت کی بات ہے۔" پروین اداس ہو گئی۔

"قسمت کو درمیان میں مت لاؤ پروین!" عاتکہ بھڑک اٹھی۔ "ہم عورتیں خود ایک دوسری کی دشمن ہوتی ہیں۔ جو ماں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے دنیا بھر سے چھانٹ کر اپنے بیٹے کے لئے اپنی سمجھ کے مطابق خوبصورت ترین بیوی لاتی ہے، کچھ عرصے کے بعد اسی کی دشمن ہو جاتی ہے۔ اسے طلاق دلانے، گھر سے نکالنے، اس پر جادو ٹونہ کرنے اور جان تک مار دینے سے گریز نہیں کرتی۔ دوسری طرف ایک عورت ہی دوسری عورت پر سوتن بن کر آ جاتی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مرد کے بستر پر وہ جا رہی ہے وہاں پہلے ہی سے اس کی ایک بہن موجود ہے مگر وہ اسے اس گھر سے نکلوا کر خود ایک استعمال شدہ مرد کے لئے بچھ جاتی ہے اور گھر سے نہ بھی نکلوا سکے تو اس کی موجودگی میں ہی سازشوں، بدمزگیوں اور جھگڑوں کے طوفان میں حصے دار بن جاتی ہے۔ اس لئے قسمت کو درمیان میں مت لاؤ پروین جان! ہم عورتیں خود ایک دوسری کی دشمن ہیں۔ کیا کبھی کسی مرد نے بھی دوسرے مرد کے ساتھ مل کر ایک ہی عورت سے شادی کی ہے؟ ایسا واقعہ آج تک کی تاریخ میں تو ملتا نہیں اور نہ آئندہ ایسا ہونے کا امکان ہے۔ ہاں...... دو یا زیادہ مرد مل کر ایک کرائے کی عورت کو ضرور استعمال کرتے ہیں۔ وہاں بھی عورت ہی قصوروار ہے جو کرائے کے مکان کی طرح اکٹھا دس بیس آدمیوں کے ہتھے چڑھ جاتی ہے اور ایک ہی وقت میں...... اری بدتمیز۔ اگر تجھے اپنی قیمت وصول کرنا ہی ہے تو دس بیس مردوں کے بجائے ایک ہی اچھا اور فراخدل مرد تلاش کر لے۔"

"بس کرو......" پروین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم تو مشین کی طرح شروع ہو گئیں...... دم تو لو۔"

"دم کیسے لوں پروین۔" عاتکہ کے لہجے میں شکستگی اتر آئی۔ "تمہیں یاد ہے ہمارے ساتھ کالج میں ایک لڑکی ہوا کرتی تھی...... سحر۔"

"ہاں۔ بڑی نازک اور دھان پان سی۔"

"وہی وہی...... اس بے چاری کو اس کی ساس نے صرف اس لئے اپنے بیٹے سے طلاق دلوا دی کہ وہ چھ ماہ کی حاملہ تھی، پاؤں پھسلا، سیڑھیوں سے گری اور بچہ ضائع ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ آئندہ پانچ سال تک اگر اس نے ماں بننے کی کوشش کی تو وہ اپنی موت کی آپ ذمے دار ہو گی۔ خاوند دیوانوں کی طرح اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے اس بات کو پلے



باندھ لیا مگر ساس نے بہو اور بیٹے کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس نے پانچ سال انتظار کرنے کے بجائے سحر کو طلاق دلوا دی۔ بیٹے نے آخر دم تک ماں کے آگے ہاتھ جوڑے۔ پاؤں پڑا۔ بھیک مانگی...... مگر ماں نے اسے اپنی ناراضگی کی ایسی خوفناک دھمکی دی کہ وہ مجبور ہو گیا۔ روتی، پیٹتی، لاڈوں کی پلی بے گناہ سحر جب طلاق یافتہ ہو کر میکے پہنچی تو دو دن بعد اس نے خودکشی کر لی۔ اس کا خاوند اس کی جدائی کے بعد موت کا صدمہ نہ سہہ سکا اور پاگل ہو گیا۔ اب اس کی ماں دن رات اس پر روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہے۔ اس کے آنسو دیکھے نہیں جاتے مگر...... کیا اب سحر لوٹ آئے گی؟ کیا اس کا بیٹا صحت یاب ہو سکے گا؟ ایک پل کی نادانی انسان کو اس عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے پروین جس کا دورانیہ قیامت تک طویل ہو سکتا ہے۔"

"نصیر بھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" پروین نے دھیرے سے کہا۔

"تو اسے کہو اپنی محبت ثابت کرے۔ ماں باپ کی محبت میں نقب نہ لگائے مگر بیوی کی محبت کو بھی جراب سمجھ کر بدلنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر نصیر بھائی کو تم سے محبت ہے تو انہیں چاہیے کہ خالہ کو سمجھائیں۔"

"ہر روز رات کو سونے سے پہلے یہ بحث ہوتی ہے مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا عاتکہ۔" پروین پریشانی سے بولی۔

"اگر تم کہو تو میں خالہ سے خود بات کروں۔"

"تم......" پروین نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"ہاں میں۔" عاتکہ نے جواب دیا۔ "تم گھبرا کیوں گئیں۔ میں ان سے سیدھی سیدھی دو باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ شاید بحث مباحثے کے بجائے یہ مختصر بات ان کی سمجھ میں آ جائے۔"

"وہ برا نہ مان جائیں عاتکہ کہ میں نے گھر کی بات باہر کیوں کی؟" پروین اب بھی گھبرا رہی تھی۔

"جب وہ بیٹے کی دوسری شادی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں تو گھر سے باہر جا کر ہی مار رہی ہیں ناں۔ یا گھر میں لڑکیوں کی کوئی بیل لگا رکھی ہے جہاں سے ایک اور جوان لڑکی توڑ کر بیٹے کے حوالے کر دیں گی اور اگر وہ باہر یہ معاملہ غیر لوگوں سے ڈسکس کر سکتی ہیں تو ہم تو گھر کے اندر رہ کر ان سے بات کریں گے۔"

"سوچ لو۔" پروین نے اڑے اڑے سے رنگ کے ساتھ کہا۔

"سوچ لیا۔" عاتکہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہمارے سوچتے سوچتے وہ دیگیں چڑھا دیں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"کیوں بدفال منہ سے نکالتی ہو۔" پروین نے اسے شکوے کے انداز میں دیکھا۔

"ذرا سا۔" عاتکہ نے انگوٹھے کو انگلی کی پور پر رکھا۔ "ذرا سا حوصلہ کرلو پروین جان۔ تمہارا گھر بھی بچ جائے گا اور سانپ بھی مر جائے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"مجھے ایک بار خالہ سے بات کر لینے دو۔"

"تمہیں کسی اچھے نتیجے کی امید ہے؟"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"اچھا....." پروین نے طوعاً و کرہاً کہا۔ "اگر تم سمجھتی ہو کہ تمہارے بات کرنے سے یہ مصیبت ٹل سکتی ہے تو....."

"اس طرح پھیکے انداز میں مت مسکراؤ پروین۔" عاتکہ نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ "تم میری سہیلی ہو۔ مجھے کوشش کرنے دو۔ اللہ بہتر کرے گا۔"

اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی۔

"خالہ آ گئیں۔" پروین اٹھ گئی۔

اس نے جا کر دروازہ کھولا۔ بیگم جواد گھر میں داخل ہوئیں۔ سرد سی نظروں سے پروین کو دیکھا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئیں جو پہلی منزل پر ہی واقع تھا۔

پانچ منٹ بعد ہی عاتکہ ان کے کمرے میں آ دھمکی۔

"السلام علیکم خالہ جان!" اس نے ادب سے ان کے آگے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"ارے..... تم کب آئیں بیٹی!" وہ حیرت سے مسکرائیں اور اس کے سر پر پیار دیا۔

"گھنٹہ بھر ہو گیا خالہ جان!" وہ ان کے قریب ہی قالین پر بیٹھ گئی۔

"اچھا۔" وہ سنجیدہ ہو گئیں۔ "پروین نے بتایا نہیں مجھے۔"

"اس بے چاری کو تو رونے دھونے سے ہی فرصت نہیں۔" عاتکہ نے سیدھے سیدھے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" وہ چونکیں۔ "کیا ہوا اسے؟"

"آپ جانتی ہیں خالہ جان!" عاتکہ نے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "پھر مجھ سے پوچھنے کا فائدہ؟"

"اب تم بھی مجھ نصیبوں جلی کو ہی برا کہو گی بیٹی۔" بیگم جواد اداس ہو گئیں۔ "کیا مجھے اپنے بیٹے کی نسل آگے بڑھانے کا کوئی حق نہیں۔ میں کیا برا کر رہی ہوں کہ سب لوگ مجھے



مجرم سمجھ رہے ہیں!"

"ایسی کوئی بات نہیں خالہ جان!" عاتکہ نے اسی ادب کے ساتھ کہا۔ "مگر آپ جیسی روشن خیال ماں بھی اگر اس انداز میں سوچنے لگے تو....."

"دیکھو بیٹی!" بیگم جواد نے اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ "تم ایسا کہہ سکتی ہو کیونکہ اللہ نے تمہارے آنگن میں ایک پھول تو کھلا رکھا ہے۔ میرا مطلب نوید سے ہے۔ اللہ اسے لمبی عمر عطا کرے۔ اگر میں اپنے گھر میں رونق چاہتی ہوں تو کیا یہ بری بات ہے۔"

"میں نے یہ کب کہا خالہ جان!" عاتکہ نے جواب دینا چاہا۔

"پھر چار شادیوں کی اجازت تو مذہب بھی دیتا ہے بیٹی۔" بیگم جواد نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔

"بالکل دیتا ہے خالہ جان!" عاتکہ نے جیسے باقاعدہ بحث کی ٹھان لی۔ "مگر اس وقت جب مرد خود چاہے۔ اسے کوئی مجبوری ہو۔ بیوی کو آپریٹ نہ کرتی ہو۔ رزق کی تنگی ہو یا وہ خود ایک بیوی پر قناعت نہ کر پاتا ہو..... تب مذہب یہ اجازت دیتا ہے اور میرا خیال ہے کہ نصیر بھائی کو ان میں سے کوئی ایک مجبوری بھی لاحق نہیں ہے۔ وہ تو پروین سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور محض....."

"میری وجہ سے مجبور ہو رہا ہے۔" بیگم جواد نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ کہا۔ "تو کیا ماں کی خوشی بیٹے کی مجبوری نہیں ہے؟"

"دیکھئے خالہ جان!" عاتکہ نے پینترا بدلا۔ "ابھی شادی کو عرصہ ہی کتنا ہوا ہے۔ تین سال..... میں خود شادی کے چار سال بعد ماں بنی تھی۔ پروین کو اگر دو ایک سال مزید لگ بھی جائیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ کون سا بڑھاپا طاری ہو رہا ہے ان دونوں پر۔"

"مجھ پر تو خزاں آ چکی ہے ناں بیٹی۔" بیگم جواد نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "میں عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں کسی بھی وقت بلاوا آ سکتا ہے۔ پھر نصیر کے علاوہ میرا ہے کون جس کی خوشیاں دیکھنے کے لئے میں زندہ ہوں۔ چاہتی ہوں کہ مرنے سے پہلے اس کی اولاد کو گود میں چار دن کھیلتا دیکھوں۔"

"خالہ جان۔ بلاوا تو کسی کو بھی اور کبھی بھی آ سکتا ہے۔" عاتکہ نے ادب کا دامن تھامے رکھا۔ "کون پہلے جائے گا اور کون بعد میں' اس کے لئے جوانی' بچپن' بڑھاپا شرط نہیں ہے۔ رہی بات نصیر بھائی کی اولاد ہونے کی تو اگر وہ ان کی قسمت میں ہے تو پروین سے بھی ہو سکتی ہے اور اگر خدانخواستہ اس میں دیر سویر ہے یا میرے منہ میں خاک' ان کی قسمت میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اولاد ہے ہی نہیں تو دوسری چھوڑ آپ چوتھی بہو بھی لے آئیں' کیا فرق پڑے گا۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے بیٹی۔" بیگم جواد نے سر جھکا لیا۔ "مگر میں اپنے دل کا کیا کروں۔ جو اپنے پوتے پوتی کا منہ دیکھنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔"

"اسے سمجھائیے خالہ جان۔ دل کو دلاسہ دیجئے۔ خدا سے دعا کیجئے کیونکہ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا اور جب چاہے گا۔ اس کی مرضی کے بغیر اور وقت سے آگے پیچھے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

بیگم جواد خاموش ہو گئیں۔ شاید انہوں نے جان لیا تھا کہ عاتکہ سے بحث میں وہ جیت نہیں سکتیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ روز کی باتیں تھیں جو نصیر اور پروین کے ساتھ وہ بار بار کہہ سن چکی تھیں۔

"تو پھر میں کیا امید لے کر جاؤں خالہ جان!" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عاتکہ نے کہا۔

"کیسی امید بیٹی؟" انہوں نے سر اٹھایا۔

"آپ اپنے فیصلے میں کوئی ترمیم کریں گی یا.....؟"

"مجھے مجبور مت کرو بیٹی۔" بیگم جواد نے نظریں چرا لیں۔ "میں نصیر کی دوسری شادی کا فیصلہ کر چکی ہوں اور اس میں لچک ممکن نہیں۔"

"خالہ جان!" عاتکہ نے بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پایا۔ اسے ایک دم وہ بڑھ بڑھ زہر کی پڑیا لگنے لگی۔ "ایک تجویز ہے میرے ذہن میں اگر آپ اس پر غور کر لیں تو....."

"کیا؟" بیگم جواد نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں۔

"کوئی بچہ گود لے لیں۔"

"نہ نہ بیٹی۔ دوسرے کی اولاد کون پالے۔ اور پھر وہ بچہ نجانے کس خاندان سے ہو' کیسا خون ہو اس کی رگوں میں۔" بیگم جواد نے صاف انکار کر دیا۔

"اچھے خاندان کا بچہ بھی تلاش کیا جا سکتا ہے خالہ جان۔ کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے ہی خاندان میں سے رجوع کریں۔"

"نہیں بیٹی۔ یہ بات دل سے نکال دو۔ میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مجھے تو نصیر ہی ہوں مگر اس نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کیا۔ کا بیٹا بیٹی چاہیے۔"

"معاف کیجئے گا خالہ جان!" اس کا مطلب ہے آپ اس گھر کو اجاڑ کر رہیں گی۔ عاتکہ نے بالآخر کہہ دیا۔

"دیکھو بیٹی۔" بیگم جواد نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا۔ "تم نے بہت بڑی بات



کہہ دی اور میں نے سن لی۔ اب اس سے آگے تم ایک لفظ مت کہنا۔"

"دوسرے لفظوں میں اب میں جا سکتی ہوں۔" عاتکہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔" انہوں نے سرخ ہوتے چہرے کو گھما لیا۔ "تم پروین کی سہیلی ہو۔ میں تمہیں گھر سے نکلنے کا کیسے کہہ سکتی ہوں۔"

"اور پروین کو بے شک نکال دیں۔" وہ طنز سے بولی۔

"اسے کون کم بخت گھر سے نکال رہا ہے۔" بیگم جواد جیسے پھٹ پڑیں۔ "وہ اس گھر میں اسی طرح رہے گی جیسے اب رہ رہی ہے۔ نصیر کی دوسری بیوی اس کے ہاتھ تلے رہے گی۔ وہ اس گھر کی بڑی بہو ہے۔"

"سوکن برداشت کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے خالہ جان۔" عاتکہ نے آہ بھر کر کہا۔ "میں نہیں جانتی کہ پروین یہ صدمہ سہہ پائے گی یا نہیں۔ ویسے خالہ جان' کیا نصیر بھائی دل سے اس نئی شادی کے لئے راضی ہیں؟"

"نہ بھی ہو تو مجھے یہ کام بہرحال کرنا ہے۔" وہ ضد کے انداز میں بولیں۔

"اور اگر پھر بھی اولاد نہ ہوئی تو.....؟" عاتکہ نے جیسے ان کو تاؤ دلایا۔

"تو میں اس کی ایک اور شادی کر دوں گی۔" بیگم جواد نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"شادی دفتر کھول لیجئے خالہ جان۔" عاتکہ نے جل کر کہا اور دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ "وہاں صرف نصیر بھائی کی نئی سے نئی شادی کے لئے رشتے کیا کیجئے گا۔"

بیگم جواد نے غصے کے مارے کچھ کہنا چاہا مگر عاتکہ تب تک "خدا حافظ" کی لٹھ ان کے سر پر مار کر کمرے سے نکل چکی تھی۔ وہ طیش میں اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئیں۔

"پروین!" عاتکہ نے اس کو کمرے سے باہر دروازے کے ایک طرف کھڑے دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "تم....."

اور پروین نے اشکبار آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے سپر ڈال دی۔ عاتکہ نے دل میں درد کی ایک لہر اٹھتی محسوس کی اور اسے ساتھ لئے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے محسوس ہوا جیسے بیگم جواد اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی ان کو دیکھ رہی ہیں مگر اس نے پلٹ کر دیکھنا گوارا نہ کیا۔

کمرے میں آ کر پروین ایک بار پھر غم و الم میں ڈوب کر رہ گئی۔ عاتکہ اسے سوائے دلاسے کے اور کیا دے سکتی تھی مگر اس کا ذہن تیزی سے کوئی ترکیب سوچنے میں مشغول تھا۔ اسے ہر قیمت پر پروین کا گھر بچانا تھا چاہے اس کے لئے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



عاتکہ اور محمود، پروین اور نصیر کی خاطر مدارات سے فارغ ہو چکے تھے۔ نوید سو چکا تھا اور اب وہ چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے کے آخری سپ لے رہے تھے۔ چند لمحوں بعد عاتکہ نے چائے کے خالی برتن سمیٹے اور باورچی خانے میں رکھ آئی۔ ملازمہ جا چکی تھی۔ اب وہ صبح آتی اور اپنا کام کرتی۔

جنوری کے آخری دن تھے۔ سردی مزہ دے رہی تھی اور کمرے کا گرم ماحول اس موسم کے لطف کو دوبالا کر رہا تھا۔ پروین سر جھکائے گود میں رکھے اپنے نرم و گداز ہاتھوں کو گھور رہی تھی۔ نصیر اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ محمود نے عاتکہ کو داخل ہوتے دیکھا تو مسکرا دیا۔

"آؤ بھی۔ یہ دونوں تو مٹی کے مادھو بنے بیٹھے ہیں۔ کچھ تم ہی ان کو سمجھاؤ۔"

"میں کیا سمجھاؤں محمود۔" عاتکہ اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ان کا مسئلہ اتنا بڑا ہے نہیں جتنا انہوں نے بنا لیا ہے۔"

"بھابی۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر....."

"دیکھئے نصیر بھائی۔ آپ کی والدہ میری بھی والدہ ہی کی طرح ہیں۔ صبح میری ان سے جو گفتگو ہوئی اس کے بعد میں یہ جان چکی ہوں کہ وہ ہر قیمت پر آپ کی دوسری شادی کرنے پر تلی بیٹھی ہیں۔ آپ اپنی بتائیے کہ آپ اس معاملے میں کیا کہتے ہیں؟"

پروین نے گھبرا کر عاتکہ کی طرف دیکھا جس نے جان بوجھ کر اس کی طرف سے نظریں ہٹا لیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ پروین کی گھبراہٹ اور خوف اسے بھی کمزور کر دے۔

"بھابی۔ میں تو دونوں طرف سے پھنسا ہوا ہوں۔" نصیر نے بے چارگی سے جواب دیا۔ "نہ پروین کو چھوڑ سکتا ہوں نہ ماں کی بات ٹال سکتا ہوں۔"

"یعنی تم کسی بھی وقت دوبارہ دولہا بن جانے کے چکر میں ہو۔" محمود نے اسے غور سے دیکھا۔

"یہ میں نے کب کہا؟" سٹ پٹا کر نصیر بول اٹھا۔

"تمہاری بات کا مطلب تو یہی نکلتا ہے۔" محمود بحث پر اتر آیا۔

"میں نے ابھی تک امی کی ضد کے آگے انکار کی دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔"

"مگر یہ دیوار کتنے دن قائم رہے گی..... محض انکار تو اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں محمود..... مگر کوئی حل مجھے بھی سوجھتا نہیں ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"میری نظر میں ایک حل ہے..... گو اس میں ذرا وقت لگ سکتا ہے۔"



"وہ کیا؟" پروین اور نصیر کے لبوں سے بیک وقت نکلا اور وہ عاتکہ کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔

"محمود۔ اپنی ملازمہ ہے ناں مائی عیدو۔"

"ہاں ہاں۔ کیا ہوا اسے؟" محمود نے پوچھا۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔" عاتکہ نے جواب میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آج جب میں پروین کے ہاں سے لوٹی تو باتوں باتوں میں اس سے پروین کا ذکر چھڑ گیا۔ اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو اس مسئلے کو سلجھا سکتا ہے۔"

"آدمی..... کون آدمی؟" محمود نے حیرت سے کہا۔

"ایک عامل ہے۔ اس کے محلے میں رہتا ہے۔ وہ اس کی بڑی تعریفیں کرتی ہے۔ ہے تو وہ عیسائی مگر سنا ہے کہ بڑی دھاک ہے اس کے علم کی۔"

"عیسائی ہے۔" نصیر چونکا۔ "اور عامل بھی۔ پھر تو وہ کالا جادو کرتا ہوگا۔"

"کالا جادو کرے یا سفید۔ ہمیں تو اپنے کام سے مطلب ہے نصیر بھائی۔" عاتکہ نے پٹ سے کہا۔

"مگر وہ اس معاملے میں کیا کرے گا؟" محمود نے عاتکہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"عیدو کہہ رہی تھی کہ وہ کچھ عمل وغیرہ کرے گا جس سے پروین کی گود ہری ہو سکتی ہے۔"

"ارے چھوڑو عاتکہ۔ کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ عامل وامل سب ڈھونگی اور بہروپئے ہوتے ہیں۔ پھر کالے علم والے تو ویسے ہی....."

"میں نے پہلے بھی کہا محمود اور اب بھی کہہ رہی ہوں کہ علم کالا ہو یا نیلا پیلا، ہمیں اس سے کیا؟ ہمارا تو کام ہونا چاہیے۔"

"مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ عامل ہمارا کام کر ہی دے گا۔"

"وہ کام گارنٹی سے کرتا ہے۔ پیسے تو بہت ٹھیک ٹھاک لیتا ہے مگر آج تک کسی نے یہ شکایت نہیں کی کہ کسی کا کام نہیں ہوا۔"

"یہ بھی مائی عیدو نے کہا ہوگا؟"

"ہاں۔" عاتکہ نے محمود کا طنز نظر انداز کر دیا۔ "وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ چاند ڈھلا ہوا ہے اور یہ دن کالے علم والوں کے لئے بہترین ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر اس عامل سے مل لیا جائے تو میرا خیال ہے....."

"میرا تو ان باتوں پر یقین نہیں ہے۔ ہاں نصیر سے پوچھ لو۔ اگر یہ اور پروین تیار ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تو.....'' محمود نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''میں تو پروین کے لئے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے اس سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہے۔'' نصیر نے محبت پاش نظروں سے پاس بیٹھی پروین کی طرف دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

پروین نے نصیر کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جلتے محبت کے چراغوں نے اسے تمتما دیا۔ اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور آہستہ سے نصیر کا ہاتھ دبا کر اس نے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

''اتنے پیروں فقیروں کے پاس خالہ مجھے لے کر گئیں۔ اتنے مزاروں پر حاضریاں دیں۔ اتنے ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ گنڈے کرائے۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ تو پھر یہ عامل کیا کر لے گا جب ابھی میری قسمت ہی میں اولاد کا سکھ نہیں ہے۔'' پروین کا لہجہ مایوسی سے لبریز تھا۔

''یہ نہ کہو پروین۔'' عاتکہ نے جلدی سے کہا۔ ''بڑے سے بڑے مرض کا کبھی کبھی مہنگی دوا کے بجائے چند روپوں کے ٹوٹکے سے علاج ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ عامل ہمارے مسئلے میں موجود رکاوٹ کو دور کر سکے اور.....''

''مگر عاتکہ۔ وہ عیسائی ہے اور جادو.....'' پروین نے اس کی بات کاٹ دی۔

''جادو سے اگر اچھا کام لیا جائے تو کیا برائی ہے اس میں۔ یہ بالکل ویسی ہی بات ہے کہ اگر تم کسی کے فائدے اور بھلائی کے لئے جھوٹ بولو تو گناہ لازم نہیں آتا اور اگر تمہارا سچ کسی بے گناہ کی جان لے لے تو ایسے سچ سے پرہیز لازم ہے۔ اس نقطہ نظر کے حوالے سے میں تو یہی کہوں گی کہ اس عامل سے مل لینا چاہیے۔ ہم کون سا فیصلہ کر کے جا رہے ہیں کہ ضرور ہی اس کی بات پر عمل کریں گے۔ اس سے اپنا مسئلہ بیان کریں گے۔ اس کا جواب سنیں گے۔ اگر ہمارے ذہن کو اپیل کر گیا تو ہاں کریں گے ورنہ لوٹ آئیں گے..... پیر لڑکا نہ دے گا تو کیا واپس بھی نہ آنے دے گا۔''

''ایک حد تک تمہاری باتوں میں وزن تو ہے عاتکہ۔'' محمود نے سر ہلا کر جیسے اس کی تائید کی۔

''آپ کیا کہتے ہیں نصیر بھائی؟''

''میں تو دل و جان سے تیار ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔

''اور تم سے پوچھنا تو ویسے ہی بیکار ہے۔ تمہارا دماغ تو آج کل کھسکا ہوا ہے۔'' عاتکہ نے پروین کی طرف دیکھ کر طنز سے کہا۔ ''اس لئے فیصلہ ہو گیا کہ کل ہم اس عامل سے



ملیں گے؟''

''ایک منٹ۔'' محمود نے سوال کرنے والے طالب علم کی طرح ہاتھ کھڑا کیا۔

''جی فرمایئے!'' عاتکہ نے اسے شوخی سے دیکھا۔

''یہ ہم سے کیا مراد ہے تمہاری؟ میرا مطلب ہے کہ کون کون جائے گا وہاں؟''

''ہم چاروں؟''

''نہیں۔'' محمود نے انکار میں سر ہلایا۔ ''یہ مناسب نہیں ہے۔ اتنی بھیڑ کا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ عامل یہاں آ جائے؟''

''یہ تو عیدو سے پوچھنا پڑے گا۔ پتہ نہیں وہ گھروں میں آتا ہے یا نہیں؟''

''بھئی اگر اس کی کوئی فیس ہے تو ادا کر دیں گے۔ محمود کی یہ بات درست ہے کہ اگر وہ یہاں آ جائے تو زیادہ بہتر ہے۔'' نصیر نے کہا۔

''تو ٹھیک ہے۔ صبح عیدو سے پوچھ لیں گے۔ اگر وہ اسے یہاں لا سکی تو بہتر ورنہ پھر ہمیں کو وہاں جانا پڑے گا اور ہاں' ابھی تک سب سے ضروری بات تو تم نے ہمیں بتائی ہی نہیں؟'' محمود بولا۔

''وہ کیا؟''

''ارے بھائی اس عامل کامل کا نام کیا ہے؟ شاید کسی حوالے سے ہم بھی اسے جانتے ہوں۔''

''ایشور داس نام ہے اس کا۔ یہ میں بتا چکی ہوں کہ وہ عیسائی ہے۔'' عاتکہ نے جواب دیا۔

''ایشور داس۔'' نصیر ہولے سے چونکا اور صوفے پر پہلو بدلا۔

''کیوں..... کیا تم جانتے ہو اسے؟'' محمود نے اس کی جانب غور سے دیکھا۔

''یہ نام سنا ہوا لگتا ہے۔ یہ گڑھی شاہ دین میں تو نہیں رہتا۔ ریلوے پھاٹک کے پاس والی آبادی میں۔''

''وہی وہی۔'' عاتکہ نے نصیر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''مگر آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟''

''میں اسے شکل سے نہیں جانتا۔ دفتر میں کام کرنے والے ایک سے زیادہ آدمیوں سے میں اس کی تعریف سن چکا ہوں۔ وہ انعامی بانڈ کے نمبر بھی بتاتا ہے اور میچ کی ہار جیت بھی۔''

''اوہو.....'' محمود کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ ''مگر آفس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



میرے کانوں تک یہ باتیں نہیں پہنچیں۔"

"تم افسر آدمی ہو بھائی۔ عام لوگوں میں اٹھتے بیٹھتے ہی نہیں۔ میں ذرا ان میں گھلا ملا رہتا ہوں اس لئے وہ کچھ بھی مجھ تک پہنچ جاتا ہے جو عام حالات میں تم تک نہ پہنچ سکے۔"

"بہر حال..... پھر کیا فیصلہ ہوا؟"

"فیصلہ تو ہو چکا۔ کل میں عیدو سے پوچھوں گی کہ ایشور داس یہاں آ سکتا ہے یا ہمیں اس کے پاس جانا ہوگا۔ اگر جانا ہے تو کب جانا چاہیے؟ اس کے بعد اس سے چل کر مل لیں گے؟"

"ٹھیک ہے۔" محمود نے صوفے کے ہتھوں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "یہ فیصلہ تو ہو گیا۔ اب اگر ایک ایک کپ گرم گرم کافی کا مل سکے تو موسم کے ساتھ ساتھ اس کیفیت کا مزہ بھی لیا جا سکے گا جو پروین بھابی اور نصیر کی TENSION کم ہونے پر جنم لے رہی ہے۔"

"ضرور۔ میں بنا کر لاتی ہوں۔" عاتکہ اٹھ گئی۔

"چلو۔ میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتی ہوں۔" پروین اس کے ساتھ چل دی۔

"اللہ کرے یہ ایشور داس کوئی کام کا بندہ نکل آئے۔ تمہارا یہ مسئلہ حل ہو تو میں سکھ کا سانس لوں یار۔" نصیر بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔

"تم میرے لئے بہت PAIN لیتے ہو محمود۔" نصیر نے اسے ممنونیت سے دیکھا۔

"لینی پڑتی ہے بھائی..... پروین جیسی بھابی دکھ میں ہو اور اس کی وجہ سے میری عاتکہ بے چین ہو تو PAIN لینی پڑتی ہے۔" محمود کا لہجہ بڑا ناصحانہ تھا۔

"سمجھا۔" نصیر نے ایک طویل سانس خارج کی۔ "تو یہ سب عاتکہ بھابی کے لئے ہو رہا ہے۔"

"سچی بات تو یہی ہے بھائی۔ اب تم جو چاہو ساتھ جوڑ لو۔" معصومیت بھرے انداز میں محمود بولا تو بے اختیار نصیر کی ہنسی نکل گئی۔

"دوغلے۔ اگر میں عاتکہ بھابی کو ابھی تمہاری سیکرٹری ناصرہ جان کے بارے میں بتا دوں تو ساری بیگم پرستی ہوا ہو جائے گی۔"

"ارے ارے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔ "آہستہ بولو۔ کیا غضب کر رہے ہو۔ یہ باہر کی باتیں ہیں۔ ان کا گھر کے اندر ذکر کرنا مناسب نہیں ہے یار۔ اور ویسے بھی ان عورتوں کو جب تک لاعلم رکھا جائے بہتر ہے۔"

"ویسے محمود۔ اگر کسی دن عاتکہ بھابی کو تمہارے کسی افیئر کا پتہ چل گیا تو....."



"مارا جاؤں گا یار۔" محمود آواز دبا کر بول رہا تھا۔ "اب تم بس کرو۔ کوئی اور بات نہیں ہے کرنے کو۔ اگر نہیں ہے تو خاموش ہی ہو جاؤ میرے طوطے۔ خواہ مخواہ کی ٹیں ٹیں سے کیوں میرا استیاناس کرنے پر تلے ہوئے ہو۔"

"اچھا۔" نصیر نے شانے اچکائے۔ "تم کہتے ہو تو خاموش ہو جاتا ہوں۔ حالانکہ بڑا مزہ دے رہا تھا ناصرہ جان کا ذکر۔"

"ناصرہ کو جان کہہ کر تم اپنا کیس نہ چھپاؤ بچے۔ کیا میں نہیں جانتا کہ ہر دوسرے دن اوور ٹائم کے بہانے تم اس کے ساتھ کس ہوٹل میں موج اڑانے جاتے ہو۔"

"کس کے ساتھ؟" نصیر کا رنگ اڑ گیا۔

"اسی ناصرہ جان کے ساتھ.....اور کیا میرے ساتھ؟" محمود کے لہجے میں بڑا نوکیلا طنز تھا۔

"تو کیا؟" نصیر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"میں بہت دیر سے جانتا ہوں مگر اس لئے خاموش ہوں کہ یہ تتلیاں ہم بھنوروں کا کھیل ہیں۔ میں کھیلوں یا تم..... کیا فرق پڑتا ہے مگر کبھی اس کھیل کو سنجیدگی کا رنگ مت دے لینا نصیر۔ جہاں تم سنجیدہ ہوئے وہیں دوستی میں دراڑ جنم لے لے گی۔"

"ارے نہیں یار۔ تم پر ہزار ناصرائیں قربان۔ تم کبھی اس معاملے میں سیریس ہوئے نہیں اس لئے میں بھی پانسہ پھینکتا رہا۔ اگر مجھے ذرا بھی شک ہوتا کہ تم اس سے INVOLVE ہو تو میں ایک قدم آگے نہ بڑھاتا۔"

"میں جانتا ہوں نصیر..... اس بے چاری کی بھی مجبوری ہے۔ مجھ سے دفتری ماحول میں سہولت اور تم سے ہلکی پھلکی شاپنگ اس کا ٹارگٹ ہے۔ چلنے دو جب تک چل سکے۔"

جواب میں نصیر محض سر ہلا کر رہ گیا۔ اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا کیونکہ دروازے کے قریب سے پروین اور عاتکہ کے قدموں کی آہٹ ابھر رہی تھی۔

❁❁❁

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❁❁❁

"دیکھئے بی بی جی۔ ایک بات تو مجھے معلوم ہے وہ میں آپ کو بتا دیتی ہوں۔ وہ یہ کہ ایشورداس شاذونادر ہی کسی کے گھر جاتا ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگ...... یہ بڑی بڑی گاڑیوں والے...... اس کے گھر چل کر آتے ہیں۔ اگر آپ ضد کرتی ہیں تو میں آج اس سے پوچھ لوں گی کہ وہ یہاں آپ کے گھر آ سکتا ہے یا نہیں؟ ویسے مجھے امید نہیں ہے کہ وہ آسانی سے ہاں کر دے۔" عیدو نے ایک بات کو کئی وضاحتوں کے ساتھ کہا۔

"فیس کی تم فکر نہ کرو عیدو۔ اگر اس نے پروین والا کام کر دیا تو اسے فیس منہ مانگی دی جائے گی اور تمہیں تو میں ایسا خوش کروں گی کہ تم نہال ہو جاؤ گی۔" عاتکہ نے اسے لالچ دیا۔

"آپ کا کام ہو جائے۔ پروین بی بی کا گھر بسا رہے۔ اس سے بڑی خوشی کی کیا بات ہے بی بی جی۔" عیدو نے سانولے سلونے چہرے پر موجود چمکتی آنکھوں کا رخ عاتکہ کے پرس کی طرف پھیرا جو تپائی پر پڑا تھا۔

عاتکہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور مسکرا کر پرس اٹھا لیا۔ "پھر بھی عیدو...... تمہاری کچھ نہ کچھ خدمت کرتے رہنا تو ضروری ہے ناں۔" اس نے سو سو کے دو نوٹ نکال کر عیدو کی مٹھی میں دبا دیے۔ وہ رسمی طور پر نہ نہ کرتی رہی۔ پھر عاتکہ کے دو ایک بار اصرار کرنے پر جیسے مجبوراً اس نے نوٹ گریبان میں رکھ لئے۔

چالیس پینتالیس سال کی صحت مند، صاف ستھری اور محنتی عیدو آٹھ برس سے یہاں ملازم تھی۔ نہ وہ کام چور تھی نہ بے ایمان۔ ہاں سو دو سو کی اسے اکثر ضرورت رہتی جو تنخواہ کے علاوہ عاتکہ اور محمود اسے دان کرتے رہتے۔ یوں وہ تقریباً آدھی تنخواہ کے برابر رقم مہینے میں ان سے بخشیش میں لے لیتی۔ اب ایسے مالک اسے چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی کہاں ملتے، اس لئے وہ یہاں پوری محنت اور محبت سے کام میں جان مارتی تھی۔ ننھا نوید اس کے لئے کھلونا بھی تھا اور وقت گزاری کا ذریعہ بھی۔ کھانے، کپڑے کی کوئی دقت نہ تھی۔ سو وہ ہر معاملے کو اپنا معاملہ سمجھ کر اس گھر والوں کے کام آنا اپنا فرض جانتی تھی کہ اس کام آنے کا بھی



الگ سے اسے معاوضہ ملتا تھا، جیسا کہ ابھی عاتکہ نے اسے دو سو روپے سے نوازا تھا۔

"اب کل تم نے ایشورداس سے پوری معلومات لے کر آنا ہے عیدو۔" عاتکہ نے پرس واپس تپائی پر ڈال دیا۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بی بی جی۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں کل ہر بات پوچھ کر آؤں گی اس سے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم ذرا کچن سنبھالو۔ میں دو گھنٹے کی نیند لینا چاہتی ہوں۔ نوید جاگے تو اسے فیڈ کر دینا۔"

"جی بی بی جی۔" عیدو نے صوفوں کے غلاف ٹھیک کرتے ہوئے جواب دیا۔ عاتکہ نے پرس اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔ وہ پروین کو فون کر کے صورتحال بتانا اور ادھر کی صورتحال جاننا چاہتی تھی۔ کمرے میں آ کر وہ بستر پر نیم دراز ہو گئی اور فون اٹھا کر پہلو میں رکھ لیا۔

❁❁❁

دوسرے دن آتے ہی عیدو نے اپنی اطلاعات کا پٹارا کھول دیا۔

"بی بی جی...... ایشورداس سے میں نے بات کی تھی جی۔"

"پھر کیا کہا اس نے؟" بے صبری سے عاتکہ نے پوچھا۔

"بی بی جی۔ وہ کہتا ہے کہ اسے یہاں آنے میں کوئی اعتراض نہیں مگر......"

"مگر کیا؟ جلدی بولو ناں۔"

"مگر یہ کہ اس کا یہاں آنا اس صورتحال میں سودمند نہیں ہوگا۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ کہتا ہے بی بی جی کہ اسے موکل حاضر کرنا ہوتے ہیں۔ ان سے بات چیت کے بعد ہی وہ معاملے کا حل سمجھ اور سمجھا سکتا ہے اور یہ کام وہ اپنے اڈے پر ہی سہولت کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اگر اسے یہاں آنا پڑا تو وہ اپنی کون کون سی چیز اٹھا کر یہاں لائے گا۔ میرا مطلب ہے کھوپڑیاں، منکے، چھری چاقو، ہنومان کا بت وغیرہ وغیرہ۔ سو طرح کی تو الا بلا چیزیں ہیں جن سے وہ کام لیتا ہے۔"

"ہوں۔" عاتکہ سوچ میں پڑ گئی۔ "کہتا تو وہ بھی ٹھیک ہے عیدو۔"

"پھر بھی بی بی جی۔ میں نے اسے بڑا مجبور کیا۔ محلے داری کا خیال کرنے کو کہا تو اس نے ایک سہولت پر آمادگی ظاہر کی ہے۔"

"وہ کیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"وہ کہتا ہے کہ آپ لوگ ایک بار پہلے اس کے پاس چکر لگالیں۔ اس کے بعد پھر کبھی اگر ضروری ہوا تو آپ لوگ وہاں جائیے گا ورنہ وہ میرے ہاتھ ہرکام کر کے بھیج دیا کرے گا۔"

"اچھا۔" عاتکہ نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ "تو کس کس کو جانا ہوگا پہلی بار وہاں؟"

"پروین بی بی اور آپ کو؟"

"اور نصیر یا محمود۔"

"ان کی ضرورت ہی نہیں ہے جی۔ ہاں اپنے طور پر وہ جانا چاہیں تو ممانعت بھی کوئی نہیں۔ ورنہ پروین بی بی اکیلی ہی میرے ساتھ چلی جائیں تو بھی کافی ہے۔"

"نہیں نہیں۔" عاتکہ نے جلدی سے کہا۔ "اس پگلی کو میں تنہا وہاں نہیں بھیج سکتی۔ میں خود چلوں گی تم دونوں کے ساتھ۔"

"تو ٹھیک ہے بی بی جی۔ اب آپ جب جانا چاہیں مجھے بتا دیں؟"

"جب کا کیا مطلب؟ اس نے بتایا نہیں کہ ہمیں کب جانا ہے اس کے پاس؟"

"اس نے کہا ہے جی..... آج دوپہر کے بعد یا کل صبح۔ جو وقت آپ کو مناسب لگے آپ آجائیں۔"

"آج دوپہر کے بعد۔" عاتکہ نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ "دس تو بج گئے۔ بارہ بجے یہاں سے چلیں تو آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ تو پھر کل کے بجائے آج ہی کیوں نہ چلے چلیں۔"

"یہ تو آپ پر ہے بی بی جی۔ میں تو حاضر ہوں۔" عیدو نے دانتوں کی نمائش کی۔

"ٹھہرو۔ میں پروین کو فون کرتی ہوں۔ اگر وہ ابھی آسکے تو آج ہی چلتے ہیں۔ اتنی دیر میں تم صفائی وغیرہ کر کے برتن صاف کرلو۔ کپڑے واپس آکر دھو لینا۔"

"جی بی بی جی۔" عیدو نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔

عاتکہ نے پروین کا نمبر ڈائل کیا اور فون گود میں رکھ کر صوفے پر ٹک گئی۔

"ہیلو..... کون پروین؟" رابطہ قائم ہونے پر اس نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ بول رہی ہوں۔ عاتکہ! خیریت۔" پروین نے دوسری طرف سے جواب دیا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"کیا کرنا ہے۔" وہ شکستگی سے ہنسی۔ "اکیلی پڑی بور ہو رہی تھی۔"

"خالہ کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں۔ کیوں۔ کیا بات ہے؟"



"کیا کر رہی ہیں؟"

"کیا کرنا ہے۔ تسبیح گھما رہی ہیں۔" پروین بیزاری سے بولی۔

"الٹی یا سیدھی؟"

"اب یہ میں کیا جانوں۔" پروین ہنس پڑی۔

"دوبارہ کوئی بات تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں۔ مجھ سے تو نہیں ہوئی۔ ہاں نصیر سے صبح صبح منہ ماری ہوگئی ان کی۔ آج اس نے بھی بڑی تلخی سے کہا کہ ابھی وہ دوسری شادی کے معاملے پر کوئی بات کرنا یا سننا نہیں چاہتا۔"

"ارے..... کیا واقعی؟"

"ہاں عاتکہ۔ میرا خیال ہے اس کا دل بھی اسی بات میں اٹکا ہوا ہے جو پرسوں رات تمہارے ہاں طے پائی تھی۔"

"وہ..... ایشور داس والی؟"

"ہاں..... وہی۔"

"اسی سلسلے میں تو میں نے فون کیا ہے بنو!" عاتکہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تو کیا عیدو مائی کچھ اچھی خبر لے کر آئی ہے؟" پروین کا موڈ ایک دم بدل گیا۔

"ہاں۔"

"کیا کہا اس نے؟"

"اگر تم فارغ ہو تو آجاؤ۔ ہمیں بارہ بجے کے بعد ایشور داس سے ملنے جانا ہے۔"

"آج؟"

"آج اور ابھی دو گھنٹے بعد۔ کوئی دقت تو نہیں!"

"نہیں۔ اور ہوتی بھی تو میں خاطر میں نہ لاتی۔ میں ابھی آرہی ہوں آدھ گھنٹے میں۔"

"نصیر کو فون کر دو کہ تم میرے ساتھ ایشور داس کے ہاں جا رہی ہو تاکہ وہ خالہ کو سنبھال لے اور محمود کو بھی بتا دے۔"

تو کیا ہم دونوں ہی کو جانا ہے؟"

"ہاں۔ محمود یا نصیر کی فی الحال ضرورت نہیں۔ عیدو جائے گی ہمارے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نصیر کو فون کر دیتی ہوں۔"

"اوکے۔ تم جلدی آجاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"بس۔ آدھ گھنٹے میں پہنچی کہ پہنچی۔"

"اللہ حافظ۔" کہہ کر عاتکہ نے فون کاٹ دیا۔ ٹیلی فون سیٹ تپائی پر رکھا اور صوفے پر نیم دراز ہوگئی۔

کچن سے برتنوں کی کھن کھناہٹ ابھر رہی تھی۔ عیدو تیزی سے اپنا کام نمٹا رہی تھی۔

تقریباً چالیس منٹ بعد پروین آئی۔ عاتکہ نے اسے گلے لگایا گال چوما اور دونوں سہیلیاں نیچے قالین پر بے تکلفی سے بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

"اور کیا بتایا عیدو نے؟" پروین نے بے تابی سے پوچھا۔

جواب میں عاتکہ نے اسے تفصیل سے ساری بات بتائی۔ اسی دوران عیدو چائے اور خشک میوہ جات ان کو SERVE کر گئی۔ وہ چائے پیتی اور میوے کھاتی رہیں۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

چونکیں تو وہ اس وقت جب دیوار گیر کلاک نے بارہ بجنے کا اعلان کیا۔ تقریباً ایک منٹ بعد عیدو بھی منہ ہاتھ دھو کر آ گئی۔

"چلیں بی بی جی۔" اس نے دروازے ہی میں کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ہاں۔ چلو۔" عاتکہ اور پروین اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کندھوں پر شال درست کرتے ہوئے پروین عاتکہ کے پیچھے باہر نکلی۔ پورچ میں کھڑی گاڑی میں عیدو پیچھے بیٹھی۔ عاتکہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ پروین اس کے ساتھ بیٹھی اور چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کا کہہ کر عاتکہ نے گاڑی کا رخ گڑھی شاہ دین کی طرف کر دیا۔

❁❁❁

گاڑی مین روڈ پر آئی تو عاتکہ نے سپیڈ بڑھا دی۔ پروین کے دل و دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ باوجود اس کے کہ عاتکہ نے اسے اپنی حد تک معلومات فراہم کر دی تھیں پھر بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عیدو سے خود بات چیت کرے۔ چند منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ عاتکہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ عیدو پچھلی سیٹ پر بیٹھی باہر سڑک کا نظارہ کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گاڑی میں بیٹھنے کا فخر مسکراہٹ بن کر پھیل رہا تھا۔

"عیدو..... ایشور داس کا گھر تمہارے گھر سے کتنی دور ہے۔" اچانک عاتکہ نے پوچھا۔

تو گاڑی کا سناٹا درہم برہم ہوگیا۔

"بی بی جی۔ میرے سے پہلی گلی میں اس کا مکان ہے۔ میرے گھر کی گلی تو یاد ناں آپ کو؟"



"بالکل یاد ہے۔" عاتکہ نے موڑ کاٹتے ہوئے جواب دیا تو عیدو کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔ اپنی امیر کبیر مالکن کی یادداشت میں اس کا گھر محفوظ تھا۔ یہ کیسی خوشی کی بات تھی۔

"اچھا عیدو۔ تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ ایشور داس نے پیسے کتنے مانگے ہیں؟" پروین نے وقفہ آتے ہی اپنا وجود اندر گھسیڑ دیا۔

"بی بی جی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا مگر اس نے کہا کہ تمہاری مالکن اور ان کی سہیلی سے بات کرنے کے بعد بتاؤں گا۔ ویسے بی بی جی وہ ہزاروں لاکھوں مانگ لیتا ہے۔"

"لاکھوں؟" پروین کا سانس اٹک گیا۔

"تم کیوں فکرمند ہو رہی ہو۔" عاتکہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر نظریں ونڈ سکرین پر جما دیں۔ "ہمارا کام لاکھوں والا نہیں ہے۔ ہزاروں میں ہو جائے گا اور اس کے لئے بھی تمہیں TENSE ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پھر بھی عاتکہ۔"

"ارے بابا۔ ابھی اس سے مل تو لیں۔ تم تو بس یونہی اپنے ساتھ دوسرے کو بھی ڈپریشن میں ڈال دیتی ہو۔ خاموش بیٹھو۔ ہم پہنچنے والے ہیں۔" عاتکہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"ویسے عیدو۔ بندہ تو اعتباری ہے ناں! میرا مطلب ہے فراڈ وغیرہ کا خطرہ تو نہیں۔" پروین نے عیدو کی طرف ذرا سا رخ پھیرا۔ "یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ آج کل کے اشتہاری عامل زیادہ تر جعلساز ہی ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں بی بی جی۔ وہ پیسے لیتا ہے ٹھوک بجا کے اور کام کرتا ہے گاہک کی مرضی کا۔ اشتہار اس نے شروع شروع میں اخباروں میں چھپوائے تھے مگر جلد ہی اس نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ اس کو "پبلک سٹی" کی ضرورت ہی نہیں ہے جی۔ دن رات تو لوگ رقمیں لئے اس کے گھر کے چکر کاٹتے رہتے ہیں۔" عیدو نے "پبلسٹی" کا قتل عام کیا تو پروین کے ساتھ ساتھ عاتکہ بھی مسکرا پڑی۔

"مطلب یہ کہ تمہاری گارنٹی ہے۔"

"یہی سمجھ لیں جی۔ میں کسی غلط آدمی کے ہاں تو آپ کو نہیں لے جا سکتی ناں۔"

"یہ بات تو ہے عیدو۔ ہم لوگ یونہی تو تم پر اعتماد نہیں کرتے۔"

"بس جی۔ میں بھی آپ کا ہر کام اپنا کام سمجھ کر کرتی ہوں۔" عیدو خوش ہوگئی۔

"لو بھئی عیدو بیگم۔ ہم نے ریلوے پھاٹک تو کراس کر لیا۔ اب بولو۔ کہاں رکنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہے؟'' عاتکہ نے گڑھی شاہ دین کی صاف ستھری سڑک سے ذیلی سڑک پر آتے ہوئے پوچھا۔

''میں بتاتی رہوں گی۔ آپ چلتی رہئے۔'' عیدو مستعد ہو کر بیٹھ گئی۔

یہ مین بازار کے پہلو میں نکلی ذیلی سڑک تھی۔ پندرہ فٹ سے کچھ زیادہ ہی چوڑی ہو گی۔ متوسط مگر خوشحال لوگوں کی یہ آبادی بڑے قرینے سے بنی ہوئی تھی۔ عیدو کا مکان اسی سڑک پر ایک گلی کے اندر تھا جہاں وہ اپنے بڑے سے کنبے کے ساتھ رہتی تھی۔ محلے میں شاید کسی کو علم ہی نہ تھا کہ وہ ایلیٹ ٹاؤن میں محمود اور عاتکہ کے گھر ملازمت کرتی ہے۔ اس نے بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ وقت گزارنے کا تہیہ کر رکھا تھا اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی تھی۔

''بس بی بی جی..... اس بائیں گلی میں موڑ لیجئے گاڑی۔'' اچانک عیدو نے کہا۔

عاتکہ نے گاڑی کی رفتار خاصی کم کر رکھی تھی کیونکہ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ کبھی کوئی بچہ اور کبھی کوئی مرد یا عورت کسی بھی گلی سے برآمد ہو جاتے تھے اور تیز رفتاری کے باعث حادثہ ہو سکتا تھا۔ عیدو کی آواز پر اس نے بائیں گلی میں گاڑی موڑ دی۔ یہ گلی بھی خاصی وسیع تھی۔ دائیں بائیں دو دو تین تین منزلہ صاف ستھرے اور جدید طرز تعمیر کے حامل مکان دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ یہی حال پروین کا تھا۔

''اس سرخ گیٹ والے مکان کے آگے روک لیں جی گاڑی۔'' عیدو نے دس بارہ گز دور ایک کوٹھی نما مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کے باہر ایک سوزوکی وین اور دو تین موٹر سائیکلیں پہلے سے کھڑی تھیں مگر گیٹ کے سامنے کوئی سواری پارک نہ کی گئی تھی۔ عاتکہ نے گیٹ سے ذرا پہلے گاڑی روک لی۔

''آپ دو منٹ انتظار کیجئے۔ میں ابھی آئی۔'' کہہ کر عیدو نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر گئی۔ سر پر چادر ٹھیک کرتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔ گیٹ میں موجود چھوٹا دروازہ کھولا اور اندر چلی گئی۔

پروین کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب عجیب خیالات ابھر رہے تھے۔

''عاتکہ۔ یہ مکان کسی معمولی آدمی کا تو نہیں لگتا۔'' پروین نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''یہ مکان نہیں کوٹھی ہے پروین اور کم از کم تیس پینتیس لاکھ سے کم کی نہیں ہے۔ اس کا



مطلب یہ ہے کہ ایشور داس واقعی لاکھوں میں کھیلتا ہے۔ لاکھوں مانگتا ہے اور لاکھوں وصول کرتا ہے اور اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوتی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ یا تو ایشور داس واقعی اپنے کام کا ماہر عامل ہے جس کو لوگ منہ مانگا معاوضہ ادا کرتے ہیں اور یا پھر وہ بہت بڑا فراڈ ہے جو لوگوں کو الو بنا رہا ہے اور اپنا الو سیدھا کر رہا ہے۔''

''لیکن عاتکہ۔ اگر وہ فراڈ ہے تو لوگ اسے برداشت کیوں کر رہے ہیں۔ فراڈیے کو تو لوگ آج کے دور میں آسانی سے معاف نہیں کرتے۔''

''اس ٹائپ کے لوگ اگر فراڈیے ہوں ناں پروین' تو ان کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ پولیس اور ان کے پشت پناہ ہر وقت ان کے سر پر چھاؤں بنے رہتے ہیں۔ عام لوگ ان کو گالیاں تو دے سکتے ہیں' بددعائیں تو دے سکتے ہیں' ان کا بگاڑ کچھ نہیں سکتے۔ اسی لئے ان کا کاروبار کبھی زوال پذیر نہیں ہوتا۔ نئے نئے بے وقوف ان کے چنگل میں پھنستے رہتے ہیں۔''

''اور اگر واقعی ایشور داس فراڈ یا نکلا تو؟'' پروین نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔

''تو ہم لوٹ آئیں گے پگلی۔ کیا ضروری ہے کہ یہ علم ہونے کے بعد کہ وہ فراڈ ہے' ہم اس سے کوئی ڈیل کریں۔ تم گھبراؤ مت۔ ذرا اس سے مل تو لینے دو۔''

''میرا تو دل گھبرا رہا ہے عاتکہ۔ کیوں نہ واپس چلیں؟''

''بکو مت۔'' عاتکہ نے اسے جھڑک دیا۔ ''یہاں تک آ جانے کے بعد اب اس سے مل کر نہ جانا مزید بڑی حماقت ہو گی۔ لو۔ وہ عیدو آ گئی۔ اپنے حواس درست کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ناں!''

اسی وقت عیدو عاتکہ کی سائڈ پر آ کر رک گئی۔

''آیئے بی بی جی۔ ایشور داس موجود ہے۔''

عاتکہ نے خاموشی سے دروازہ کھولا اور باہر آ گئی۔ پروین نے بھی ہمت کی اور سیٹ چھوڑ دی۔ گاڑی کو لاک کر کے وہ دونوں عیدو کے پیچھے سرخ گیٹ کے چھوٹے دروازے سے اندر داخل ہوئیں اور یہ دیکھ کر ان کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا کہ وہ کسی چھوٹے موٹے مکان کے صحن میں نہیں' کسی وسیع و عریض کوٹھی کے لان میں کھڑی تھیں۔

عیدو ''آیئے بی بی جی'' کہتی ہوئی آگے چل دی۔ عاتکہ اور پروین نے ایک دوسرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کی جانب دیکھا۔ پروین نے قریب ہو کر عاتکہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ عاتکہ
دوسرے ہاتھ سے اس کے کندھے کو تھپکا۔ وہ پروین کے بدن میں لرزش کو صاف محسوس
رہی تھی۔ پھر وہ اسے ساتھ لئے لان پار کر کے ان سیڑھیوں کو طے کرنے لگی جن کے اختتام
پر ایک وسیع کاریڈور تھا جس میں موجود کرسیوں پر تین چار مرد اور دو تین عورتیں بیٹھی تھیں
ان میں سے ایک عورت سیاہ برقعے میں ملبوس تھی جس نے ان تینوں کو دیکھتے ہی جلدی
چہرہ نقاب میں چھپالیا۔

پروین نے غور سے دیکھا وہ پچیس چھبیس سال کی بے حد خوبصورت عورت تھی جس
شباب برقعے میں سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ سرخ و سفید رنگ اور ہلکا ہلکا میک اپ اسے بے
جاذب نظر بنا رہا تھا مگر اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار بتا رہے تھے کہ وہ کسی مشکل
گرفتار ہے۔

مردوں نے ان تینوں کو دیکھا اور اپنی اپنی کرسیوں پر پہلو بدل کر رہ گئے۔

پروین اور عاتکہ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ ان دونوں کو بھی وہاں اپنی باری کا انتظ
کرنے والوں میں بیٹھنا پڑے گا۔

"آ جائیے بی بی جی۔" کہتے ہوئے عیدو نے ان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا
کاریڈور کے بائیں ہاتھ بنے ایک کمرے کا دروازہ کھول دیا۔

پروین اور عاتکہ نے قدم اندر رکھا تو اندر کی سج دھج نے اس بار ان کو حیران نہ
بار بار کی حیرت بے وقوفی کا اظہار تھا۔ وال ٹو وال بچھے قالین، قیمتی صوفوں اور آرائش
دوسرے سامان سے بہرحال وہ متاثر ہوئیں۔ درمیانے حجم کا یہ کمرہ خالی تھا۔

"بیٹھئے بی بی جی۔ میں نے ایشورداس جی کو خبر کر دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے آ
یہاں تھوڑی دیر انتظار کریں۔ ابھی وہ آپ کو اندر بلواتے ہیں۔" عیدو نے ہلکی آواز میں
ایک دم وہ ایشورداس سے ایشورداس جی پر آ گئی تھی۔ اسے ماحول اور موقع محل کی نزا
سے نمٹنا آتا تھا۔

عاتکہ اور پروین ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔ عیدو آگے بڑھی اور اس نے ان کے با
سامنے والا دروازہ کھولا جو منسلکہ کمرے میں کھلتا تھا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ در
ادھ کھلا رہ گیا اور پروین اور عاتکہ کی متحیر نظریں اس دوسرے کمرے میں موجود ایشورد
جم گئیں جو یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

❁❁❁



❁❁❁

اس کے بدن پر صرف ایک دھوتی تھی۔ اوپری جسم برہنہ تھا۔ رنگ بالکل سیاہ اور
چہرہ صفاچٹ۔ نہ داڑھی نہ مونچھ۔ عمر کا وہ زیادہ نہ لگتا تھا۔ یہی کوئی تیس بتیس سال کا ہو گا۔
اس کے سامنے دو نوجوان سے لڑکے بڑے ادب سے دو زانو بیٹھے تھے۔ ایشورداس سائڈ کے
رخ سے ان کو دکھائی دے رہا تھا جبکہ لڑکے عاتکہ اور پروین کی نظروں کے بالکل سامنے
تھے۔ ایشورداس کے سامنے سرخ کوئلوں سے دہکتی انگیٹھی رکھی تھی جس میں شعلے اپنی زبانیں
لپلپا رہے تھے۔

عیدو ان کو دکھائی نہ دے رہی تھی۔ شاید وہ اس کمرے میں کسی کونے میں جا بیٹھی تھی۔
ایشورداس جس کمرے میں ان لڑکوں کے ساتھ بیٹھا تھا وہ کمرہ سرخ و سیاہ ٹائلوں سے
مزین تھا۔ وہ خود بھی فرش پر بیٹھا تھا اور اس کے سامنے لڑکے بھی۔

اچانک فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھے ایشورداس نے لڑکوں کو مخاطب کیا۔ اس کی
دبنگ اور بھاری بھرکم آواز نے عاتکہ اور پروین کو چونکا دیا۔ دونوں نے ایک دوسری کی
جانب دیکھا پھر ان کی ساری توجہ اور نظریں دوسرے کمرے کے منظر پر مرکوز ہو گئیں۔

"مرغا مجھے دے دو۔" ایشورداس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

دونوں میں سے ایک لڑکے نے ہاتھ دراز کیا اور ایک تندرست و توانا مرغا دبوچ کر
ایشورداس کی طرف بڑھا دیا۔ سیاہ رنگ کا وہ مرغا ککڑوں کوں ککڑوں کوں کا شور مچاتا رہ گیا
اور ایشورداس نے اسے اپنے بڑے بڑے ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔

ایک ہاتھ سے اس نے مرغے کے پاؤں قبضے میں کئے اور دوسرے ہاتھ سے اس کی
گردن دبوچ لی۔ پھر اس کا سر گھما کر اپنی طرف کیا۔ جونہی اس کی نظریں ایشورداس سے ملیں،
مرغے کی بولتی بند ہو گئی۔ اس کی ککڑوں کوں ادھوری رہ گئی اور وہ جیسے سہم کر رہ گیا۔ ایشورداس
نے اس کے پاؤں چھوڑ دیئے۔ مرغا اب اس نے گردن سے تھام رکھا تھا جو اس کے ہاتھ
میں کسی بے جان چیتھڑے کی طرح لٹک رہا تھا۔ بے حس و حرکت اور خاموش۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



عاتکہ اور پروین دم سادھے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں اور ان کے دل سینوں میں زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

بائیں ہاتھ سے ایشورداس نے اپنے آگے پڑی چھڑی اٹھائی اور دائیں ہاتھ میں دبی مرغے کی گردن کو زور سے دبایا۔ بے آواز مرغے نے چونچ کھول دی اور زور زور سے سانس لینے لگا مگر نہ پھڑکا نہ تڑپا۔ یہ ایک غیر فطری بات تھی جس نے عاتکہ اور پروین کو ساکت کر دیا۔ پھر اگلے منظر نے ان کو ہولا کر رکھ دیا۔

مرغے کو ذرا سا اور بلند کر کے ایک دم ایشورداس نے کچھ بدبدا کر مرغ پر پھونکا اور بجلی کی سی تیزی سے چھری کا وار اس کی گردن پر کر دیا۔

مرغے نے پر پھیلائے۔ پھڑپھڑائے اور اس کا دھڑ گردن سے الگ ہو کر فرش پر گر پڑا۔ اب وہ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا مگر ایشورداس اس کی تڑپ اور پھڑک سے بے نیاز مرغے کی گردن سے بہنے والے خون کی دھار کو فرش پر گرتا دیکھ رہا تھا۔ دونوں لڑکے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں فرش کی طرف متوجہ تھے۔ جہاں مرغ کی گردن سے گرنے والے خون سے اپنے آپ کچھ لکھا جا رہا تھا۔

''اٹھائیس۔'' اچانک ایک لڑکا حیرت سے بولا۔

''ہاں۔'' ایشورداس نے مرغ کی گردن' مرغے کے ساکت ہو جانے والے دھڑ پر پھینک دی۔ ''اٹھائیس۔'' اس نے فرش پر غور سے دیکھا جہاں مرغے کے خون نے ۸ اور ۲ کے ہندسے یوں نقش کر دیئے تھے جیسے کسی پینٹر نے لکھا ہو۔

''اس بار اٹھائیس کھیلو..... کتنا کماؤ گے؟'' ایشورداس نے ہاتھ ایک کپڑے سے پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''پانچ لاکھ تو کہیں نہیں گئے ایشورداس جی۔'' ایک لڑکا بولا۔

''بس ٹھیک ہے۔ آدھا مجھے پہنچا دینا۔ بس اب جاؤ۔''

''جی۔'' لڑکے ادب سے بولے اور اس کے گھٹنوں کو چھو کر کھڑے ہو گئے۔

اور سنو۔ کوئی چالاکی مت کرنا۔ جتنا کماؤ اس کا آدھا مجھے پہنچ جانا چاہیے ورنہ تم جانتے ہو مجھے وصول کرنا آتا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں ایشورداس جی۔ ہم ظہیر کی طرح بے وقوف نہیں ہیں۔ آپ کا حصہ پہنچ جائے گا۔''

''ہاں..... آں۔'' ایک دم ایشورداس منہ کھول کر ہنسا۔ ''تو تم ظہیر کو جانتے ہو؟''



''جی ہاں۔ پہلی بار وہی ہمیں آپ کے پاس لے کر آیا تھا مگر احمق نکلا کہ آپ سے جھوٹ بول کر مال ہضم کرنا چاہتا تھا۔ نتیجہ کیا نکلا۔ آج دونوں ٹانگوں اور آنکھوں سے محروم ہو کر گھر میں پڑا ہوا ہے۔ ہم ایسی کوئی بے وقوفی نہیں کریں گے جی۔ آپ اطمینان رکھیں۔''

''بس بس۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ جاؤ۔ عیش کرو..... اور ہاں۔ کوئی ڈیلر رقم دینے سے انکار کرے تو بتانا۔''

''جی ایشورداس جی۔'' دونوں نے ہاتھ جوڑ کر اسے سلام کیا اور پیچھے ہٹ گئے۔ پھر ان کے قدموں کی آہٹ اور دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ عاتکہ اور پروین نے بے اختیار ایک دوسری کی طرف دیکھا۔

''سودے۔'' ایشورداس نے آواز دی اور فوراً ہی ایک دس بارہ سال کا لڑکا اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ ''جگہ صاف کر۔'' ایشورداس نے کہا اور لڑکے نے جلدی سے وہ مرغے کا دھڑ اور گردن اٹھا کر گیلے کپڑے سے فرش پر سے اس کا خون صاف کرنا شروع کر دیا۔

''ہاں..... بلا بھئی عیدو اپنے مہمانوں کو۔'' ایشورداس نے بازو دائیں بائیں کھولتے ہوئے کہا اور اگلے ہی لمحے عیدو دروازے میں آن کھڑی ہوئی۔

''آیئے بی بی جی۔'' اس نے پروین اور عاتکہ کو اشارہ کیا۔ دونوں اٹھیں اور دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئیں۔

ایشورداس نے ان دونوں کی طرف اپنی سرخ اور دہکتی ہوئی آنکھیں اٹھائیں۔ لڑکا صفائی کر کے جا چکا تھا۔

''آیئے.....'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ اس کے اشارے پر اس کے سامنے فرش پر بیٹھ گئیں۔ فرش سرد ضرور تھا مگر کمرے میں جلتی انگیٹھی نے ماحول کو خاصا گرم کر رکھا تھا۔

پروین اور عاتکہ' ایشورداس کی چبھتی ہوئی نظروں سے مرعوب اور پریشان لگ رہی تھیں۔ عیدو ان سے ہٹ کر پھر دیوار کے ساتھ جا لگی اور خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

ایشورداس دیکھنے میں صاف ستھرا اور مہذب لگتا تھا مگر نجانے کیوں عاتکہ اور پروین نے محسوس کیا کہ اس کی نظریں بے حد گرسنہ اور بے باک تھیں۔ وہ جب بھی ان کی طرف دیکھتا' انہیں لگتا جیسے وہ ان کو کپڑوں کے اندر تک دیکھ رہا ہو۔ ان کے جسم میں چیونٹیاں رینگنے لگتیں۔ خون کی گردش تیز ہو جاتی اور حلق میں کانٹے سے پڑ جاتے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



چند لمحوں تک وہ بڑی دلچسپی بھری اور ہوسناک نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اچانک بڑھ گئی اور چہرہ تپنے لگا تھا۔

"جی..... تو کیا مسئلہ ہے آپ کا؟" اچانک اس نے ایک طویل سانس لی۔

"جی..... وہ....." پروین اور عاتکہ گڑبڑا گئیں۔ پھر جیسے عاتکہ کو خود پر غصہ آ گیا۔ اس نے جی کڑا کر کے پروین کی طرف دیکھا اور ایشور داس کی طرف نگاہ اٹھائی۔ "یہ میری سہیلی ہے جی پروین۔ اس کا مسئلہ ہے۔"

"میں سن رہا ہوں۔" ایشور داس نے ٹھوڑی پر ہاتھ پھیرا۔ "آپ کھل کر کہیے۔"

"عیدو نے آپ کو بتایا ہوگا۔"

"میں آپ سے بلکہ پروین بی بی کی زبان سے سننا چاہوں گا۔" ایشور داس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "جو تفصیل مریض اپنی بیماری کے بارے میں خود بتا سکتا ہے وہ کوئی دوسرا بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ پروین بی بی خود بولیں۔"

"میں..... میں....." پروین نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور گھبرائی ہوئی نظروں سے کبھی ایشور داس اور کبھی عاتکہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"گھبرائیے مت۔" ایشور داس نے اسے حوصلہ دیا۔ "یہاں کوئی تیسرا چوتھا ہماری بات سننے والا نہیں ہے۔ اپنے حواس درست کیجئے اور کھل کر کہیے۔"

"ایشور داس جی ٹھیک کہہ رہے ہیں پروین۔ تم خود بتاؤ۔ اپنے آپ کو پرسکون کرو اور اطمینان سے بولو۔" عاتکہ نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا تو پروین کی حالت ذرا سنبھلی۔

"اصل میں ابھی جو آپ نے وہ مرغا....." پروین نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنا چاہا۔

"ارے وہ....." ایشور داس اچانک گرجدار آواز میں ہنس پڑا۔ "وہ تو یہاں کا روز کا معمول ہے۔ انعامی بانڈ کا نمبر پوچھنے آتے ہیں ناں لوگ تو بتانا پڑتا ہے۔ کرنا پڑتا ہے سب کو خوش۔ سب کی خوشی ہی میں ہماری خوشی چھپی ہوئی ہے جی۔ آپ اس منظر سے ڈر گئیں۔ وہ تو مرغا تھا۔ کبھی موقع آیا تو آپ کو بلی کتے اور انسان کے ذبح ہونے کا منظر بھی....."

"انسان....." بے اختیار پروین بول اٹھی تو ایشور داس جیسے چونک پڑا۔

"انسان....." وہ بے خیالی سے بڑبڑایا۔ پھر جیسے ہوش میں آ گیا۔ "چھوڑیے۔ یہ آپ کے مطلب کی باتیں نہیں ہیں۔ آپ اپنی کہئے..... پھر اچانک وہ دور بیٹھی عیدو کی طرف متوجہ ہوا۔ "عیدو مائی۔ اندر جاؤ بھئی مہمانوں کے لئے چائے پانی....."

"جی نہیں شکریہ..... ہم سب کچھ کھا پی کر آئے ہیں۔" پروین نے اسے روک دیا۔



اسے اچانک خیال آیا کہ ایشور داس عیسائی ہے اور اس کے گھر سے یا ہاتھ سے کچھ کھانے پینے کا خیال اسے مضطرب کر گیا۔

"گھبرائیے نہیں۔ آپ مسلمان ہیں۔ آپ جیسے مہمانوں کے لئے میں نے الگ برتن رکھ چھوڑے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ پسند نہ کریں تو بازار سے کچھ منگوا لیا جائے۔"

"جی نہیں۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔ بس آپ ہمارا مسئلہ حل کر دیں۔ یہی بہت ہے۔" عاتکہ نے ممنونیت سے کہا۔

"مسئلہ تو تب حل ہوگا جب آپ کی سہیلی بتائیں گی۔" ایشور داس نرمی سے مسکرا دیا۔

ماحول میں ذرا سی بے تکلفی آئی تو عاتکہ اور پروین کے حواس بھی درست ہو گئے۔

"بولو پروین۔ ایشور داس جی کو اور بھی کام ہوں گے۔ دیر نہ کرو اس طرح وقت ضائع کرنے سے فائدہ؟"

ایشور داس خوشی سے ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد پروین نے سر اٹھایا اور اس کی آواز کمرے میں ابھری۔

"تین سال ہو گئے ہیں جی میری شادی کو۔ ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ساس میرے میاں کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"ہوں....." ایشور داس نے اس کے خاموش ہونے پر ہنکارا بھرا۔ "تین سال تو کوئی زیادہ مدت نہیں ہے۔ لوگوں کے ہاں دس دس سال بچے نہیں ہوتے۔ بہرحال۔ آپ کا میاں کیا کہتا ہے اس بارے میں؟"

"وہ تو مجھے بہت چاہتے ہیں مگر ماں کے آگے مجبور ہیں۔"

"یعنی کسی بھی وقت وہ دوسری شادی کر سکتے ہیں؟"

"ابھی تک تو وہ انکار کر رہے ہیں۔"

"آپ دونوں نے اپنا اپنا میڈیکل چیک اپ کرایا؟"

"جی ہاں۔ دونوں کلیئر ہیں۔"

"ہوں۔" ایشور داس نے کہہ کر آنکھیں پروین پر جما دیں۔ "تو اب آپ چاہتی کیا ہیں؟"

"میں چاہتی ہوں میری ساس دوسری شادی کی ضد چھوڑ دے۔"

"اور....." ایشور داس نے جیسے لقمہ دیا۔

"اور میری گود ہری ہو جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''دیکھئے..... اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی ساس کا کانٹا ہمیشہ کیلئے نکال دیتا ہوں۔''

''یعنی.....؟'' پروین کا دل دھڑک اٹھا۔

''یعنی.....'' ایشورداس نے گرن پر ہاتھ پھیرا۔ ''اوپر پہنچا دیتا ہوں اسے۔''

''نہیں نہیں۔'' تیزی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پروین نے کہا۔ ''ایسا کچھ نہیں کرنا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''پروین کی ساس دل کی بری نہیں ہیں۔ بس نسل کو آگے بڑھانے کے چکر میں یہ سب کر رہی ہیں۔'' عاتکہ نے دخل دیتے ہوئے وضاحت کی تو ایشورداس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو آپ چاہتی ہیں کہ وہ بڑھیا آپ کے میاں کی دوسری شادی کے ارادے سے باز آ جائے۔''

''جی۔'' پروین نے جلدی سے کہا۔

''اور آپ کے ہاں اولاد بھی ہو جائے۔''

''جیجی..... ہاں۔''

''اگر آپ میاں بیوی کے میڈیکل ٹسٹ درست ہیں تو پھر دیکھنا پڑے گا کہ کسی نے کچھ جادو ٹونہ تو نہیں کر دیا آپ پر؟''

''میرا تو ایسا کوئی دشمن نہیں ہے جی' جو ایسی حرکت کرے۔'' پروین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''دشمن ڈھونڈا جاتا ہے بی بی۔ اگر سامنے ہو تو پریشانی کس بات کی۔ بہرحال اگر آپ تیار ہیں تو میں ابھی پتہ لگا سکتا ہوں کہ قدرتی دیر ہے یا کسی نے الٹا سیدھا کوئی وار کر رکھا ہے۔'' ایشورداس نے پروین کو غور سے دیکھا۔

''اس کے لئے کیا کرنا ہوگا ہمیں؟'' عاتکہ نے پوچھا۔

''آپ کو کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ میں ابھی ایک چھوٹا سا عمل کروں گا۔ جو بھی وجہ ہوگی سامنے آ جائے گی۔ آپ کو بس اس عمل میں موجود رہنا ہوگا۔''

''میں ایک بات پہلے پوچھ لینا چاہتی ہوں۔'' پروین نے دبی زبان سے کہا۔

''جی جی۔ پوچھئے۔'' ایشورداس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو پروین نے گھبرا کر نظریں ہٹا لیں۔ ایشورداس کی آنکھوں میں غلاظت رقص کر رہی تھی۔ وہ اسے جن نظروں سے دیکھ رہا تھا' ایک عورت ہونے کے ناطے وہ ان کا پیغام بآسانی سمجھ سکتی تھی۔



''آپ کی فیس کیا ہوگی؟'' نظریں جھکا کر پروین بولی۔

''پہلے وجہ معلوم کر لوں۔ اس کے بعد ہی بتا سکوں گا۔'' ایشورداس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''باقی رہا اس عمل کا معاوضہ جو میں ابھی کروں گا تو آپ جیسی دیویوں کے لئے اس کی کوئی فیس نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

عاتکہ نے اس کے انداز میں جو طلب محسوس کی' اس نے اسے اندر تک لرزا کر رکھ دیا مگر وہ بڑے مضبوط اعصاب کی مالک تھی۔ اس نے صورت حال کو آخر تک سنبھالنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس لئے فوراً دخل دیا۔

''یہ تو آپ کی مہربانی ہے ایشورداس جی اور میرا خیال ہے اس کے لئے ہمیں عیدو کا ممنون ہونا چاہیے جس کی وجہ سے آپ یہ سب کر رہے ہیں۔''

''جی..... جی ہاں۔'' ایشورداس سنبھل گیا۔ ''آخر محلے داری بھی کوئی چیز ہوتی ہے جی۔ اور عیدو مائی تو ویسے بھی ہماری پرانی مہربان ہے۔'' ایشورداس نے مسکرا کر عیدو کی طرف دیکھا جو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے خوش ہو کر مسکرا دی۔

''تو پھر کیا خیال ہے۔ شروع کریں؟'' ایشورداس نے ان دونوں کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

''جی ہاں۔'' عاتکہ نے جواب دیا۔ پروین نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

ایشورداس نے ذرا سا رخ پھیرا اور دائیں ہاتھ لٹکتا ہوا پردہ ہٹا دیا۔

پردہ دیوار سے ہٹا تو عاتکہ اور پروین نے دیکھا وہاں ایک بڑا سا طاق بنا ہوا تھا جس میں ہنومان کا ایک دو فٹ اونچا بت رکھا تھا۔ ساتھ ہی کالی دیوی کا بت موجود تھا۔ ان دونوں بتوں کے پیروں میں گلاب اور موتیے کے پھول پڑے تھے۔ طاق میں دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے کتنے ہی خانے بنے تھے جن میں مختلف اشیاء دھری تھیں۔ کہیں کوئی انسانی کھوپڑی پڑی تھی۔ کسی خانے میں حنوط شدہ الو بیٹھا تھا۔ ایک خانے میں چند پتلے پڑے تھے۔ ایک جگہ کیل اور سوئیاں پڑی تھیں۔ ایک خانے میں شراب کی بوتل اور دو تین گلاس بھی تھے۔

ہاتھ بڑھا کر ایشورداس نے ایک خانے سے سیندور کی ڈبیا اٹھائی۔ کھولا اور اس میں سے تھوڑا سا سیندور چٹکی میں لے کر کالی کے ماتھے پر تلک لگا دیا۔ ڈبیا واپس اس کی جگہ رکھ کر اس نے ماچس اٹھائی اور اگر بتیاں سلگا دیں۔ کمرے میں صندل کی بھینی بھینی خوشبو جاگ اٹھی۔

''آپ یہاں آ جائیے۔ میرے بالکل سامنے۔'' ایشورداس نے انگیٹھی ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سرکا کر پروین سے کہا۔

پروین اپنی جگہ سے اٹھی اور عاتکہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایشورداس کے بالکل سامنے دو فٹ کے فاصلے پر آ بیٹھی۔

"ذرا اور آگے آ جایئے۔" ایشورداس نے نرمی سے کہا۔

پروین نے پھر عاتکہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے آگے ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ سرک کر اور آگے ہو گئی۔

"آلتی پالتی مار لیجئے میری طرح۔"

پروین نے ایشورداس کی اس بات پر بھی عمل کیا۔ ایشورداس نے دور بیٹھی عیدو کی طرف دیکھا۔ "عیدو مائی۔ سبز لائٹ جلا دو۔"

عیدو جیسے پہلے سے ان مراحل سے آگاہ تھی۔ وہ اٹھی۔ ٹیوب لائٹ آف کر کے اس نے زیرو کا سبز بلب جلا دیا۔ کمرے میں نیم تاریک ماحول نے عجیب دہشت ناک سماں باندھ دیا۔ طاق کے ایک خانے سے ایشورداس نے سرخ رنگ کا کپڑا اٹھایا اور عیدو کی طرف بڑھا دیا۔ عیدو نے کپڑے کو لمبے رخ تہہ کیا اور اسے فضا میں یوں جھلاتے ہوئے ایک سے دوسری دیوار کی طرف جانے اور واپس آنے لگی جیسے مکھیاں اڑا رہی ہو۔ عاتکہ حیران تو ہوئی پر سمجھ گئی کہ عیدو اکثر ایشورداس کے پاس اپنے یا کسی اور کے کام کے سلسلے میں آتی جاتی ہو گی اسی لئے وہ اپنا کام بخوبی کر رہی تھی۔

"اب آپ میری بات غور سے سن لیں۔" ایشورداس نے طاق میں رکھا ایک پانی سے بھرا جگ اٹھا کر پروین کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ پروین اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ عاتکہ کی طرح اسے بھی کمرے کی سحر زدہ فضا نے خاصا متاثر کر رکھا تھا۔

"جس وقت میں اشارہ کروں' آپ یہ چھری اٹھا کر اس کی نوک میری ناف پر رکھ دیں گی اور اپنا پورا زور لگائیں گی کہ یہ چھری میرے پیٹ میں اتر جائے۔"

"جی..... کیا مطلب؟" پروین کے ساتھ عاتکہ بھی بوکھلا گئی۔

"گھبرایئے نہیں۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ نہ چھری میرے پیٹ میں اترے گی نہ میں مروں گا مگر آپ کو پوری کوشش کرنی ہے کہ چھری میرے پیٹ میں اتار دیں۔ اس میں آپ ہرگز کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں۔"

"جی....." پروین نے سمجھ میں کچھ نہ آنے پر بھی سر ہلا دیا۔

"اگر آپ نے ذرا بھی کمی کی تو عمل میں نقص آ جائے گا اس لئے قطعاً کوئی لحاظ نہ



سمجھئے گا زور لگانے میں۔"

"جی۔" وہ دوبارہ بولی۔

"اس کے بعد یہاں آپ کے پاس کچھ چیزیں آ کر گریں گی۔ آپ نے فوراً اس جگ کے پانی سے ان کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ بس اتنا ہی عمل ہے۔ اس دوران میں مسلسل اپنا سبق پڑھتا رہوں گا کبھی زور سے کبھی آہستہ۔ مجھے آپ نے قطعاً مخاطب نہیں کرنا اور نہ ہی خوفزدہ ہو کر اٹھ بھاگنا ہے۔ جو کچھ بھی ہو گا وہ میرے ساتھ ہو گا۔ آپ دونوں کو خراش تک نہیں آئے گی۔ سمجھ گئیں آپ؟"

"جی۔" پروین نے تھوک نگل کر کہا۔

"اور آپ؟" ایشورداس نے عاتکہ کی طرف دیکھا۔

"جی۔ میں بھی۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ مجھے ان سے زیادہ باحوصلہ لگتی ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو ان کو سنبھالئے گا۔ اٹھ کر جانے نہ دیجئے گا ورنہ میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں سنبھال لوں گی۔" عاتکہ نے آنے والے لمحات کے تصور سے خود کو باندھتے ہوئے جواب دیا۔

"گڈ۔ تو شروع کریں؟"

"جی۔"

ایشورداس نے چھری پروین کو تھما دی جس کا چمچماتا ہوا پھل اور تیز نوک پروین کے دل کو دہلا رہے تھے۔

"میری آنکھوں میں دیکھئے پروین بی بی اور جب میں کہوں تو چھری والا کام شروع کر دیجئے گا۔" ایشورداس نے تحکم بھرے لہجے میں کہا۔

بے اختیار پروین نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اسے محسوس ہوا جیسے ایشورداس کی آنکھوں سے مقناطیسی لہریں نکل کر اس کی آنکھوں کے راستے دماغ میں سرایت کر رہی ہوں۔ چند لمحوں کے بعد وہ بالکل مسحور ہو کر رہ گئی۔ ایشورداس نے ہندی الفاظ پر مشتمل ایک عجیب سا منتر پڑھنا شروع کیا۔ شروع میں اس کی آواز ہلکی تھی۔ دھیرے دھیرے بلند ہوتی چلی گئی۔ پھر کبھی اس کی آواز بلند اور کبھی ڈوبتی ہوئی لگنے لگی۔

کمرے میں عیدو مسلسل ایک سے دوسری دیوار تک کا سفر کر رہی تھی۔ کپڑے کی جھلنی بنا کر وہ متواتر فضا میں جھلا رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



عاتکہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کمرے کا پراسرار ماحول اسے بھی متاثر کر رہا تھا مگر وہ اپنے حواس کو قائم رکھنے میں خاصی حد تک کامیاب تھی۔

اسی وقت ایک دم ایشورداس کی آواز بے حد بلند ہوگئی۔ تین بار اس نے ''جے ہنومان۔ جے ہنومان۔ جے ہنومان'' اور آخر میں ایک بار ''جے کالی'' کا نعرہ لگایا۔ پھر پروین کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنا کام شروع کرے۔

پروین نے کسی سحرزدہ معمول کی طرح ہاتھ کو حرکت دی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے چھری کی نوک ایشورداس کی ناف میں ٹکا دی۔ اسی وقت ایشورداس نے بایاں ہاتھ زور سے جھٹکا۔ یہ اشارہ تھا کہ پروین زور لگائے۔ فوراً ہی پروین نے چھری کے دستے پر مضبوطی سے ہاتھ جما کر زور سے اسے آگے دھکیلا۔ مگر یہ کیا.....؟ اسے لگا جیسے اس نے چھری کسی سنگی دیوار پر ٹکا کر آگے کو دھکیلنے کی کوشش کی ہے۔ عاتکہ اسے حیرت سے زور لگاتا دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہ آ رہا تھا کہ پروین اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس قدر قوت کے ساتھ چھری کو ایشورداس کے پیٹ میں اتارنے میں اسے کامیابی نہ ہو پاتی مگر..... یہ حیرت انگیز منظر اس کی آنکھوں کے سامنے تھا کہ کمرے کے نیم سرد نیم گرم ماحول میں پروین اس قدر طاقت کے ساتھ چھری ایشورداس کے پیٹ میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے مگر چھری تھی کہ جیسے کند ہو چکی تھی جبکہ اس کا پھل اب بھی چمک رہا تھا۔

عاتکہ کو خیال آیا کہ اسی چھری سے کچھ دیر پہلے ایشورداس نے ایک مرغ کی گردن ایک ہی وار میں کاٹ ڈالی تھی اور اب وہی چھری خود اس پر بے اثر ہو چکی تھی۔

خوف کی ایک لہر اس کے سراپے میں تیرتی چلی گئی۔ واقعی ایشورداس اپنے سفلی علم کا ماہر اور ایک صحیح عامل تھا۔

چند لمحے اسی کش مکش میں گذر گئے۔ پھر ایک دم ایشورداس نے پھنسی پھنسی آواز میں ''جے ہنومان۔ جے کالی'' کہہ کر فضا میں بازو پھیلا دیئے۔ دوسرے ہی لمحے وہاں کڑکڑاہٹ کی تیز و تند آوازیں ابھریں اور ایشورداس کا سارا بدن تشنج کے عالم میں اینٹھتا چلا گیا۔ اس کے بازو خوفناک حد تک ٹیڑھے ہوگئے۔ گردن ستر کے زاویے پر مڑ گئی۔ آنکھیں پلٹ گئیں۔ پیٹ پھول گیا اور جوڑ بار بار یوں کڑکڑانے لگے جیسے کوئی اسے توڑ مروڑ رہا ہو۔

اس کا صفاچٹ چہرہ پہلے دائیں بائیں پھر اوپر نیچے پھیلتا چلا گیا۔ ہونٹ کھنچ گئے۔ زبان باہر لٹک کر ٹھوڑی کو چھونے لگی اور وہ کسی شکاری کتے کی طرح ہانپنے لگا۔



عاتکہ خوف سے لرز کر رہ گئی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ پروین کے کندھے پر چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے ذہن کو شاک سا لگا۔ پروین کا بدن آگ کی طرح دہک رہا تھا۔ گھبرا کر اس نے ہاتھ اٹھا لیا اور متوحش نظروں سے پروین کو دیکھنے لگی جو ہر شے سے بے نیاز سر جھکائے ایشورداس کے پیٹ میں چھری اتارنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

عین اسی لمحے فضا میں ایک زناٹے کی آواز ابھری اور شڑاپ شڑاپ کی آوازوں کے ساتھ کوئی شے ایشورداس اور پروین کے درمیان فرش پر آ گری۔ ایک ہلکا سا دھماکا ہوا۔ جیسے کوئی غبارہ پھٹا ہو۔ پھر ایشورداس کے بگڑے ہوئے چہرے پر دائیں بائیں کھنچے ہونٹوں سے آواز ابھری۔

''ٹھنڈا کرو..... ٹھنڈا کرو۔''

ایک دم پروین نے چھری ایشورداس کے پیٹ سے ہٹائی اور فرش پر ڈال دی۔ پھر پانی کا جگ اٹھایا اور ایکدم ایشورداس پر الٹ دیا۔

''ارے ارے۔'' وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخا۔ ''مجھ پر نہیں۔ ان چیزوں پر پانی ڈالو۔'' ایک دم اس کی حالت بدل گئی بگڑا ہوا چہرہ اصلی حالت پر آ گیا۔ مگر تشنج کے عالم میں اکڑا ہوا بدن اور گردن ویسے کی ویسی ٹیڑھی ہی رہی۔

پروین نے گھونٹ بھر بچا ہوا پانی اپنے سامنے پڑے مٹی کے اس چھوٹے سے ڈھیر پر ڈال دیا جو نجانے کہاں سے آ کر وہاں گرا تھا۔

''آ.....ہ.....آ.....ہ.....'' ایشورداس مسلسل کراہنے اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

ایک دم پروین کو جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔ جگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ ایک طرف ڈھلکی ہوئی گردن کے ساتھ اکڑے بگڑے ایشورداس کو دیکھ کر بدک گئی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے کھسک کر پیچھے ہٹی اور عاتکہ سے جا چمٹی۔

''بس بس۔ گھبراؤ مت۔ خوف کی کوئی بات نہیں۔'' عاتکہ اس کا شانہ تھپکنے لگی۔

اسی وقت ایشورداس نے ملتجی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ''مجھے سیدھا تو کرو بی بیو۔''

لپک کر عیدو ان کے پاس چلی آئی۔ اس نے بغیر کسی حیل و حجت اور ڈر کے ایشورداس کے بازو تھامے اور باری باری ان کو زور لگا کر سیدھا کرنے لگی۔ عاتکہ اور پروین نے بھی بادل نخواستہ اس کی مدد کی اور کڑکڑاتے جوڑوں کی آوازوں کے ساتھ ایشورداس کی گردن اور کمر کو اصلی حالت پر لانے کی کوشش کرنے لگیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ایشورداس کا پیٹ ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے ہوئے تو وہ سرک کر طاق کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

عیدو نے طاق میں رکھی ایک بوتل اور گلاس اٹھایا۔ بوتل سے شراب گلاس میں انڈیلی اور ایشورداس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ غٹا غٹ چڑھا گیا۔ عیدو نے دوسرا گلاس بھر کر اسے تھما دیا اور بوتل واپس طاق کے ایک خانے میں رکھ دی۔ کمرے میں ایک ناگوار سی بو پھیل گئی۔ عاتکہ اور پروین کو اس بو نے ایک ہی لفظ کی طرف رہنمائی کی۔ ''شراب'' اور یہ بالکل درست تھا۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے تب جا کر ایشورداس کی حالت سنبھلی مگر اب وہ بے حد تھکا تھکا اور مضمحل نظر آ رہا تھا۔

''عیدو مائی۔ لائٹ جلا دو۔'' اس نے دھیرے سے کہا۔

عیدو نے سبز بلب بجھا کر ٹیوب لائٹس آن کر دیں۔ کمرہ جگمگا اٹھا۔ سحر زدہ ماحول نے آنکھیں موند لیں۔ ایشورداس نے طاق کے آگے پردہ دوبارہ کھینچ دیا اور خود آگے ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کی آنکھوں کی چمک دھیرے دھیرے واپس آئی۔ تقریباً پانچ منٹ بعد اس نے چمچماتی آنکھوں سے عاتکہ اور پھر پروین کی طرف دیکھا جو سہمی بیٹھی تھیں۔

''آپ کیوں ڈری ہوئی ہیں؟'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔ ''اور یہ آپ نے کیا غضب کیا کہ پانی مجھ پر انڈیل دیا۔''

''وہ..... وہ..... جب آپ نے کہا کہ ٹھنڈا کرو تو میں سمجھی کہ آپ کو گرمی نے بے چین کر رکھا ہے کیونکہ اس وقت آپ کے بدن سے بے پناہ تپش نکل رہی تھی۔ میں نے جلدی سے پانی آپ پر انڈیل دیا۔''

''آپ کی اس غلطی کے باعث اب میں دو سے تین دن تک ان پھولے ہوئے پیٹ کی اذیت برداشت کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔'' ایشورداس نے اپنے بڑھے ہوئے پیٹ کی طرف اشارہ کیا جس پر نظر پڑتے ہی عاتکہ اور پروین ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئیں۔

ایشورداس کے پیٹ میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا اس کے اندر سنپولئے سرسرا رہے ہوں۔ حرکت کر رہے ہوں۔ بے پناہ تیز رفتاری سے رینگ رہے ہوں۔ اس کا پیٹ خوفناک حد تک پھول اور پچک رہا تھا۔



''یہ..... یہ.....'' پروین ہکلا کر رہ گئی۔

''وہ وہ بلائیں ہیں جن کو پڑھا ہوا وہ پانی ڈال کر آپ نے ٹھنڈا کرنا تھا جو آپ نے مجھ پر انڈیل دیا۔ اب ان سے نجات کے لئے مجھے کئی دن کا عمل کرنا پڑے گا۔''

خوف کے ساتھ ساتھ پروین کے چہرے پر تاسف پھیل گیا۔ عاتکہ کو بھی اسی کیفیت نے پریشان کر دیا۔

''مگر خیر..... جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''

''اور یہ سب کیا ہے ایشورداس جی۔'' عاتکہ نے مٹی کے اس چھوٹے سے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا جو ایشورداس کے سامنے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

''یہ..... یہ نشانی ہے اس بات کی کہ پروین بی بی پر کسی نے جادو کا بڑا مہلک وار کیا ہے۔ کالے علم کا ایسا وار جس نے ان کو ابھی تک اولاد سے محروم رکھا ہے۔''

''نہیں.....'' پروین نے بے یقینی سے کہا۔ وہ ایشورداس اور کبھی عاتکہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں سے بے اعتباری مترشح تھی۔

''مجھے جھوٹ بول کر کیا ملے گا پروین بی بی۔ اور ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ میں ابھی سارا بھید کھول دیتا ہوں۔''

ایشورداس نے مٹی کے ڈھیر میں چھری کی نوک کو حرکت دیتے ہوئے کچھ بدبدانا شروع کیا۔ وہ کسی غیر مانوس زبان میں کوئی منتر پڑھتا اور مٹی کے ڈھیر کو کھنگالتے ہوئے مختلف چیزیں برآمد کرتا رہا۔

چند لمحوں بعد اس نے ایک تہ کیا ہوا نقش، سر کے بالوں کا ایک گچھا اور چند سوئیاں نکال کر ان کے سامنے فرش پر رکھ دیں۔ مٹی کو سمیٹ کر انگیٹھی میں ڈالا اور چھری ہاتھ سے رکھ دی۔

''یہ تعویذ آپ خود اپنے ہاتھ سے کھولئے پروین بی بی۔ آپ کو خود یقین آ جائے گا کہ میں نے جو کہا وہ غلط نہیں ہے۔''

''کھولو..... اٹھاؤ اسے۔'' عاتکہ نے پروین کو ہچکچاتے دیکھ کر ٹہوکا دیا۔

پروین نے لرزتے ہاتھوں سے تعویذ اٹھایا۔ کاغذ کی تہیں کھولیں اور چار پانچ انچ مربع کاغذ کے اس ٹکڑے کو غور سے دیکھنے لگی جس پر ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی جو برہنہ حالت میں بال بکھرائے سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔

پھر اس کے چہرے پر حیرت پھیلتی چلی گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عاتکہ جو اس کے ساتھ ساتھ کاغذ پر نظریں دوڑا رہی تھی اس کی بھی یہی حالت ہوئی۔

"یہ...... یہ......" پروین ہکلائی۔

"آپ خود پڑھ سکتی ہیں کہ اس پر کیا لکھا ہے۔ ذرا بلند آواز سے پڑھیے تاکہ میں بھی سن سکوں۔" ایشور داس نے نرمی سے کہا۔

"لکھا ہے۔" پروین رک رک کر بولی۔ "عقدۃ الرحم پروین بنت شمیم بانو زوجہ نصیر بن جواد۔ ہرگز اولاد نہ ہو۔" ایک جھٹکے کے ساتھ پروین نے سر اٹھایا اور ایشور داس کی طرف دیکھا جو بڑے پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"مگر...... یہ...... یہ کون کرے گا۔ کس نے کیا ایسا؟" پروین نے ہکلا کر کہا۔

"یہ جاننا کیا ضروری ہے آپ کے لئے؟"

"جی ہاں...... بے حد ضروری ہے۔ ہمیں پتہ تو چلے یہ قبیح حرکت کس نے کی ہے۔ جبکہ ہم نے کسی کا کچھ بگاڑا بھی نہیں۔"

"بگاڑا تو ہے پروین بی بی آپ نے۔ تبھی تو کوئی اس حد تک گیا۔" ایشور داس مزہ لیتے ہوئے بولا۔

"میں نے زندگی میں کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑا جی۔" پروین روہانسی ہو گئی۔

"ارے ارے...... میرا یہ مطلب نہیں تھا پروین بی بی۔" ایشور داس نے جلدی سے کہا۔ "کیا آپ واقعی جاننا چاہتی ہیں کہ وہ کون ہے جس نے یہ سب کیا؟"

"جی ہاں۔" اس نے زور سے سر ہلایا۔ تائید میں عاتکہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

"یہ تعویذ مجھے دیجئے۔"

پروین نے کاغذ کا ٹکڑا ایشور داس کو تھما دیا۔

"یہ تصویر جو اس تعویذ پر بنائی گئی ہے یہ آپ کی ہے۔ آپ نے غور سے اسے دیکھا نہیں۔ اس کی شکل میں آپ کے چہرے کی جھلک ہے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے!" پروین نے سر جھکا لیا۔ شرم سے وہ کٹ کر رہ گئی تھی کیونکہ تصویر مکمل طور پر برہنہ بنائی گئی تھی۔

"اب میں آپ کو اس کا چہرہ دکھاتا ہوں جس نے آپ پر یہ وار کیا ہے۔"

یہ کہہ کر ایشور داس نے تعویذ کو آنکھوں کے سامنے کیا اور اس پر نظریں جما کر کچھ پڑھنے لگا۔ سات بار اس پر کچھ پڑھ کر پھونکنے کے بعد اس نے انگلی سے تصویر کے چہرے کو اس طرح چھوا جیسے اس پر سے مٹی صاف کر رہا ہو۔ پھر وہ کاغذ اس نے پروین کو واپس تھما دیا۔



"اب دیکھئے...... یہ کس کی تصویر ہے!"

پروین نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔ اس پر نظر ڈالی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ اور چوتھے سیکنڈ میں اس کے چہرے پر حیرت کے رنگ کہکشاں کی طرح پھیلتے چلے گئے۔

"یہ...... یہ تو...... یہ تو لیلیٰ ہے۔"

"کون لیلیٰ؟" عاتکہ نے جلدی سے پوچھا اور کاغذ پروین کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس نے صاف دیکھا کہ پروین کی برہنہ تصویر کے بجائے اب کاغذ پر ایک الٹرا ماڈرن خوبصورت لڑکی کی شبیہہ موجود تھی مگر وہ اسے نہ جانتی تھی۔ ایشور داس خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان کے نشیب و فراز چرا رہا تھا اور اپنی پیاس کے ساتھ دوڑتے دوڑتے اندر ہی اندر ہانپ رہا تھا۔

"یہ نصیر کی فرسٹ کزن ہے۔ اس کا رشتہ آیا تھا نصیر کے لئے مگر اس کی آزاد روی دیکھ کر نصیر نے انکار کر دیا۔ اس سے تیسرے ہی دن میرے ساتھ ان کا رشتہ طے پا گیا۔"

"تو بس...... یہی وہ نقصان ہے جو آپ نے اس کا کیا پروین بی بی۔" ایشور داس نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس سے اور کچھ نہ بن پڑا تو آپ کا رحم باندھ دیا کہ اولاد نہ ہونے کے باعث آپ کی چھٹی ہو جائے اور اس دوران شاید آپ کا میاں پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور مائل نہ بھی ہو' کم از کم آپ کا تو کانٹا نکال ہی دیا تھا اس نے!"

"مگر اس کے بجائے اس نے ہم دونوں کا تعلق کیوں ختم نہ کرا دیا؟" پروین نے کچھ سوچ کر کہا۔ "اگر وہ یہ ظلم کر سکتی ہے تو ہم دونوں میں لڑائی جھگڑا اور طلاق تو اور بھی آسانی سے ہو سکتی تھی۔"

"ہاں...... مگر آپ اجازت دیں تو میں چند باتیں کھل کر بیان کروں۔"

"ضرور...... آپ جو کہنا چاہتے ہیں ضرور کہئے ایشور داس جی۔ شاید نہیں بلکہ یقیناً اس میں ہماری بھلائی ہو گی۔"

"دیکھئے...... میں گھاٹ گھاٹ کے مردوں اور عورتوں کو بھگتاتا ہوں۔ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اس نے آپ کی مستقل بربادی کا بندوبست کیا تھا۔ نہ کبھی آپ کے ہاں اولاد ہوتی نہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گھر آپ کبھی بسا پاتیں' ہر جگہ سے آپ کو بانجھ کہہ کر چھٹی دے دی جاتی۔ طلاق تو ایک عارضی نقصان تھا۔ آپ نصیر یعنی اپنے میاں کے بعد کسی اور جگہ بس جاتیں۔ اولاد ہو جاتی تو گھر گلشن بن جاتا مگر......"

"آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ آپ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔" عاتکہ نے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سوچتے ہوئے کہا اور ایشور داس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اب یہ تو پتہ چل گیا کہ یہ سب کس نے اور کیوں کیا؟ اب اس کے بعد کیا کرنا چاہیے یہ بتایئے؟''

''اس کا اپائے کرنا ہوگا پروین بی بی؟'' ایشور داس نے اس کی بات کے جواب میں اسے گھور کر دیکھا۔ اس کی نظریں پروین کے سینے سے ہٹ کر چہرے پر آئی تھیں۔ پروین کٹ کر رہ گئی۔ اس نے چادر کو شانوں اور سینے پر درست کیا تو ایشور داس بھی سنبھل گیا۔

''اپائے کیسے ہوگا؟'' عاتکہ نے پوچھا۔

''اس کے لئے آپ کو ہر اتوار کے دن صبح دس بجے یہاں آنا پڑے گا۔''

''کتنے اتوار تک؟''

''کم از کم نو اتوار تک..... اور ناغہ نہیں ہوگا۔ اگر ناغہ ہو گیا تو عمل دوبارہ شروع کرنا پڑے گا۔''

''مگر عمل کیا ہوگا؟''

''میں آپ کو پھونک کر کچھ پانی پلایا کروں گا اور ہر بار آپ کے جسم پر سحر پھونکا کروں گا۔ نویں اتوار تک آپ اپنے میاں سے الگ رہیں گی۔ نویں اتوار کے بعد آپ اپنے میاں سے ملاپ کریں گی اور حمل قرار پا جائے گا۔''

''تو اس کے لئے میرا یہاں آنا کیا بہت ضروری ہے۔'' پروین اس کی بات پر سرخ ہو گئی اور بے اختیار آنکھیں جھکا لیں۔

''ظاہر ہے پروین بی بی۔ اب میں خیال ہی خیال میں تو آپ پر نہ سحر پھونک سکتا ہوں نہ پانی پلا سکتا ہوں۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی راستہ؟'' اس بار عاتکہ بولی۔

''آپ کو یہاں آنے میں دقت کیا ہے؟''

''میں چاہتی ہوں آپ پروین کو میرے گھر آ کر اس عمل سے گزار دیا کریں۔ گاڑی آپ کو لے جائے گی اور چھوڑ بھی جایا کرے گی۔''

''بہت دقت ہو جائے گی۔'' ایشور داس نے ہچکچاہٹ ظاہر کی۔

''میں سمجھتی ہوں۔'' عاتکہ نے جواب دیا۔ ''آپ بے حد مصروف آدمی ہیں مگر ہماری مجبوری کو سمجھئے۔ بار بار یہاں آنا بڑا معیوب سا لگتا ہے۔ اگر کسی جاننے والے نے دیکھ لیا

''



''ہوں.....'' ایشور داس نے آنکھیں موند لیں۔

''اس جانے آنے کے لئے آپ جو فیس عمل کے علاوہ کہیں گے میں حاضر کر دوں گی۔'' عاتکہ نے دھیرے سے کہا۔

''فیس؟'' ایشور داس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔

''جی ہاں۔ آپ صرف بتا دیجئے کہ آپ کی فیس کیا ہوگی؟''

''میرا خیال ہے بہتر یہی ہے کہ ہم کھل کر بات کر لیں۔'' ایشور داس نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا۔ اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے عاتکہ اور پروین کو چونکا دیا۔

''کوئی ہرج نہیں ہے اس میں۔ آپ بتایئے۔'' عاتکہ نے کہا تو اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

''عیدو مائی۔'' اچانک ایشور داس نے دور بیٹھی عیدو کو آواز دی۔

''جی ایشور داس جی۔'' وہ اٹھ گئی۔

''تم اپنے گھر کا ایک چکر لگا آؤ۔ اتنی دیر میں ہم بات مکمل کر لیں گے۔ بس دس پندرہ منٹ میں لوٹ آنا۔''

''جی۔'' عیدو نے اجازت طلب نظروں سے عاتکہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں..... ہو آؤ۔ مگر جلدی لوٹ آنا۔''

''جی بی بی جی۔'' وہ پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔

''میں کھل کر بات کرنے کا مفہوم آپ کو سمجھا دوں پروین بی بی اور.....'' اس نے سوالیہ نظروں سے عاتکہ کی طرف دیکھا۔

''عاتکہ..... عاتکہ نام ہے میرا۔''

''جی..... عاتکہ بی بی۔ میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر کوئی لفظ، کوئی فقرہ، کوئی انداز آپ کو کڑوا لگے، برا لگے برداشت نہ ہو تو نظر انداز کر دیجئے گا۔'' وہ بے حد سلجھے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''آپ کہئے۔ ہم کوشش کریں گی کہ نوبت تلخی تک نہ پہنچے۔'' عاتکہ نے نرمی سے کہا۔

''تو سنئے عاتکہ بی بی۔ آپ مسلمان ہیں۔ میں عیسائی ہوں۔ باہر جو چند مرد اور عورتیں آپ نے دیکھی ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ میں آپ کے مذہب کے بالکل برعکس وہ کام کرتا ہوں جو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ یعنی جادو ٹونہ۔ اس کے باوجود اگر آپ جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ضرورت مند میرے پاس آتے ہیں تو اس کے دو بڑے اسباب ہیں۔ ایک، یہ کہ آپ کے ملاؤں اور عملیات کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنانے والوں سے آپ لوگ مایوس ہو کر یہاں تک آتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ نوری علم ڈھائی منٹ میں کام نہیں کرتا اور جلد باز مقصد کا فوری حصول یعنی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا فطری تقاضا ہم جیسے جادوگروں ہی کے پاس آ کر پورا ہوتا ہے۔"

وہ ایک پل سانس لینے کے لئے رکا۔ عاتکہ سمجھ رہی تھی اور پروین کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنا بھاؤ بڑھانے کے لئے یہ تاویلیں کر رہا ہے۔

"میں غلط ذریعے اور ناجائز طریقے سے کام کرتا ہوں یا درست راستے سے' یہ میرا معاملہ ہے۔ لوگوں کو صرف کام مکمل چاہیے اور اسی بات کا وہ مجھے منہ مانگا معاوضہ دیتے ہیں۔"

"ہم بھی آپ سے یہی عرض کر رہی ہیں کہ اپنا معاوضہ بتائیے تاکہ بات آگے بڑھائی جا سکے۔" عاتکہ نے خوشدلی سے کہا۔

"ہمارے سفلی اور کالے علم میں معاوضے کی دو صورتیں ہوتی ہیں عاتکہ بی بی۔ کبھی کبھی دونوں ضروری ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار ایک ہی سے کام چل جاتا ہے۔"

"یعنی......" وہ دونوں چونکیں۔

"معاوضے کی ایک صورت تو نقد نارائن یعنی روپیہ پیسہ ہوتی ہے اور دوسری صورت۔" ایشور داس کی آگ اگلتی نظریں دونوں کے سراپے پر پانی کی طرح پھر گئیں۔

"دوسری صورت وہ ہوتی ہے جو باہمی رضامندی کے علاوہ کبھی کبھی بہرحال ضروری ہو جاتی ہے۔"

"کھل کر کہئے ایشور داس جی۔ پہیلیاں نہ بجھوائیے۔" عاتکہ کے لہجے میں سختی ابھری۔

"کہنا تو پڑے گا ہی۔" ایشور داس نے پروین کے پرشباب سینے پر نظریں گاڑ دیں جو شال کے نیچے گہرے سانس لے رہا تھا۔ "کالے اور سفلی علم میں مرد اور عورت کا ملاپ ایک بے حد ضروری مرحلہ ہے عاتکہ جی۔" کہہ کر اس نے اپنے الفاظ کا ردعمل دیکھنے کے لئے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔ "اس کے بغیر یہ شیطانی علم پورے طور پر کام نہیں کرتا۔"

بے اختیار عاتکہ اور پروین کے چہرے تمتما اٹھے۔ غصے اور شرم کی سرخی نے ان کو انگارہ بنا دیا۔

"ایشور داس جی۔" عاتکہ نے اسے بڑی سرد نگاہوں سے گھور کر دیکھا...... اس کے



لہجے کی سنگلاخی نے ایشور داس کو چونکا دیا۔

"ایک منٹ...... غصہ مت کیجئے۔" ایشور داس نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "تلخی' بات کو مکمل ہونے سے پہلے ہی بگاڑ بلکہ ختم کر دیا کرتی ہے۔ اس وقت ہم دکاندار اور گاہک کی طرح ڈیل کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی بات اور مجھے اپنا نظریہ بیان کرنے کا پورا حق ہے۔ اگر آپ کو سودا منظور نہیں تو لڑائی سے کیا حاصل؟ اور اگر میں آپ کے بس کا نہیں ہوں تو مجھے زبردستی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے بات پوری سنئے۔ پوری کہئے۔ پھر فیصلہ کریں گے۔"

"آپ کہہ چکے یا ابھی کچھ اور باقی ہے؟" عاتکہ نے بڑے ضبط سے کام لیا۔

"صرف اتنا اور کہنا چاہوں گا کہ اگر آپ کو دوسری صورت منظور نہیں ہے تو بھی میں آپ کا کام کرنے کو تیار ہوں۔"

"مگر کیوں؟ آپ اپنے علم کا ایک لازمی مرحلہ طے کئے بغیر ہم پر یہ مہربانی کیوں کر رہے ہیں؟" پروین نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"امید...... امید پروین بی بی۔ اس امید پر کہ شاید کبھی آپ کو میرا خیال آ جائے یا آپ کو مجھ سے کوئی ایسا کام آن پڑے جو ہمارے اس نازک مرحلے کو عملی شکل میں طے کرا دے۔"

"اس بات کو حرفِ غلط کی طرح ذہن اور دل سے کھرچ ڈالئے ایشور داس جی۔ ہم شریف زادیاں ہیں۔ مر سکتی ہیں۔ بے لباس نہیں ہو سکتیں۔"

"میں نے آپ کے شریف زادی ہونے سے کب انکار کیا۔" وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسا۔ "میں نے تو ایک بات کی ہے۔ اگر مرتے دم تک ایسا کوئی موقع نہ آیا تو یقین کیجئے' میں کبھی اس کے لئے نہ آپ سے زبردستی کروں گا نہ دوبارہ کبھی اپنا مطالبہ زبان پر لاؤں گا۔ اصل میں آپ کی قبیل نے مجھے کبھی پیاسا رکھا ہی نہیں۔ اس لئے ہر ایک سے پوچھ لیتا ہوں کہ اس کے جام میں میرے حصے کی شراب ہے یا نہیں؟ بس اتنی سی بات ہے۔"

"اس کے باوجود اب ہمیں آپ سے خوف آنے لگا ہے ایشور داس جی۔"

"وہ کیوں؟" اس نے عاتکہ کو حیرت سے دیکھا۔

"آپ اپنے علم کے ذریعے کبھی ہمیں بے بس کر سکتے ہیں۔"

"کر سکتا ہوں۔ کروں گا نہیں۔" ایشور داس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔ میں نے کہا ناں۔ یہ باہمی رضامندی سے ہونے والا کام ہے۔ زبردستی یا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ناپسندیدگی اسے زہریلا بنا دیتی ہے۔ میں ایک پڑھا لکھا انسان ہوں۔ اس شیطانی راستے پر مجھے معاشی بدحالی نے لا ڈالا۔ عزتِ نفس کی اقدار آج بھی میرے اندر دوسرے کو سلیوٹ کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں بشرطیکہ مدِمقابل آپ جیسا سچا موتی ہو۔ ہتھیلی پر آبگینۂ عصمت لئے پھرنے والی طوائف کے نام پر کلنک کا ٹیکہ نما عورت نہ ہو۔"

"آپ کی تعلیم کہاں تک ہے؟"

"میں نے ایم اے پولیٹیکل سائنس کیا ہے عاتکہ جی۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ "آج بھی ماضی یاد آتا ہے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں۔ کاش ہمارا معاشرہ بے روزگاری اور معاشی بدحالی کی کوکھ سے مجھ جیسے گریجویٹ عامل اور شیطان جنم دینا بند کر دے۔ کاش......" وہ دکھی سا ہو گیا۔

عاتکہ اور پروین اسے حیرت اور تاسف سے دیکھ رہی تھیں۔

"مگر چھوڑیے۔ میں کس قصے کو لے بیٹھا۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔ اس کی شکست خوردگی ایک بار پھر کرختگی میں بدل گئی۔ "میں صاف صاف کہوں عاتکہ بی بی اور پروین بی بی۔ کام میں آپ کا کروں گا۔ معاوضہ ہو گا بیس ہزار روپے۔ مگر کبھی بھی آپ میری ایک حرکت کا برا نہ مانئے گا۔"

"وہ کیا؟" عاتکہ نے بے اختیار پوچھا۔

"میرے اندر کا شیطان بڑا طاقتور ہے۔ بڑا بے صبرا ہے۔ بڑا اندیدہ ہے اور مجھے اسی سے سارے کام بھی لینا ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ جب بھی میرے سامنے آئیں گی میری بھوکی، ننگی اور بے باک نظریں آپ کے سراپے کو گھونٹ گھونٹ پیتی رہیں گی۔ یہ لالی پاپ اس شیطان کو دینا ضروری ہے تاکہ وہ کھیلتا رہے۔ کھیل میں مگن رہے، سامنے والے کھلونے کی ضد نہ کر بیٹھے۔ اس حرکت سے آپ مجھے روکیں گی بھی تو بے سود ہو گا۔ اس لئے براہِ کرم کبھی اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بنا لیجئے گا۔ عزتِ نفس کی کسوٹی پر نہ پرکھنے لگ جائیے گا میرے انداز کو۔ اس کے لئے میں آپ سے پیشگی معذرت چاہوں گا۔"

عاتکہ کا سر جھک گیا۔ پروین نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ چند لمحے گزر گئے۔ پھر ایک طویل سانس لے کر دونوں نے سر اٹھایا۔

"روپے کب ادا کرنا ہوں گے آپ کو؟" آہستہ سے عاتکہ نے پوچھا۔

"اب آپ اتوار کو صبح دس بجے گاڑی بھیج دیجئے گا۔ میں آپ کے گھر آ کر پروین بی بی پر عمل شروع کر دوں گا۔ رقم بھی وہیں لے لوں گا۔"



"عیدو کے ساتھ میں ایک بار چوکیدار کو بھیجوں گی۔ وہ ڈرائیونگ جانتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ ہر اتوار کو آ کر آپ کو لے جایا کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ایشورداس نے آمادگی ظاہر کر دی۔ "اور ایک احتیاط کیجئے گا۔" اس نے پروین کو مخاطب کیا۔

"جی۔" پروین نے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک تو اپنی ساس سے اس معاملے کا کوئی ذکر نہ کیجئے گا۔ دوسرے اگر ضروری ہو تو اپنے میاں کو بتائیے گا ورنہ ان سے بھی معاملہ چھپا کر ہی رکھئے گا۔"

"نصیر کو بتانا تو بے حد ضروری ہے۔ ان سے چھپا کر میں کوئی کام نہیں کر سکتی۔ آج بھی ان کے علم میں ہے کہ میں عاتکہ کے ساتھ یہاں آئی ہوں۔"

"ویری گڈ......" ایشورداس نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ "میاں بیوی میں اتنی انڈرسٹینڈنگ کم کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ بہرحال باقی لوگوں سے ذرا احتیاط کیجئے گا۔ جب تک آپ کے حمل کو تین ماہ نہ گزر جائیں تب تک آپ کو رازداری سے کام لینا پڑے گا۔ اس کے بعد کوئی اندیشہ نہیں۔"

"تو آج کے لئے کچھ نذرانہ چاہیں گے آپ؟" عاتکہ نے پرس پر ہاتھ رکھا۔

"آپ جیسے آبدار لوگوں کو دیکھ لیا۔ بات کر لی۔ یقین کیجئے۔ کچھ دیر کے لئے انسان بن گیا ہوں میں بھی۔ یہی کافی ہے۔ اب آپ جانا چاہیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔"

ایشورداس کے ہونٹوں پر پہلی بار بڑی جاندار مسکراہٹ ابھری۔

"شکریہ ایشورداس جی۔ میں اتوار کو گاڑی بھیج دوں گی۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

عاتکہ اور پروین اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی وقت عیدو نے دروازے سے سر نکالا۔

"چلیں بی بی جی۔"

"ہاں عیدو...... چلو۔" وہ دونوں اس کی طرف بڑھ گئیں۔ دروازے سے نکل کر وہ عیدو کے ساتھ روانہ ہو گئیں۔ ایشورداس خالی خالی نظروں سے کھلے دروازے کو گھور رہا تھا۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❀❀❀

"مجھے یقین نہیں آتا پروین کہ لیلیٰ یہ سب کچھ کر سکتی ہے یا اس حد تک جا سکتی ہے۔" نصیر نے ساری بات سن کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یقین تو مجھے بھی نہ آتا اگر میں خود اپنی آنکھوں سے وہ تعویذ نہ دیکھ لیتی ...... پھر عاتکہ بھی اس کی گواہ ہے' آپ اس سے پوچھ لیں۔" پروین نے شکوے کے انداز میں کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" جلدی سے نصیر بولا۔ "میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بغیر کسی وجہ کے اس نے یہ حرکت کی' مجھے اس بات پر یقین نہیں آ رہا۔"

"ایشور داس بتا رہا تھا لیلیٰ کو اس بات کا دکھ ہے کہ آپ نے اس کا رشتہ چھوڑ کر مجھ سے شادی کیوں کر لی۔"

"یہ بات حلق سے اترتی ہے۔" نصیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "شاید اس نے اپنی بےعزتی کا بدلہ لیا ہو۔"

"بےعزتی ...... کیسی بےعزتی۔ کسی سے رشتہ جوڑنا نہ جوڑنا جیسے اس کا حق ہے ویسے آپ کا بھی تھا۔ اس میں عزت بےعزتی کا کیا ذکر؟"

"بات اگر اتنی ہی ہوتی تو شاید وہ سہہ جاتی۔"

"تو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے؟" پروین نے اسے شک بھری نظروں سے دیکھا۔

"ہاں۔" نصیر نے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔ "مگر بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"تو پھر؟"

"دراصل ہوا یہ تھا کہ جب میں نے اس کے رشتے سے انکار کیا تھا تو وہ مجھ سے ملنے میرے آفس آئی تھی۔"

"اچھا ......" پروین کو اچنبھا ہوا۔ "مگر آج تک آپ نے اس بات کا ذکر مجھ سے تو نہیں کیا؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔



"تم سے کیا' میں نے اس کا ذکر ابھی تک کسی سے نہیں کیا۔ صرف محمود کو اس بات کا علم ہے۔" نصیر نے اس کا لہجہ نظر انداز کر دیا۔ "وہ مجھ سے میرے انکار کی وجہ پوچھنے آئی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا؟" پروین کے لہجے میں اشتیاق ابھرا۔

"میں نے اس کی آزادروی پر اسے جھاڑ پلا دی اور بغیر اس کی کوئی سیوا کئے چلتا کر دیا۔ شاید یہ بات اسے تاؤ دلا گئی ہو اور اس نے بدلہ اس طرح لیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" پروین نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "ویسے ایک بات تو ہے کہ عورت کبھی اپنی توہین کو بھولتی نہیں۔"

"ہاں ...... یہ مرد ہی ہوتا ہے جو عورت کے ایک بار مسکرا کر دیکھ لینے پر ایکدم اپنی ساری بےعزتیاں بھول کر اس کے آگے بچھ جاتا ہے۔"

"بچھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ پھر عمر بھر اس نے عورت کو بچھانا ہوتا ہے ...... بے چاری عورت۔" پروین نے شوخی سے کہا۔

نصیر اس کے جواب پر بغلیں جھانک کر رہ گیا۔ "اور کیا بتایا اس ایشور داس نے؟" اس نے بات بدلی۔

"اس نے نو اتواروں تک مجھے دم کرنا ہے۔ عاتکہ نے عقلمندی یہ کی ہے کہ اسے اپنے گھر پر آ کر دم کرنے کا طے کر لیا۔ ورنہ تو میں الجھن میں پڑ گئی تھی کہ یہ کام کہاں اور کیسے ہو گا؟"

"عاتکہ اور محمود جیسے لوگ بڑے نصیب سے ملتے ہیں پروین۔" نصیر نے رشک سے کہا۔ "ہر ہر قدم پر وہ ہمارے اس طرح کام آتے ہیں کہ مجھے ان کی جدائی کا خیال بھی لرزا کر رکھ دیتا ہے۔"

"اللہ نہ کرے کہ کبھی ان سے جدائی کا موقع آئے۔ میرا تو بھری پری دنیا میں ان کے سوا کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔" پروین نے جلدی سے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا نہیں۔" نصیر ایک دم اداس ہو گیا۔ "محمود کا تبادلہ ہو رہا ہے۔"

"کہاں؟ کب؟" پروین بےاختیار بےتاب ہو گئی۔

"کراچی۔ اسے ہیڈ آفس طلب کر لیا گیا ہے۔"

"اوہ ......" پروین کملا کر رہ گئی۔ "یہ تو بہت برا ہوا۔"

"صرف ہمارے لئے ...... ورنہ محمود کو تو مین برانچ کا منیجر بنا دیا گیا ہے۔ اس کے لئے تو یہ اچھا ہی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"کب جانا ہے محمود بھائی کو؟" وہ بے پناہ اداسی سے بولی۔

"جلد ہی۔ ابھی ڈیٹ طے نہیں ہوئی۔"

یاسیت سے پروین نے نصیر کو دیکھا اور سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"خود کو سنبھالو پروین۔" نصیر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "ان کی خوشی میں خوش رہنا بھی ہمارا فرض بنتا ہے۔"

"میں عاتکہ کے بغیر بالکل اکیلی پڑ جاؤں گی نصیر۔" وہ پھسل پڑی۔

"پگلی ہو۔" نصیر نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ "زندگی میں ایسے لمحات کی امید رکھنی چاہئے۔ ہمیشہ سکھ یا سدا کا دکھ کبھی ساتھ نہیں رہتے۔ ہوسکتا ہے کچھ عرصے بعد میری ٹرانسفر بھی کراچی ہو جائے۔"

"آپ کوشش کریں کہ ہم ان کے ساتھ ہی چلے جائیں۔"

"بے وقوف۔" نصیر نے اس کی بھیگی آنکھیں چوم لیں اور ہنس دیا۔ "یہ اپنے بس کی بات تھوڑی ہے۔ بہرحال محمود خود بھی کہہ رہا تھا کہ وہاں جا کر میرے لئے کوشش کرے گا کہ جلد سے جلد کراچی بلوا لے۔"

پروین نے اس کے سینے میں چہرہ چھپا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ نصیر نے ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھایا اور ہونٹوں کی طرف پیش لبی کی۔

"اوں ہوں۔" پروین نے دوبارہ چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا۔

"کیا ہوا؟" نصیر نے حیرت سے پوچھا۔

"ایشور داس نے کہا ہے کہ نو اتواروں تک ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا ہوگا۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟" نصیر بھڑک اٹھا۔ "اتنا عرصہ میں کیا ستو پی کر گزارا کروں گا۔"

"بے شرم۔" پروین نے اس کے سینے پر ہلکا سا گھونسہ مارا۔ "دو ڈھائی مہینے ہی کی تو بات ہے۔"

"تم تو آسانی سے کہہ کر چھوٹ گئیں۔ میرا کیا بنے گا' کچھ اس کا بھی خیال ہے۔"

"اب اس میں میرا کیا دوش!" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔ "اگر آپ نہیں چاہتے تو میں علاج نہیں کرواتی۔"

"یہ بھی نہیں ہوسکتا۔" نصیر نے ایک طویل سانس لی۔ "اچھا۔ جو کرے کرتار۔ چلو۔ ایک آدھ پپی تو مل سکتی ہے یا اس پر بھی پابندی ہے۔"

"بات بڑھتے دیر نہیں لگے گی اس لئے آپ صبر ہی کیجئے۔" کہہ کر مسکراتے ہوئے



پروین اٹھ گئی۔

نصیر ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔ پروین کی بھیگی ہوئی آنکھیں اور بھی حسین ہو رہی تھیں مگر..... مجبوری تھی۔ وہ دل سوس کر رہ گیا۔

"ارے سنو۔" کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر اس نے پروین کو پکارا۔

"فرمائیے۔" وہ وہیں سے بولی۔

"امی کو تو کچھ نہیں بتایا۔"

"جی نہیں۔ اور آپ بھی ذرا فرمانبرداری سے ہاتھ کھینچ کر رکھئے گا۔ ایشور داس نے کہا ہے کسی پانچویں فرد کو اس بات کی بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔"

"ہوں..... میں خیال رکھوں گا۔"

"دو دن بعد اتوار ہے۔ عاتکہ کے گھر جانے کے لئے پیشگی ہی اجازت لے لیجئے گا۔ کہیں عین وقت پر امی کوئی اور حکم نہ لگا دیں۔"

"میں کر لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔" نصیر نے جواب دیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ پروین کمرے سے نکلی اور کچن کی طرف بڑھ گئی جہاں بیگم جواد کے لئے اسے چائے بنانا تھی۔

●●●

"ہاں بی بی۔ کیا مسئلہ ہے تمہارا؟" ایشور داس نے اپنے سامنے بیٹھی پچیس چھبیس سال کی بے حد خوبصورت لڑکی کو نظروں ہی نظروں میں پی جانے کے انداز میں دیکھا۔

"جی..... ایک ذاتی سا مسئلہ ہے۔" کھلے گریبان سے جھانکتا ہوا اس کے سرخ و سفید سینے کا زیر و بم بے قاعدہ ہو گیا۔

"کہو۔ میں سن رہا ہوں۔" ایشور داس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں شرم نام کی کسی شے کا وجود نہ تھا۔ وہ بڑی بے باکی سے اس سے نظریں ملا رہی تھی مگر ایشور داس کی آنکھوں کی تیز چمک سے گھبرا کر نیچے دیکھنے لگی۔ ایشور داس اس کی گدرائی ہوئی بانہوں اور بھرے بھرے جسم سے بار بار آنکھیں سینک رہا تھا۔ اس کا تجربہ کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکی ٹھنڈی کھیر ہے جسے وہ جب چاہے حلق سے اتار سکتا ہے۔

سردیوں کے موسم میں بھی اس نے سویٹر یا شال کا کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔ گرم شلوار سوٹ پر اس نے مفلر جیسا دوپٹہ گلے میں ڈال رکھا تھا جو اس کے سینے کے دائیں بائیں لہرا رہا تھا۔ میک اپ کا اسے اچھا سلیقہ تھا۔ اپنے حسن کو قاتلانہ بنانے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ شولڈر بیگ اس نے بائیں ہاتھ فرش پر رکھ چھوڑا تھا جس کے سٹریپ سے اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



انگلیاں بار بار الجھ رہی تھیں۔

''ایک آدمی ہے..... نعمان۔'' اس نے کہتے ہوئے نظریں اٹھائیں۔ ''اس کے سلسلے میں.....'' وہ خاموش ہوگئی۔

''ہچکچاؤ مت۔ کھل کر بات کرو۔'' ایشورداس نے نرمی سے کہا۔

''میں چاہتی ہوں..... وہ..... وہ میرے قابو میں آجائے۔'' رک رک کر بالآخر وہ کہہ گئی۔

ایشورداس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ ''ہوں.....'' اس نے سر ہلایا۔ ''تو یہ معاملہ ہے۔''

''جی۔''

''شادی کرنا چاہتی ہو اس سے؟''

''ابھی نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''فی الحال تو میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ صرف میرا ہو کر رہ جائے۔''

''کیا وہ کسی اور کے ساتھ بھی Involve ہے؟''

''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہرحال میری طرف مائل ضرور ہے۔''

''جب وہ تمہاری طرف مائل ہے تو پھر اندیشہ کیا ہے۔ دبوچ لو اسے؟'' ایشورداس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں چاہتی ہوں، وہ میرے علاوہ کسی اور کی طرف کبھی مائل نہ ہو۔''

''شادی بھی تم اس سے نہیں کرنا چاہتیں۔ اسے قابو میں بھی لانا چاہتی ہو۔ بات سمجھ میں آئی نہیں۔ کھل کر بتاؤ۔''

''میں شادی کی پابندیاں برداشت نہیں کرسکوں گی۔ میں چاہتی ہوں اس کے ساتھ تعلق تو رہے مگر پابندی کوئی نہ ہو مجھ پر۔''

''وہ تو تم شادی کے بعد بھی اسے قابو میں رکھ سکتی ہو۔ میں ایسا عمل کر دوں گا کہ وہ تمہارا غلام ہو کر رہ جائے گا۔''

''میں ایسا ہی عمل کرانا چاہتی ہوں مگر شادی کے بغیر۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''یہ نعمان کرتا کیا ہے؟'' ایشورداس نے اچانک بات بدل دی۔

''سرکاری ملازم ہے۔''

''مالی حیثیت کیسی ہے؟''



''بے حد مضبوط۔ خاندانی رئیس ہے۔''

''کوئی بیوروکریٹ ہے؟''

''نہیں مگر کسی بیوروکریٹ سے کم بھی نہیں ہے۔'' اس نے گول مول جواب دیا۔

ایشورداس سمجھ گیا کہ وہ اس کا مقام و مرتبہ اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔ یہ اس کا مسئلہ تھا بھی نہیں، اس لئے اس نے زیادہ کریدنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''اب کچھ باتیں کھل کر ہو جائیں۔''

''یعنی؟''

''میں کچھ ایسی باتیں پوچھوں گا جن کے جواب پر اس بات کا انحصار ہے کہ تمہارے لئے مجھے کیسا عمل اور کس طرح کرنا ہے؟ اس لئے میں پیشگی بتا دوں کہ باتیں بے حد ذاتی نوعیت کی ہیں۔ اگر تم نے درست بتا دیا تو کام ہو جائے گا اور اگر غلط بیانی سے کام لیا تو عمل کی سستی یا ناکامی کی ذمے دار تم خود ہوگی۔''

''میں سب کچھ سچ بتاؤں گی۔ آپ پوچھئے۔'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''تمہارا نام؟''

''شائنہ!''

''کتنی دیر سے اس نعمان نامی آدمی کو جانتی ہو؟''

''دو ماہ سے۔''

''اس دوران کبھی اس کے بستر تک پہنچیں؟''

''نہیں.....'' شائنہ کی نظریں جھک گئیں۔ وہ کتنی بھی ماڈرن ہوگی، تھی تو عورت۔ فطری جھجک آڑے آرہی تھی۔

''تعلقات کہاں تک پہنچے؟''

''بوس و کنار سے آگے نہیں بڑھنے دیئے میں نے۔ نعمان تو بارہا آؤٹ آف کنٹرول ہوا۔ میں نہیں بہکی۔''

''کنواری ہو؟''

ایشورداس کے اس سوال پر شائنہ نے ایک بار پھر نظریں جھکا لیں۔ ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور خشک ہونٹ زبان پھیر کر تر کئے۔

''شادی تو ابھی تک نہیں ہوئی تمہاری؟''

''جی نہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"تو پھر کنواری ہی ہوئیں ناں؟" ایشورداس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"جی....." وہ دھیرے سے بولی۔ "جی نہیں۔" کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور ایشورداس کی آنکھوں میں دیکھا جو بڑے پراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کتنی بار اس تجربے سے گزر چکی ہو؟"

"ایک سے زیادہ مرتبہ۔ اب پلیز۔ کوئی اور بات کیجئے۔" اس نے منت سے کہا۔

"نعمان کو کتنا عرصہ قابو میں رکھنا چاہتی ہو؟" ایشورداس نے اس کی بات مان لی۔

"ہمیشہ کے لئے۔"

"کام ہو جائے گا تمہارا..... لیکن بڑا مہنگا کام ہے۔"

"میں فیس دینے کو تیار ہوں۔"

"کتنا روپیہ دے سکتی ہو؟"

"آپ بتائیے؟"

دونوں کی آنکھیں ملیں۔ چند سیکنڈ گزر گئے۔

"دو لاکھ۔"

"ڈن۔" شائنہ نے ایک پل کی دیر نہ لگائی۔

"اور سات راتیں۔"

"میں منہ مانگا معاوضہ دے رہی ہوں!" وہ دھیرے سے بولی۔ "پھر بھی.....؟"

"یہ ضروری ہے۔" ایشورداس نے اسے بھوکی نظروں سے دیکھا۔ "کالا علم جسمانی ملاپ کے بغیر ایسے کاموں میں چمتکار نہیں دکھاتا۔"

"کام ہو جانے کی کوئی گارنٹی؟" اس نے زیادہ بحث نہ کی۔

"پہلی رات کے بعد تم جہاں چاہو گی وہ تمہارے غلام کی طرح وہاں پہنچ جائے گا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ یہ تو اب بھی ہو رہا ہے۔ میں اسے ابھی موبائل پر کال کروں تو وہ سب کام چھوڑ کر چلا آئے گا۔"

"تو پھر تم بتاؤ؟"

"میں چاہتی ہوں وہ میرے کسی کام سے انکار نہ کرے۔ یوں سمجھ لیں۔ مجھے اس۔ کچھ ٹینڈر پاس کرانے ہیں۔ وہ ان فائلوں پر سائن کرنے میں ہچر مچر نہ کرے۔ مخالف پارٹیوں کے راز مجھ پر کھولنے سے انکار نہ کرے۔"

"ہو جائے گا۔"



"اور یہ کام مستقل ہونا چاہیے۔"

"مستقل ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے آپ کی دوسری شرط بھی منظور ہے۔"

"تو سمجھو آج رات سے عمل شروع ہو جائے گا۔"

"کیا مجھے یہاں آنا ہو گا؟"

"ہاں۔" ایشورداس نے اس کا نرم و گداز ہاتھ تھام لیا۔ "ہر رات ٹھیک دس بجے تم یہاں آؤ گی۔ صبح سات بجے رخصت ہو جایا کرو گی۔ سات راتیں اسی طرح گزریں گی۔ آخری صبح کو تم مجھ سے رخصت ہو کر سیدھی نعمان کے پاس جاؤ گی اور اسے اپنے جسم پر تصرف دے دو گی۔ بس۔ اس کے بعد وہ تمہارا بندہ بے دام ہو کر رہ جائے گا۔"

"رقم کب پہنچانا ہو گی مجھے؟"

"کب دے سکتی ہو؟"

"پچاس ہزار تو اس وقت بھی میرے پاس ہیں۔ باقی رات کو لے آؤں گی۔" اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ٹھیک ہے۔ لاؤ۔"

شائنہ نے بیگ کھولا۔ اس میں سے پانچ پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور ایشورداس کی طرف بڑھا دی۔ "میں رات کو ساڑھے نو اور دس کے درمیان آ جاؤں گی۔"

"نعمان کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں..... دو تین ہیں۔"

"ان میں کوئی ایسی بھی ہے جس میں وہ پورے جسم کے ساتھ موجود ہو۔"

"ایک ہے ایسی بھی۔"

"رات کو آؤ تو وہ تصویر ساتھ لیتی آنا۔"

"ٹھیک ہے۔ اور کچھ؟"

"نہیں....." ایشورداس نے پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"رات کو آؤں گی۔ تب تک خود کو سنبھالئے ایشورداس جی۔" شائنہ نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

مسکرا کر ایشورداس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اٹھی اور بیگ سنبھالتی ہوئی دروازے کی طرف چل دی۔ ایشورداس اس کی قیامت خیز چال کو دیکھ کر بے قابو ہوا جا رہا تھا مگر رات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تک تو اسے صبر کرنا تھا۔ سو سر جھٹک کر اس نے ابلتے ہوئے جذبات پر بند باندھنے کی کوشش کی اور کسی حد تک اس میں کامیاب ہو گیا۔ شائنہ کے باہر جاتے ہی مقصود عرف سودا اندر آ دھمکا۔

''باہر عیدو آئی ہے جی!''

''عیدو؟'' ایشور داس چونک پڑا۔ ''ارے۔ آج اتوار ہے میں تو بھول ہی گیا۔ کوئی اور بھی ساتھ ہے اس کے؟''

''جی۔ ایک آدمی ہے پٹھانوں جیسا۔''

''ٹھیک ہے۔ ان سے کہو میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں۔''

''اور جو آٹھ دس سائل باہر بیٹھے ہیں' ان سے کیا کہوں؟''

''انہیں انتظار کرنے دو۔ جو جانا چاہے اسے جانے دو۔ میں بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ واپس آ کر دیکھوں گا۔'' کہہ کر ایشور داس اٹھ گیا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا تو سودا باہر نکل گیا۔ اسے ایشور داس کے حکم کی تعمیل کرنا تھی۔

● ● ●

شائنہ نے گاڑی پارک کی اور باہر نکل آئی۔ اس کا رخ بلڈنگ لفٹ کی طرف تھا۔ نفل ٹاور نامی بلڈنگ میں اس کا فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔

فلیٹ میں داخل ہو کر اس نے بیگ ایک طرف پھینکا اور ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھا لیا جو صبح جاتے ہوئے وہ یہیں بھول گئی تھی۔ بستر پر نیم دراز ہو کر اس نے ایک نمبر ملایا۔ پھر موبائل کان سے لگا لیا۔

''یس۔'' چند لمحوں بعد دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز ابھری۔ ''رابل سپیکنگ!''

''مال روانہ کرو۔ میں فلیٹ ہی پر ہوں۔''

''آدھ گھنٹے میں آدمی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ ٹارگٹ ہے 'دی نیکسٹ'۔''

''او کے۔ آل دی بیسٹ۔''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ شائنہ نے موبائل پر دوسرا نمبر ملایا۔

تیسری بیل پر رابطہ قائم ہو گیا۔

''یس نعمان از ہیئر۔'' دوسری جانب سے ایک پرجوش اور جوان آواز ابھری۔ ''تم صبح سے کہاں تھیں جان۔ میں فون کر کر کے بے حال ہو گیا۔''

''سو رہی تھی۔'' بڑی مدھ بھری آواز میں شائنہ نے کہا۔

''اب میں ارادہ کر رہا تھا کہ خود تمہاری طرف چل پڑوں۔''



''میں ایک گھنٹے بعد خود تم سے شیزان میں ملوں گی جان۔ تم وہیں آ جاؤ۔''

''او کے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔'' دوسری طرف سے بوسے کی آواز ابھری۔ جواب میں شائنہ نے بھی بوسہ اڑایا اور موبائل آف کر دیا۔

ایک انگڑائی لے کر وہ اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی۔ پندرہ بیس منٹ بعد وہ فریش ہو کر نکلی اور ڈریسنگ ٹیبل پر آن بیٹھی۔ ہلکا سا میک اپ کیا۔ پھر کپڑے بدلنے لگی۔ نارنجی ساڑھی میں اس کا حسن دو آتشہ ہو گیا۔ سپرے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کو جونہی وہ پلٹی' دروازے پر بیل ہوئی۔

''یس۔ ہوز دیئر؟'' اس نے نازک سی رسٹ واچ پر نظر دوڑائی۔

جواب میں دروازے پر تین بار ٹھک ٹھک ٹھک کی آواز ابھری۔ اتنے میں وہ دروازے تک آ چکی تھی۔ تیسری دستک کے بعد ذرا سا وقفہ آیا۔ تب اس نے دروازہ کھول دیا۔

سامنے ایک ڈرائیور نما آدمی کھڑا تھا۔ اس نے ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''اندر آ جاؤ پردیپ۔'' شائنہ نے راستہ چھوڑ دیا اور اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے لیا۔

پیکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ''کچھ لو گے؟ چائے یا ٹھنڈا؟''

''نو میڈم۔ تھینکس!'' پردیپ نے ادب سے کہا اور اشارے سے سلام کر کے لوٹ گیا۔ شائنہ نے دروازہ بند کیا۔ پیکٹ لے کر وہ بستر پر آ بیٹھی۔ اسے کھولا۔ اس میں سے تین منی ٹائم پیس نکلے۔ چند لمحے وہ غور سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے ان کو الٹ پلٹ کر جائزہ لیا۔ آخر میں اس نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے تمام ٹائم پیسز پر بارہ بجے کا الارم لگایا اور ان کو بیگ میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پانچ منٹ بعد وہ اپنی گاڑی میں ''دی نیکسٹ شاپنگ پلازہ'' کی طرف تیز رفتاری سے اڑی جا رہی تھی۔

گیارہ بج کر تیرہ منٹ پر وہ دی نیکسٹ کے سامنے رکی۔ بیگ کندھے پر ڈالا اور کار سے نکل آئی۔

گراؤنڈ فلور پر اس نے ایک بوتیک میں قدم رکھا۔ فوراً ہی ایک ادھیڑ عمر عورت اس کی طرف لپکی۔

''آیئے آیئے میڈم۔ تشریف لایئے۔'' وہ بڑی خوش اخلاقی سے بولی۔ ''کیا دکھاؤں؟''

''میں یہ ساڑھی پرسوں دیکھ کر گئی تھی۔ اسے فوراً پیک کر دیں۔'' اس نے ایک نیلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ساڑھی کی طرف اشارہ کیا جو بائیں طرف ہینگر میں لٹک رہی تھی۔

"یس میڈم۔" عورت نے ساڑھی ہینگر سے اتار لی اور اسے ساتھ آنے کا کہہ کر کاؤنٹر کی طرف چل دی جہاں دو نوجوان لڑکیاں دو تین خواتین کو ڈیل کر رہی تھیں۔

شائنہ نے آہستہ سے بیگ کھولا۔ کاؤنٹر کی طرف جاتے جاتے وہ ایک جگہ رکی جہاں سمور کے کوٹ ہینگروں میں لٹک رہے تھے۔ بڑے غیر محسوس انداز میں' کوٹ چیک کرتے ہوئے اس نے رخ بدل کر ایک ٹائم پیس پرس سے نکالا اور ایک کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔ پھر ایک آدھ اور چیز دیکھتی ہوئی ٹہلنے کے انداز میں کاؤنٹر پر چلی آئی۔

"یہ لیجئے میڈم۔" عورت نے ساڑھی کا پیکٹ اور رسید اس کی طرف بڑھائی۔

شائنہ نے رسید پر نظر ڈالی۔ وقت دیکھا۔ گیارہ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ اطمینان بھرے انداز میں بیگ سے چار ہزار ہزار کے نوٹ نکالے اور عورت کی طرف بڑھا دیئے۔

"شکریہ میڈم۔" اس نے مسکرا کر شائنہ کی طرف دیکھا۔ "کچھ اور بھی پسند کیجئے ناں!"

"پھر آؤں گی۔ اس وقت مجھے کچھ جلدی ہے۔" شائنہ بھی جواباً مسکرائی اور ساڑھی کا پیکٹ تھام کر چل دی۔

دی نیکسٹ کی سنہیں منزلہ عمارت سے باہر آ کر وہ کار میں بیٹھی تو اس کے سولہویں اور ٹاپ فلور کی ایک دکان میں بھی ایک ایک ٹائم پیس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کار اسٹارٹ کی ایک نظر اوپر سے نیچے تک عمارت کا جائزہ لیا۔ بڑی تضحیک آمیز مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔ کار درمیانی رفتار سے ڈرائیو کرتی ہوئی وہ تقریباً دو سو گز سیدھی چلی' پھر رک گئی۔

سائڈ ونڈو سے ذرا سی گردن گھما کر اس نے پیچھے دی نیکسٹ کی پرشکوہ عمارت دیکھا۔ پھر رسٹ واچ پر نگاہ کی۔ بارہ بجنے میں چار سیکنڈ باقی تھے۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔

اس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

کار نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔

ایک فلک شگاف دھماکہ ہوا۔

دی نیکسٹ کے پرخچے اڑ گئے۔

آگ..... دھواں..... چیخ و پکار..... شعلے..... تباہی..... اس نے بیک مرر میں یہ



کا طوفان دیکھا اور سن گلاسز کے عقب میں اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کی اور شیزان کی طرف روانہ ہو گئی۔

●●●

نعمان بے تابی سے اس کا منتظر تھا۔ اسے ہال میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ بے اختیار اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

"اتنی دیر؟" وہ شکوہ بھرے انداز میں بولا۔

"دیر کہاں ہوئی مجھے۔" وہ مسکراتے ہوئے حیرت سے بولی۔ "میں تو دس منٹ پہلے آ گئی۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" نعمان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "تمہارے انتظار میں ایک ایک پل کا ٹنا عذاب ہو جاتا ہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ نجانے کب سے آنکھیں فرش راہ کئے بیٹھا ہوں۔"

"اب بیٹھنے کے لئے بھی کہیں گے جناب یا کھڑا ہی رکھیں گے۔" وہ نعمان کی محویت توڑتے ہوئے بولی۔

"اوہ....." وہ خجل سا ہو گیا۔ "بیٹھو۔ بیٹھو ناں۔" اس نے بڑی محبت سے شائنہ کو سیٹ آفر کی۔ دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ بیٹھ گئی۔ بیگ ساتھ والی کرسی پر رکھ دیا اور کہنیاں میز پر ٹکا کر ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھ کر نعمان کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھنے لگی۔

"مت دیکھو مجھے ایسے۔ پاگل ہو جاؤں گا میں!" نعمان نے جذباتی لہجے میں کہا۔

کھلکھلا کر شائنہ ہنس پڑی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اس کی ہنسی نے نعمان کو مزید بے تاب کر دیا۔ وہ اٹھائیس تیس سال کا ایک شاندار مرد تھا۔ لڑکیاں شاید اس کے گرد پروانہ وار پھرتی ہوں گی مگر وہ تھا کہ اسے شائنہ کے سوا کوئی دوسرا دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ اس کی کائنات شائنہ میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔

"کیا لو گی؟" ویٹر کے آنے پر نعمان نے اس سے پوچھا۔

"بھوک لگ رہی ہے۔ کافی کے ساتھ کچھ منگواؤ۔"

نعمان نے ویٹر کو آڈر سرو کیا اور پھر اسے والہانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ شرما سی گئی۔

"صرف دیکھ ہی سکتا ہوں۔ سو دیکھ رہا ہوں۔ چھونے کی تو اجازت نہیں ہے۔" وہ آہ بھر کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''اتنی ناامیدی؟'' وہ شوخی سے بولی۔

''تو کیا امید بھی رکھ سکتا ہوں؟'' جلدی سے نعمان نے کہا۔

''امید پر تو دنیا قائم ہے مسٹر۔ تم کیوں ناامید ہو رہے ہو؟''

''شائنہ۔ میں تمہیں ایک بار پھر پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔'' نعمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''اور میں پھر یہی کہوں گی کہ ابھی مجھے شادی نہیں کرنا۔''

''مگر کیوں؟ تم وجہ بھی نہیں بتاتیں اور ہاں بھی نہیں کرتیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔''

''دیکھو نعمان۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''ہماری ملاقات کو دو ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور تم بات شادی تک لے آئے ہو جبکہ نہ ابھی تک تم میرے بارے میں پوری طرح جانتے ہو نہ میں تمہارے بارے میں۔''

''دیکھو۔'' نعمان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم میرے بارے میں یہ بات نہیں کہہ سکتیں۔ تم جانتی ہو میں وزارت داخلہ میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر کام کر رہا ہوں۔ ماں باپ بھائی بہن جاگیر پر ہیں۔ یہاں میں اکیلا ہوں۔ اپنی شادی کے معاملے میں خودمختار ہوں۔ دس منٹ کے نوٹس پر تمہیں اپنی دلہن بنا سکتا ہوں۔ روپے پیسے کی فراوانی ہے۔ ذاتی کوٹھی نما رہائش ہے۔ سرکاری رہائش سے خود ہی پرہیز کرتا ہوں۔ باقی رہیں تم۔ تو میں نے تمہارے بارے میں ہر اس بات پر یقین کر لیا جو تم نے بتائی۔''

''یعنی؟'' شائنہ نے آنکھیں پٹ پٹائیں۔

''یعنی یہ کہ تم دنیا بھر میں اکیلی ہو۔ ایک فرم میں اسٹینو ہو۔ ماں باپ گاڑی اور بنگلہ بیلنس چھوڑ گئے ہیں جس سے تمہارا گزارا آسانی گزارا ہو رہا ہے۔ کوئی سہیلی یا دوست نہیں رکھتیں کہ دنیا والے انگلیاں نہ اٹھائیں۔ دفتر کے چند لوگوں کے سوا کسی سے راہ و رسم نہیں ہے۔ اب اس سے زیادہ میں تمہارے بارے میں کچھ جان کر کروں گا بھی کیا۔ زندگی دونوں کو گزارنی ہے۔ زیادہ تحقیقات میں پڑ کر کیا ملے گا سوائے الجھنوں کے۔ اس لئے اگر یہ بہانہ بنانا چاہو گی کہ ہم ایک دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو یہ معقول جواز نہیں ہے۔ ہاں۔ میری طرف سے تمہیں یہ آفر بھی ہے کہ تم جب چاہو میرے گھر والوں اور جائیداد کے بارے میں جیسے چاہو اپنا اطمینان کر سکتی ہو۔''

''جیسے تم نے میرے بارے میں اطمینان کرنے کے لئے پوچھ گچھ کی؟'' شائنہ بات سے بات جوڑی۔



''تمہیں برا لگا کیا؟'' نعمان نے پشیمانی سے کہا۔

''برا تو نہیں لگا مگر.....''

''دیکھو شائنہ۔ میں بڑے حساس محکمے میں بے حد ذمے دار سیٹ پر ہوں۔ ملکی سلامتی کے لئے میں ریڑھ کے مہروں میں شمار ہوتا ہوں۔ تمہارے بارے میں تمہارے آفس سے بے حد ہلکی پھلکی معلومات حاصل کرنے میں صرف یہ احتیاط مضمر تھی کہ.....''

''کہیں میں کوئی جاسوس واسوس نہ نکل آؤں جو تمہارا شکار کرنے کے لئے دام پھیلا رہی ہے۔''

''تم جو بھی سمجھ لو۔ اگر تمہیں اس بات کا غصہ ہے تو میں معذرت کر لیتا ہوں مگر یقین کرو اس میں سوائے میرے ذاتی اطمینان کے اور کوئی امر کارفرما نہیں تھا۔''

''ارے ارے۔ تم تو سیریس ہو گئے۔'' شائنہ نے جلدی سے کہا۔ ''ارے بابا۔ میں تو یونہی ذکر کر رہی تھی۔ ورنہ کیا میں نہیں جانتی کہ تم کس قدر محتاط زندگی گزارنے کے پابند ہو۔ بہرحال۔ ایک گلہ تو مجھے تم سے ہے۔''

''وہ کیا؟'' نعمان نے اسے بے تابی سے دیکھا۔

''آج تک مجھے تم نے اپنے آفس تو بلایا نہیں۔ کچھ میں بھی تو دیکھوں کہ میرا ہونے والا سیاں کوتوال کس ٹھاٹ باٹ کا مالک ہے۔''

''تم جب چاہو آ جاؤ شائنہ..... میری زندگی میں تمہاری کیا اہمیت ہے تم اس سے آگاہ نہیں ہو۔''

''یہی تو میں دیکھنا چاہتی ہوں نعمان کہ جس کے ساتھ مجھے زندگی گزارنے کی آفر کی جا رہی ہے اس کی زندگی میں میرا کیا مقام ہے؟ کیا مرتبہ ہے؟ کیا اہمیت ہے؟ اور یہ میں یہاں شیزان میں بیٹھ کر نہیں جان سکتی۔ اس لئے مجھے تمہارے ساتھ ہر مقام پر وقت گزارنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ جلد بازی میں کم از کم میں کوئی ایسا فیصلہ کر لوں جس کا پچھتاوا بعد میں مجھے زندہ درگور کر دے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا شائنہ۔ میری محبت پر یقین کرو۔'' نعمان پھر جذباتی ہو گیا۔

''تمہاری اپر کلاس کے لوگ جب محبت کرتے ہیں نعمان تو اس وقت ان کا رویہ کچھ اور ہوتا ہے اور جب غبار ان کے دماغ سے اترتا ہے تو رویے کے ساتھ ان کا لہجہ بھی بدل جاتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں شائنہ۔ تم کسی حد تک درست کہہ رہی ہو مگر میں ایسے لوگوں میں سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نہیں ہوں۔"

"جاگیردار تو ہو۔"

"مگر روایتی جاگیردار نہیں ہوں۔ میرے والد نے اپنے زور بازو سے جو کمایا اس سے ایک گاؤں' پھر دوسرا اور تیسرا گاؤں خریدا۔ اسے ایک جاگیر کی شکل دی اور بیوی بچوں کو لے کر وہاں جا بسے۔ میں سی ایس پی کلاس کی طرف نکل آیا اس لئے ان کے ساتھ نہ رہ سکا' ورنہ آج میں بھی وہاں پرسکون زندگی گزار رہا ہوتا۔ تم اس بات سے اندازہ لگاؤ کہ میرے خون میں محبت کی کیسی فراوانی ہے کہ میرے والد نے میری والدہ کی اس خواہش کے احترام میں جاگیر بنا ڈالی کہ وہ کھلے ماحول میں سانس لینا چاہتی تھیں۔ بڑے بڑے صحن والے مکان اور قدرتی آب و ہوا کی بہتات ان کی وہ آرزو تھی جسے پورا کرنے کے لئے میرے والد نے شہروں کا سکھ تیاگ دیا۔ میری رگوں میں اسی باپ کا خون ہے جس کی نظر میں اپنی شریک حیات کی خواہش فرض کا درجہ رکھتی ہے۔ پھر میں کیا تمہارے لئے کچھ کم کروں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں نعمان۔" شائنہ متاثر ہو جانے والے انداز میں بولی۔ "اس کے باوجود میں چاہتی ہوں کہ تمہارے ساتھ ایک اٹوٹ بندھن میں بندھنے سے پہلے کچھ وقت تمہارے پیار' تمہارے جنون کی بانہوں میں گزاروں۔ اسی حسین وقت کی یادیں کل کو ہمارے شادی شدہ زندگی کا سرمایہ ہوں گی جو ہمارے جذبات کو دو آتشہ کر دیا کریں گی۔ کیا میری یہ سوچ بچگانہ ہے نعمان۔ یا مجھے ایسا سوچنے کا حق نہیں ہے؟"

"یہ میں نے کب کہا جان!" نعمان نے جلدی سے کہا۔ اسی وقت ویٹر ان کا آرڈر سرو کرنے آ گیا اور بات رک گئی۔ اس نے میز پر برتن سجائے اور لوٹ گیا۔ تب نعمان نے دوبارہ زبان کھولی۔

"میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم بہت زیادہ دیر نہ کرو۔ پنجابی میں کہتے ہیں 'سوچیں پیا تے بندہ گیا۔' ایسا نہ ہو کہ تم سوچوں میں ڈوبی رہو اور کسی اور طرف سے کمند ڈال دی جائے۔"

"یعنی؟" شائنہ نے کافی کا کپ اس کی طرف سرکا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"امی اور ابو میرے لئے رشتہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"تو تم نے انہیں اپنے اور میرے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"نہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں؟" وہ پریشان سی ہو گئی۔



"اس لئے کہ جب تک تم مجھے لائن کلیر نہیں دیتیں میں ان کو اپنی پسند سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ کل کو تم انکار کر دو تو میں ان کی نظروں میں کیا عزت رکھ پاؤں گا۔"

"پگلے ہو نعمان۔" شائنہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں نے انکار نہیں کیا۔ صرف تم سے کچھ عرصے کی مہلت چاہی ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ شادی سے پہلے کچھ جنون اور کچھ پاگل پن کا دورانیہ چاہتی ہوں اور بس۔"

"تو کیا میں تمہاری طرف سے ہاں سمجھوں۔"

"لکھ کر دے دوں کیا؟" وہ ہنس دی۔

"تو بس۔" نعمان کا لہجہ پرجوش ہو گیا۔ "میں آج ہی انہیں فون کر دیتا ہوں کہ میرے لئے کوئی تلاش و جستجو نہ کریں۔ میں نے اپنی پسند کی لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔"

"ان کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا نعمان؟" آہستہ سے شائنہ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ وہ مجھے اجازت دے چکے ہیں کہ میں اپنی پسند کی شادی کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر دیر نہ کرو نعمان۔ انہیں آج ہی فون کر دو۔ تم نے تو مجھے پریشان کر دیا یہ کہہ کر کہ وہ تمہارے لئے لڑکی دیکھ رہے ہیں۔"

"آج ہی' ابھی گھر جا کر پہلا کام یہی کروں گا۔ تم فکر نہ کرو جان!" نعمان نے کہا اور کافی کا سپ لیا۔

"تم ابھی میرے سامنے فون کیوں نہیں کرتے۔ موبائل پر۔"

"پگلی ہو۔ یہ باتیں اطمینان سے کرنے کی ہوتی ہیں۔ میں نے کہا ناں گھر جا کر پہلا کام یہی کروں گا۔"

"اور اگر تب تک انہوں نے کسی کو پسند کر لیا تو؟"

بے اختیار نعمان کی ہنسی نکل گئی۔

"اب اتنی بھی قیامت نہیں آ گئی کہ دو گھنٹے میں لڑکی وہ میرے پلّے باندھ دیں گے۔"

شائنہ جھینپ گئی۔ اس کی بے تابی اور فکرمندی تو نعمان سے بھی بڑھ گئی تھی۔

"کافی ختم کرو۔" نعمان نے ہنس کر اس کی شرمندگی ختم کرنے کی کوشش کی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ جب ویٹر برتن لے گیا تو نعمان نے سگریٹ سلگا لیا۔

"پھر..... کب دکھا رہے ہو مجھے اپنا آفس؟" شائنہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

"جب تم چاہو۔ وہ کون سا میوزیم ہے جس کے لئے ٹکٹ خریدنا پڑے گا۔ تین کمروں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کا دفتر ہے۔ ایک منٹ میں دیکھ لو گی۔"

"کل آ جاؤں؟"

"آ جاؤ۔" نعمان سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "میں گیارہ بجے کے بعد تقریباً فری ہوں۔ فون کر دینا آنے سے پہلے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ تڑ سے بولی۔ "میں اچانک آؤں گی تاکہ تمہیں اپنی سیکرٹری کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑ سکوں۔"

"میری سیکرٹری۔" نعمان نے قہقہہ لگایا۔ "اگر سفید داڑھی والے پچاس سالہ بابے کے ساتھ رنگ رلیاں منائی جا سکتی ہیں تو بے شک آ کر چھاپہ مار لینا۔"

"کیا مطلب؟ کیا تم نے لیڈی سیکرٹری نہیں پال رکھی؟" شائنہ کے لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"اوں ہوں۔" نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔ "رکھ سکتا ہوں۔ نہیں رکھی۔ ہاں کوئی تم جیسی مل گئی تو سوچوں گا۔"

"میں ہی نہ آ جاؤں؟" وہ سرشاری سے بولی۔

"بعد میں شادی کریں گے تو لوگ کہیں گے، سیکرٹری سے ناجائز تعلقات تھے حمل ٹھہر گیا تو شادی کرنا پڑ گئی۔"

"ہٹ۔" وہ بے طرح شرما گئی۔ نعمان کا قہقہہ بڑا بے اختیار تھا۔

"سیکرٹریوں سے شادی کے نوے فیصد کیس اسی بیک گراؤنڈ کے حامل ہوتے ہیں جان، اور سو فیصد ناکام شادیوں پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔"

"اچھا بس...... اب چلیں۔"

"اتنی جلدی؟"

"ہاں۔ چھٹی کا دن ہے۔ کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔"

"اوکے۔" نعمان نے چٹکی بجا کر ویٹر کو طلب کیا۔ بل چکایا اور دونوں باہر نکل آئے۔

دونوں کی گاڑیاں ایک دوسرے سے زیادہ دور پارک نہیں تھیں۔ نعمان نے اسے گاڑی میں بٹھا کر رخصت کیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

اسی وقت ایک ہاکر اس کے قریب سے چیختے ہوئے گزرا۔ "دھماکہ۔ دی نیکسٹ میں دھماکہ۔ پوری عمارت ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ آج کا تازہ ضمیمہ...... دھماکہ...... نیکسٹ میں دھماکہ۔ اردگرد کی کئی عمارتیں تباہ۔ درجنوں ہلاک۔ سینکڑوں زخمی۔"



چونک کر نعمان نے قدم روک لئے۔ ہاکر اس سے دو قدم ہی آگے گیا تھا کہ اس نے آواز دے لی۔

"اے...... سنو۔"

"جی صاحب!" وہ لپک کر اس کے قریب چلا آیا۔

نعمان نے اس سے ایک اخبار خریدا اور وہ پیسے جیب میں ڈال کر دوبارہ "دھماکہ...... دھماکہ...... دی نیکسٹ میں دھماکہ" چیختا ہوا آگے روانہ ہو گیا۔ نعمان نے گاڑی میں بیٹھ کر اخبار پر نظریں دوڑانا شروع کیں۔

مختصر سا ضمیمہ تھا جس کے مطابق ایک گھنٹہ پہلے پوش ایریا کے سب سے بڑے تجارتی مرکز "دی نیکسٹ شاپنگ پلازہ" کی عمارت میں دھماکہ ہوا تھا۔ دہشت گردی کی اس واردات کے نتیجے میں بلڈنگ ملبے کا ڈھیر بن گئی تھی۔ چھٹی کی وجہ سے دن کے پہلے پہر ابھی زیادہ رش نہیں تھا پھر بھی ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک سو کے لگ بھگ لوگ ہلاک اور ڈھائی سو کے قریب زخمی ہوئے تھے۔ دھماکہ اس قدر شدید تھا کہ اردگرد کی کئی عمارتوں کو بھی خاصا نقصان پہنچا تھا۔ نعمان نے اخبار کا ورق پچھلی سیٹ پر ڈالا اور تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا گھر پر رہنا بے حد ضروری تھا۔ کسی وقت بھی اسے طلب کیا جا سکتا تھا۔

❁❁❁

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



● ● ●

**نعمان ہاشم** کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اس کے گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد اسے دفتر طلب کر لیا گیا۔ تازہ ترین دہشت گردی کی واردات کوئی معمولی واقعہ نہ تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ ایمرجنسی میٹنگ میں وزیر داخلہ سمیت پولیس اور فوج کے اہم شخصیات نے شرکت کی۔ صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ آئندہ اقدامات کے بارے میں ضروری فیصلے کئے گئے۔ فوری احکامات جاری کئے گئے جن کا تعلق دی نیکسٹ کے متاثرین سے تھا۔ اس ساری بھاگ دوڑ میں شام کے چھ بج گئے۔ سردیوں کے دن تھے۔ چھ بجے رات کا سماں طاری ہو گیا۔

ایک ہنگامی ٹیم کے ساتھ نعمان خود جائے واردات پر گیا تھا۔ باریک بینی سے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا گیا۔ تباہی و بربادی کے اس دلدوز منظر پر اس کا دل درد سے چیخ اٹھا۔ اس جی چاہا کہ اگر اس واردات کے ذمہ دار افراد اس کے ہاتھ آ جائیں تو وہ ان کو کتے کی موت مارے..... مگر اس وقت تو وہ سب بالکل بے بس تھے۔ پولیس اپنی معمول کی تحقیقات اور کارروائیوں میں مصروف تھی جو ہمیشہ کی طرح ناقابل اعتبار نتائج پر ختم ہو جاتا تھیں۔

گھر لوٹ کر اس نے شاور لیا۔ ملازم نے کھانا لگا دیا۔ وہ رات کا کھانا بے حد ہلکا جلدی کھا لیا کرتا تھا۔ آج بھی وہ کھانے سے فارغ ہوا تو پونے سات ہو رہے تھے۔

وہ اپنے کمرے میں آیا۔ ٹی وی پر خبریں دیکھیں تو سوا سات ہو گئے۔ ٹی وی آف کے اس نے ٹیلی فون سیٹ اپنی طرف کھسکایا اور گاؤں میں اپنے والد احمد صاحب کو فون کرنے لگا

"ہیلو ڈیڈی۔" رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا۔ "السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام بیٹے۔" دوسری طرف سے احمد صاحب ہی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ "حال ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہوں ڈیڈی۔ آپ سنائیے!"



"یہاں بھی بالکل خیریت ہے۔"

"امی کہاں ہیں؟"

"بلاتا ہوں۔" انہوں نے مدحت بیگم کو آواز دی۔ وہ نعمان کا سن کر لپک کر آئیں۔

"ہیلو۔ نعمان بیٹے۔ کیا حال ہے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں امی۔ آپ کا کیا حال چال ہے؟" وہ خوشدلی سے بولا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"باجو کہاں ہے؟"

"وہ ارسلان کے ساتھ تمہارے بڑے بھائی کے سسرال گئی ہوئی ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے بابا اور بابی گھر میں اکیلے ہیں!" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"بکو مت۔ بے شرم کہیں کے۔" وہ جھینپ گئیں۔ پھر ذرا رک کر بولیں۔ "تمہارے ڈیڈی پوچھ رہے ہیں یہ نیکسٹ میں دھماکے کا کیا چکر ہے؟"

"بس ممی۔ دہشت گردوں نے اندھیر مچا رکھا ہے۔ پانچ سو کے قریب افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ بلڈنگ تو ملبے کا ڈھیر ہو گئی۔"

"اللہ غارت کرے ان ظالموں کو۔ بے گناہ لوگوں کی جانیں لیتے ہوئے ان کے دل بھی نہیں کانپتے۔"

"ان کے سینوں میں دل نہیں ہوتے امی۔ ورنہ وہ ایسی ظالمانہ کارروائیاں کریں ہی کیوں؟ بہرحال چھوڑیے۔ یہ دکھ بھری داستانیں تو اب روز کا معمول بنتی جا رہی ہیں۔ آپ کہئے امیر بھائی کیسے ہیں؟"

"آج صبح اس کا فون آیا تھا۔ ابھی تک دبئی ہی میں ہے۔ شاید دو تین دن تک لندن کے لئے روانہ ہو گا۔"

"اللہ انہیں کامیاب کرے امی۔"

"آمین۔"

"اچھا امی۔ ایک اڑتی اڑتی خبر ملی تھی کہ آپ میرے لئے کوئی لڑکی وڑکی تلاش کر رہی ہیں؟"

"تو کیا نہ کروں؟ کنوارا رہے گا زندگی بھر؟"

"نہیں نہیں۔ میرا مطلب تو یہ تھا کہ کوئی چڑیا ہاتھ لگی کہ نہیں؟"

"ہاں۔ ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔ لڑکی ایم اے پاس ہے۔ درمیانے طبقے کے

لوگ ہیں مگر شریف بھی ہیں اور عزت دار بھی۔"

"لڑکی کا کیا نام ہے امی؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"کوثر..... کوثر صدیقی!"

"آپ نے لڑکی دیکھ لی؟" اس کی آواز مدھم ہوگئی۔

"ابھی نہیں۔ وہ لوگ کراچی میں ہیں۔ تقریباً ایک ماہ بعد یہاں آئیں گے تو دیکھوں گی۔ ابھی تو صرف اشاروں کنایوں میں بات چیت ہوئی ہے۔"

"امی..... ایک بات کہوں!"

"ہاں ہاں۔ کہو۔ خیریت ہے ناں!"

"ہاں امی۔ خیریت ہی ہے۔ میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ ابھی آپ میرے لئے کوئی رشتہ نہ دیکھیں۔"

"کیوں۔ وہاں شادی کر لی کیا؟" اس کی والدہ نے جلدی سے پوچھا۔ ان کی آواز میں بے تابی جھلک رہی تھی۔

"نہیں امی۔ ابھی نہیں۔ ابھی تو صرف لڑکی دیکھی ہے۔"

"لڑکی دیکھی ہے۔ کون ہے؟ کیسی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ کس کی بیٹی ہے؟ کہاں کے لوگ ہیں؟ خاندان کیا ہے؟"

"بس امی بس۔" وہ گھبرا گیا۔ "آپ تو ایک ہی سانس میں اتنے سوال کر گئیں۔ ابھی میں لڑکی کے بارے میں پوری تفصیلات نہیں بتا سکتا۔ بعد میں فون کروں گا۔ آپ سے صرف یہ کہنا تھا کہ میرے لئے فی الحال لڑکی کی تلاش ترک کر دیں۔ ہوسکتا ہے میں اس لڑکی سے شادی کا فیصلہ کر لوں۔ اگر ایسا ہوگیا تو جو لڑکی آپ دیکھیں گی ان کو انکار کرنا برا لگے گا۔ اس لئے فی الحال اس مہم کو ترک کر دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر کتنا عرصہ یہ التوا کی حالت طاری رہے گی؟"

"یہی۔ دو تین مہینے۔"

"دو تین مہینے۔" وہ بڑبڑائیں۔ "اچھا ٹھیک ہے۔ میں سنبھال لوں گی۔ تمہارے ڈیڈی سے مشورہ کر کے کوئی ایسا لائحہ عمل اختیار کریں گے کہ بات بگڑے بھی نہیں اور دل بھی کسی کا برا نہ ہو۔"

"تھینک یو امی۔" وہ خوش ہوگیا۔ "بہرحال یہ طے ہے کہ اگر میں نے شائنہ سے شادی کا فیصلہ ترک کر دیا تو اس کے بعد آپ کی پسند ہی میری پسند ہوگی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"شائنہ۔" اس کی والدہ نے دہرایا۔ "کیا یہ اس لڑکی کا نام ہے جس سے تو....."

"جی امی۔" وہ جلدی سے بولا۔

"اگر وہ لڑکی تجھے پسند ہے تو بیٹا اس میں دیر کس بات کی ہے؟"

"دیر میری طرف سے نہیں ہے امی۔" وہ کہہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "میں پھر فون کروں گا امی۔ تفصیل سے بتاؤں گا۔ فی الحال اتنا ہی۔ اچھا۔ اللہ حافظ۔ ڈیڈی سے میرا سلام کہئے گا۔"

پھر اس نے جواب میں "اللہ حافظ بیٹے" کے الفاظ سنے اور کریڈل دبا دیا۔

فون سیٹ ایک طرف ڈال کر وہ بستر پر نیم دراز ہوگیا اور اپنی اور والدہ کی گفتگو پر غور کرنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ غیر اختیاری طور پر اس نے والدہ کو اپنے شادی کے قطعی فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کے لاشعور میں شاید اب بھی یہ خوف پنہاں تھا کہ کل کو شائنہ اس سے شادی سے انکار نہ کر دے۔ اس بات پر وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہاں جس دن وہ اسے یہ کہہ دے کہ نعمان! چلو۔ شادی کر لیں' اس دن وہ ماں باپ کو اپنے قطعی فیصلے سے آگاہ کر دے گا۔ حالانکہ آج صبح اسے شائنہ نے یہ دلاسہ دے دیا تھا کہ وہ اس سے شادی کے لئے تیار ہے مگر درمیان میں جو دو تین ماہ کا وقفہ تھا وہ کسی بھی ایسی صورتحال کو جنم دے سکتا تھا جو اس اقرار کو انکار میں بدل دے۔ ہاں۔ اگر اس نے اس دو تین ماہ کے وقفے کے بجائے سیدھا سیدھا شادی کے لئے اقرار کر لیا ہوتا تب وہ ضرور اپنی والدہ کو شادی کے لئے اپنی پسند کے فیصلے سے آگاہ کر دیتا۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ اس میں اب تک کی گفتگو کے حوالے سے کوئی بے اطمینانی یا پچھتاوے کا احساس موجود نہ تھا۔ یہ سکون کا لمحہ اسے اچھا لگا۔ اس نے سائڈ ٹیبل لیمپ جلایا۔ ٹیوب لائٹس آف کیں۔ کمبل کو ٹانگوں پر پھیلایا اور سرہانے رکھی کتاب اٹھا کر مطالعے میں محو ہوگیا۔

❁❁❁

ایشور داس اور شائنہ اس وقت مکان کے تہہ خانے میں موجود تھے۔ یہ ایک بیس ضرب بیس کا کمرہ تھا جس میں جنوبی دیوار کے ساتھ ہنومان کا ایک قد آدم بت رکھا تھا۔ بت ایسی مہارت سے بنایا گیا تھا کہ ایک نظر میں وہ زندہ بندر لگتا تھا۔ بت کے قدموں میں ایک بڑی طشتری میں گلاب اور موتیے کے پھول پڑے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اگردان میں اگربتیاں سلگ رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس بت کے عین بالمقابل شمالی دیوار کے ساتھ ایشورداس آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے بدن پر حسب سابق ایک دھوتی تھی اور بس۔ اس نے گلے میں بڑے بڑے منکوں کی مالا پہن رکھی تھی ماتھے پر بڑا سا سیندور کا تلک لگا رکھا تھا۔ دونوں بازوؤں پر سیندور سے لال سانپ کاڑھ رکھے تھے۔ اس کے سامنے ایک تھالی میں سات لڈو اور سات ہی پان کے بیڑے پڑے تھے۔

شائنہ کو اس نے اپنے بائیں ہاتھ بٹھا رکھا تھا۔ شائنہ کے بدن پر ایک لمبا چغہ تھا جس کا ایک ہی بند تھا۔ اگر وہ بند کھول دیا جاتا تو چغہ ایک جھٹکے میں اس کے بدن سے اتر جاتا اور اس کا صندلیں بدن چمچماتا ہوا کمرے میں ہزار پاور کے بلب کی طرح روشنی بکھیرنے لگتا۔

"میری بات دھیان سے سن لو۔" ایشورداس نے شائنہ کی طرف دیکھا تو وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ کمرے کا ماحول خاصا دہشت زدہ کر دینے والا تھا مگر وہ جی کڑا کر کے ایشورداس کے ساتھ عمل میں شریک ہو چکی تھی۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اس نے بدن کے ساتھ ساتھ دل اور دماغ کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔

"میں نے اپنے اور تمہارے گرد حصار کھینچ دیا ہے۔ کمرے کا پون حصہ ہمارے تصرف میں ہے۔ چوتھائی حصے میں ہنومان جی اور ان کے بیر براجمان ہوں گے۔ میں عمل شروع کروں گا۔ اس دوران یہاں جو کچھ بھی ہو جائے' آندھی آئے' طوفان بپا ہو' زلزلہ آئے۔ قتل و غارت ہو' تم قطعاً خوفزدہ نہ ہونا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ حصار سے نکل گئیں تو میں تمہاری موت کا ذمے دار نہیں ہوں گا اور موت بھی ایسی جو تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ اگر تم حصار میں نہ رہیں تو ہنومان جی یا تو تمہیں کچا چبا جائیں گے یا اپنے گرز سے تمہارے چیتھڑے اڑا دیں گے۔ یہ سب میں تمہیں خوفزدہ کرنے کے لئے نہیں کہہ رہا بلکہ چاہتا ہوں تم میری بات کی اہمیت کو سمجھو اور بلا خوف و خطر میرے پاس بیٹھی رہو۔ زیادہ خوف آئے تو آنکھیں بند کر لینا مگر اپنی جگہ مت چھوڑنا۔"

ایک پل کو ایشورداس رکا۔

"اور دوسری بات؟" اس نے شائنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جس وقت میں اشارہ کروں میرے سامنے آ کر اپنا یہ چغہ اتار دینا۔ بس' اس کے بعد تمہارا کوئی کام نہیں۔ سمجھ گئیں۔"

شائنہ نے اثبات میں سر ہلایا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر ان کو تر کرنے لگی۔

"تم تو ابھی سے بے حال ہو رہی ہو۔ آگے تمہارا کیا بنے گا؟" ایشورداس تشویش



سے بولا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ یہ ماحول میرے لئے اجنبی ہے اور خوف زدہ ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ تاہم میں آپ کی ہدایات پر کاربند رہوں گی۔" شائنہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"شاباش۔" ایشورداس نے شائنہ کو بھوکی نظروں سے دیکھا۔ چغے کا گریبان خاصا کھلا تھا جس میں سے اس کا توانا سینہ جھلملا رہا تھا اور ایشورداس کے لئے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد ایشورداس نے اپنے پیچھے دیوار میں لگے سوئچ بورڈ پر ایک بٹن دبا دیا۔ کمرے میں ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ ٹیوب لائٹس بجھ گئیں۔ اگلے ہی لمحے یہ اندھیرا نیم اندھیرے نیم اجالے کے امتزاج میں بدل گیا۔

ہنومان کے بت کے قدموں میں اگربتیوں کے ساتھ ہی شمعدان رکھا تھا جس میں ایک ہی موم بتی جل رہی تھی۔ اس کی زرد روشنی نے تہہ خانے کی دیواروں کو چندھی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور لرز کر رہ گئی۔ دیواروں پر سیاہ پینٹ کیا ہوا تھا جو اس کی زرد روشنی کو یوں چاٹ رہا تھا جیسے یاجوج' ماجوج دیوار عنقا کو!

شائنہ نے سہمی ہوئی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہنومان کا بت اس کے بالکل سامنے تھا۔ وہ اپنی بڑی بڑی چمکیلی آنکھوں سے اسے یوں گھور رہا تھا جیسے اگلے ہی پل اس پر جھپٹ پڑے گا۔

گھبرا کر اس نے ہنومان کے چہرے سے آنکھیں ہٹا لیں اور ایشورداس کی طرف دیکھا جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"میں عمل شروع کرنے جا رہا ہوں۔ کچھ پوچھنا ہو تو ابھی پوچھ لو۔ درمیان میں تمہاری کسی بات کا جواب نہ دے سکوں گا۔"

"آپ عمل شروع کریں۔ میں کچھ پوچھنا نہیں چاہتی۔" شائنہ نے جواب دیا اور اس کے چہرے سے نظریں پھیر لیں۔

ایشورداس نے ایک طویل سانس لی۔ پھر اس نے ہنومان کے بت پر نظریں جما دیں اور اس کے ہونٹ لرزے۔

"جے ہنومان..... جے کالی..... جے ہنومان اندر سبھا کلتونی۔"

اس نے عجیب و غریب الفاظ پر مشتمل ایک مختصر جاپ شروع کر دیا۔ اس کی آنکھیں براہ راست ہنومان کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں۔ شمع کی کمزور اور زرد لو ایک دم تناور ہوگئی مگر کمرے میں روشنی زیادہ ہونے کے بجائے اور کم ہوگئی تھی۔ اندھیرا گہرا ہو گیا اور اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ساتھ ہی ایشورداس کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ اس کی پاٹ دار آواز شائنہ کے حواس پر کوڑے برسا رہی تھی۔ خوف لمحہ بہ لمحہ اس کی رگوں میں سرایت کرتا جا رہا تھا۔ ایک دم ہی اسے محسوس ہونے لگا کہ تہ خانے میں ان دونوں کے علاوہ اور بھی بے شمار ذی روح موجود ہیں مگر..... وہ ان کو دیکھ نہ سکتی تھی۔ ان کے ہونے کا احساس چیں چیں اور خوخو کی وہ آوازیں تھیں جو اس حصے میں ابھر ڈوب رہی تھیں جہاں ہنومان کا بت تھا۔ بت سے تقریباً دو فٹ آگے ایشورداس نے زرد رنگ سے شمالاً جنوباً دیوار سے دیوار تک ایک لکیر کھینچ دی تھی۔ شاید یہی وہ حصار تھا جس کے پار ہنومان اور اس کے وہ بیر موجود تھے جن کے بارے میں ایشورداس نے اسے بتایا تھا۔

دھیرے دھیرے یہ آوازیں متشکل ہونے لگیں۔ ہیولے سے فضا میں اڑنے لگے۔ سیاہ' سفید' براؤن رنگ کے ہیولے جو فضا میں ادھر سے ادھر تیرتے پھر رہے تھے۔

شائنہ ایشورداس کی غیر فطری اور پھٹے ڈھول جیسی آواز سن رہی تھی اور ان ہیولوں کو ڈری ڈری نظروں سے دیکھ رہی تھی جو آہستہ آہستہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔

پھر ایک دم اس کا سانس رک گیا۔

وہ ہیولے ایک جھٹکے کے ساتھ وجود اختیار کر گئے تھے۔

''بندر۔'' اس کے دماغ میں دھماکہ سا ہوا۔

ہاں۔ وہ بڑے چھوٹے مختلف رنگوں کے بندر تھے جو ہنومان کے بت اور اس کے اردگرد ہر جگہ ظاہر ہوتے جا رہے تھے۔ شائنہ اب ان کو صاف دیکھ سکتی تھی۔ وہ بندر ہی تھے جو چیں چیں کرتے اور خوخیاتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ تعداد میں بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ گھبرا کر اس نے ایشورداس کی طرف دیکھا تو ڈر کر سمٹ جانا پڑا۔ ایشورداس کا چہرہ خوفناک حد تک بگڑ چکا تھا۔ اس کا سیاہ رنگ یوں چمک رہا تھا جیسے اس پر کسی نے پالش کر دی ہو۔ آنکھیں ابل کر باہر نکل آئی تھیں۔ رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے مسلسل بآواز بلند جاپ کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹ دائیں بائیں کھنچ گئے تھے۔ زبان دانتوں سے باہر لٹک رہی تھی اور بدن سے ایسی تپش خارج ہو رہی تھی جو شائنہ کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ بادل نخواستہ اس سے ذرا پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

اچانک چیں چیں کی تیز آوازوں نے اسے ڈرا دیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے آوازیں بالکل اس کے کانوں کے پاس سے ابھری ہوں۔ اس کے حلق سے ڈری ڈری چیخ نکل گئی۔ سہم کر اس نے پہلے اپنے دائیں بائیں پھر سامنے دیکھا۔ بندر اب بڑی بڑی جسامت کے ہو



گئے تھے۔ عام بندروں سے دو دو تین گنا بڑے۔ وہ اسے بڑی شیطانی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ عجیب عجیب اشارے کر رہے تھے۔ اس نے ان کے اشاروں پر غور کیا تو کٹ کر رہ گئی۔ وہ اسے بڑے فحش انداز میں اپنی طرف بلا رہے تھے۔ گھبرا کر اس نے ان سے نظریں ہٹائیں اور ہنومان کے بت کی طرف دیکھا۔ بس۔ اس کا یہ دیکھنا ہی غضب ہو گیا۔ ایک دم ہنومان کے بت میں جیسے جان پڑ گئی۔

اس نے اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر جمائی لی اور تہہ خانے میں اس کی زوردار آواز کے ساتھ دوسری آواز جو ابھری وہ خوفزدہ شائنہ کی تھی جو اسے پتھر کے بت سے زندہ وجود میں ڈھلتے دیکھ کر چلا اٹھی تھی۔

اسی وقت ایشورداس نے ہاتھ بڑھا کر شائنہ کی کلائی تھام لی۔ لرزتی ہوئی شائنہ کو لگا جیسے کسی آگ کے دہکتے ہوئے حلقے نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو مگر اس اذیت کے احساس کے ساتھ ہی دوسرا اثر یہ ہوا کہ ایک دم اس کے دل و دماغ سے خوف اور دہشت کا خاتمہ ہو گیا۔ بدن کا لرزہ دم توڑ گیا اور وہ اپنی جگہ پر ٹھہر گئی۔ ورنہ تو وہ شاید اپنی جگہ سے اٹھ دوڑتی۔

گردن گھما کر اس نے ایشورداس کی جانب دیکھا جو ایک ہاتھ سے اسے تھامے ہوئے اب بھی اپنی پھٹے بانس جیسی آواز میں مسلسل جاپ کئے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ بگڑ گیا تھا اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنا محال ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت انسان نہیں' کوئی خبیث اور جہنمی مخلوق لگ رہا تھا۔ اس کی نظریں ہنومان کے زندہ وجود پر جمی تھیں جو بڑی دلچسپ نظروں سے ایشورداس اور شائنہ کو گھور رہا تھا۔

اچانک جیسے ہنومان کو بھوک لگ گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اس کے چاروں طرف بندر ہی بندر تھے۔ چھوٹے بڑے رنگ برنگے بندر۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک بندر کو اٹھایا۔ بھاڑ سا منہ کھولا اور اسے زندہ چبا گیا۔

شائنہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ خوف تو اب اس کے دل و دماغ سے دور ہو چکا تھا مگر طبیعت متلا گئی۔ ایشورداس نے اب بھی اس کی کلائی تھام رکھی تھی اور وہ اس کے بدن کی تپش کی اذیت اب بھی محسوس کر رہی تھی۔

ایک کے بعد دوسرا' دوسرے کے بعد تیسرا' ہنومان مسلسل بندر ہڑپ کئے جا رہا تھا۔ بندر اس سے بچنے کے لئے ادھر ادھر چھلانگیں لگا رہے تھے۔ چیخ رہے تھے۔ خوخیا رہے تھے مگر وہ جس طرف ہاتھ بڑھاتا کوئی نہ کوئی بندر اس کے ہاتھ لگ ہی جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شائنہ حیرت سے تکتی رہی۔

ہنومان بندر چباتا اور نگلتا رہا۔

ایشورداس کا جاپ جاری تھا۔

حتّٰی کہ وہاں صرف ایک بڑا سا بندر رہ گیا جو موت کے خوف سے لرز رہا تھا۔

ہنومان چند لمحے اس قوی الجثہ بندر کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"اب کسے کھاؤں؟" ایک غراہٹ کمرے میں ابھری۔ شائنہ کو لگا جیسے کمرے م
ہزاروں بدروحیں ایک ساتھ چیخ اٹھی ہوں۔

"مجھے کھانے سے فائدہ؟" بندر بدک کر پرے چلا گیا۔ "اتنے بیر کھا کر بھی تم بھو
کے بھوکے ہو۔ میں بھی تمہارا ایک بیر ہوں۔ مجھے کھا کر بھی تمہارا بھلا نہیں ہوگا۔"

"پھر کسے کھاؤں؟" ہنومان دوبارہ غرایا۔

"اسے کھا جاؤ۔" بوڑھے بندر نے شائنہ کی طرف اشارہ کیا۔

شائنہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے گھبرا کر ایشورداس کی طر
دیکھا جو اپنا جاپ روک چکا تھا اور اپنے مسخ شدہ چہرے کے ساتھ ہنومان کی طرف ایک
دیکھے جا رہا تھا۔

"اسے؟" ہنومان نے اپنا بالوں بھرا بازو شائنہ کی طرف دراز کیا۔

"ہاں...... بڑی مزیدار شے ہے۔" جوان بندر نے آنکھیں مچکا کر کہا۔

شائنہ تڑپ کر ایشورداس کے پہلو میں سمٹ گئی۔ ایشورداس نے اس کی کلائی چھو
اور اس کا شانہ تھپکا۔ اس نے اب تک ایک بار بھی شائنہ کی طرف دیکھا نہ تھا۔ شائنہ کو اس
تھپکی نے حوصلہ دیا اور وہ اس کے سینے سے لگی لگی ہنومان کی طرف دیکھنے لگی جو بڑی
نگاہوں سے شائنہ کو گھور رہا تھا۔

"جے ہنومان...... جے کالی...... جے ہنومان۔" تین بار ایشورداس نے دہرایا
نعرے لگا رہا ہو پھر اس نے اپنے آگے پڑی پلیٹ میں سے ایک لڈو اٹھایا اور ہاتھ آگے
ہنومان نے شائنہ پر سے نظریں ہٹائیں اور ایشورداس کی طرف دیکھا۔

"کیا ہے یہ؟" وہ انجان پن سے بولا۔

"بھوجن۔" ایشورداس نے جواب دیا۔

"لا۔" اس نے اپنا بڑا سا منہ کھول دیا۔

ایشورداس نے لڈو اس کے منہ کی طرف اچھال دیا۔ لڈو ہوا میں اڑتا ہوا ہنو



منہ میں جا پڑا۔ اس نے لڈو نگلا اور سر ہلا کر ایشورداس کی طرف دیکھا۔

"اچھا ہے۔ مگر یہ اس سے بھی اچھی ہوگی۔" ہنومان نے شائنہ کی طرف دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔

شائنہ پھر سہم گئی۔ شمع کی لو مزید تیز ہوگئی۔ روشنی اور کم ہوگئی۔ اندھیرا اور بڑھ گیا۔

"ایک اور سواد بھی ہے۔" ایشورداس نے اسے مخاطب کیا۔

"لا...... وہ بھی لا......" ہنومان نے اس کی طرف دیکھا۔

ایشورداس نے پان کا ایک بیڑا اٹھایا اور ہنومان کی طرف پھینک دیا۔

ہنومان نے پھر اپنا منہ کھولا اور بیڑا ٹھیک اس کے منہ میں جا گرا۔ اس نے دو چار مرتبہ جبڑے چلائے اور مزے لے لے کر پان نگل گیا۔

"واقعی...... یہ سواد تو اور بھی بڑھیا ہے۔"

"تو بھوجن سویکار ہوا۔" ایشورداس نے پوچھا۔

"ہاں...... کتنے دن کی کایا کلپ ہے۔" ہنومان نے بچوں کی طرح پوچھا۔

"سات دن کی!" ایشورداس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" ہنومان نے کہا اور اچانک ہاتھ بڑھا کر اس بندر کو دبوچ لیا جو ان دونوں کی باتیں سننے میں محو ہو گیا تھا۔ اس کی چیں چیں نے اس وقت دم توڑ دیا جب ہنومان نے اسے اپنے قدموں میں پٹخ دیا۔ وہ بالکل ساکت ہو کر ایشورداس اور شائنہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ہنومان نے ایک زوردار ڈکار لیا۔ پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ایشورداس کی طرف دیکھا۔

"ناغہ تو نہیں ہوگا۔"

"نہیں۔" ایشورداس نے جواب دیا۔

"اور اگر ہوا تو؟"

"تو تمہیں اختیار ہے کچا چبا جانے کا۔"

"ٹھیک ہے...... آرمبھ کر۔" ہنومان نے کہا اور ایشورداس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"جے ہنومان۔" ایشورداس نے ایک 'ند بانگ نعرہ لگایا اور بیٹھے بیٹھے سجدے میں چلا گیا۔ سر کو فرش پر بار بار رگڑتے ہوئے وہ جے ہنومان جے ہنومان کے نعرے لگا رہا تھا۔

شائنہ اسے اور کبھی ہنومان کو سہمی سہمی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے بعد ایشورداس نے سر اٹھایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہنومان نے ہاتھ اٹھا کر جیسے اسے آشیرواد دی۔ ''جے ہو۔'' اس کے ہونٹوں سے بڑی خوفناک غراہٹ نکلی۔

اس کے ساتھ ہی شمع کی لو تقریباً ایک فٹ بلند ہوگئی۔ کمرے میں اندھیرے کا طوفان آ گیا۔ ہر شے تاریکی میں غرق ہوتی چلی گئی۔ شائنہ کو اب ایشورداس بھی ایک ہیولہ سا لگ رہا تھا۔

ایشورداس اٹھ گیا۔ دوزانو بیٹھ کر اس نے ایک بار ہنومان کی آنکھوں میں دیکھا۔ دو سیاہ لکیریں ہنومان کی آنکھوں سے نکلیں اور فضا میں تیرتی ہوئی ایشورداس کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ ٹکرائیں کیا' اس کی آنکھوں میں جذب ہوتی چلی گئیں۔ جونہی لکیروں نے دم توڑا ایشورداس نے شائنہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''شائنہ۔ سامنے آ جاؤ۔'' اس کی آواز سن کر شائنہ ساری جان سے لرز گئی۔ اسے لگا جیسے یہ آواز ایشورداس کی نہیں اس بندر کی ہو' جو ہنومان کے قدموں میں پڑا تھا۔

''شائنہ۔'' دوبارہ وہی غراہٹ ابھری تو وہ چونک پڑی۔ اسے ایشورداس کی کہی ہوئی باتیں یاد آ گئیں۔ فوراً ہی اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ ایشورداس کے سامنے آئی اور ایک جھٹکے سے چغہ اتار پھینکا۔

ایشورداس کے ہاتھ اس کے برہنہ کندھوں پر آ جمے۔ پھر وہ اس پر چھاتا چلا گیا۔

شمع کی لو پھڑ پھڑائی اور دم توڑ گئی۔

اگر شائنہ دیکھ پاتی تو وہ یہ جان کر حیرت اور خوف سے شاید مر جاتی کہ ہنومان دوبارہ بت میں ڈھل چکا تھا اور..... اس کے برہنہ شانوں پر جو ہاتھ آ جمے تھے وہ بالوں بھرے تھے بالکل ویسے ہی جیسے ہنومان کے قدموں میں پڑے اس بندر کے تھے جو اب وہاں موجود نہیں تھا۔ اور ایشورداس کی آواز ہی نہیں شکل وصورت بھی اس بندر کے سانچے میں ڈھل چکی تھی۔

مگر.....

وہ یہ سب کیسے جان پاتی۔

لذت کا ایک طوفان تھا جس میں وہ چند ہی لمحوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتی چلی گئی۔ تہ خانے میں صرف غراہٹوں' اکھڑے اکھڑے سانسوں اور خوخیانے کی آوازیں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں..... شائنہ ہوش و حواس سے بیگانہ مدہوشی کے انجانے جہانوں کی سیر کر رہی تھی جہاں کوئی احساس' کوئی اذیت' کوئی آواز اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو پا رہی تھی۔

❁❁❁



❁❁❁

**ایشورداس** جب سے پروین کو دم کر کے گیا تھا اسے اپنی حالت میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے بدن سے کوئی شے خارج ہوگئی ہو۔ کوئی وزن دار شے اس کے حواس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ اسے اپنا جسم ہلکا ہلکا لگ رہا تھا۔ ایک بوتل میں اس کا دم کیا ہوا پانی تھا جسے سات دنوں میں ختم کرنا تھا۔

ایشورداس نے عاتکہ سے بیس ہزار روپے لے کر یوں کرتے کی جیب میں ڈال لئے تھے جیسے اس کے لئے وہ بیکار کاغذ کے ٹکڑے ہوں۔ بعد میں نصیر نے بڑے اصرار سے محمود کو وہ روپے دیئے ورنہ وہ لینے پر راضی نہ تھا۔

سہ پہر کے وقت عاتکہ اور محمود سے رخصت ہو کر نصیر اور پروین گھر لوٹے۔ بیگم جواد نے ان کو خوش خوش لوٹتے دیکھا تو ایک لمحے کے لئے انہیں اپنے آپ پر شرم آئی۔ واقعی اولاد تو اللہ کی دین ہے۔ جب اسے دینا ہوگی دے دے گا' وہ ایک فضول ضد کے لئے کیوں اپنے بیٹے اور بہو میں دراڑ پیدا کرنا چاہ رہی تھیں۔ جب وہ دونوں میاں بیوی خوش تھے تو انہیں کیا حق تھا وہ بیٹے کی دوسری شادی کے لئے ہاتھ پاؤں مارتیں۔

خیالات کی ایک یلغار تھی جس نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کبھی انہیں خیال آتا کہ اگر واقعی دوسری بیوی سے بھی نصیر کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو؟ کبھی وہ سوچتیں جب ان دونوں کے میڈیکل چیک اپ کی رپورٹ بھی پازیٹو ہے تو پھر یہ دیر تو قدرت کی طرف سے ہی ہے۔ وہ اس میں کیا کر سکتی ہیں۔

ان کا دل نرم ہونے لگا۔ انہیں اپنی کوششوں پر ندامت ہونے لگی۔ پروین نے کبھی انہیں ماں سے کم درجہ نہیں دیا تھا۔ انہوں نے بھی کبھی پروین کو بہو نہ سمجھا تھا ہمیشہ بیٹی کی طرح رکھا تھا۔ پھر یہ کیا ہوا کہ ایک دم پوتے پوتی کی آرزو میں بے تاب ہو کر وہ پروین کو سوکن کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



زخم دینے کے لئے تیار ہوگئیں۔

"نہیں نہیں۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" وہ بے خیالی میں بڑبڑائیں۔ "جب اللہ دونوں خوش ہیں تو میں کیوں ان کی زندگیوں میں زہر گھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جب اللہ کو منظور ہوگا' پوتا پوتی بھی ہو جائے گا۔ مجھے اس سے دعا کرتے رہنا چاہیے اور بس۔" بے اختیار ان کے ہونٹوں پر "استغفار" کے الفاظ آ گئے۔ یوں جیسے بھٹکے ہوئے کسی شخص کو دوبارہ رجوع الی اللہ کی توفیق مل گئی ہو۔ انہوں نے مصلے پر بیٹھے بیٹھے سر سجدے میں رکھ دیا اور بے اختیار ہچکیاں لے لے کر رونے لگیں۔

ندامت کا یہ وہ انداز تھا جو رب ذوالجلال کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ وہ اپنے کئے شرمندہ تھیں۔ اپنے رب سے معافی مانگ رہی تھیں۔ اس کی رحمتوں کو پکار رہی تھیں۔ اس سے ثابت قدمی کی بھیک مانگ رہی تھیں اور سچے دل سے پکارنے والوں کو تو وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔

کتنی ہی دیر گزر گئی۔ تب ان کے دل کو قرار آیا۔ انہوں نے سر اٹھایا۔ سجدے کی جگہ یوں تر بتر ہو رہی تھی جیسے کسی نے وہاں گلاس بھر پانی انڈیل دیا ہو۔

"یا اللہ..... مجھے معاف کرنا۔ مجھے ہمت' حوصلہ اور صبر دے۔ صدقہ نبی کریم ﷺ کے آمین۔" انہوں نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور مصلے سے اٹھ گئیں۔

مصلا تہ کر کے ایک طرف رکھا۔ پلٹیں اور ٹھٹک گئیں۔ دروازے کے پاس پروین کھڑی رو رہی تھی۔ نصیر سر جھکائے سسک رہا تھا۔

"نصیر..... پروین..... کیا ہوا میرے بچو؟" وہ بے تابی سے ان کی طرف بڑھیں۔

"امی..... امی۔" وہ دونوں لپک کر آگے بڑھے اور بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئے۔ ہچکیاں تھیں کہ تھم نہ رہی تھیں۔ آنسو تھے کہ چھاجوں برس رہے تھے۔ الفاظ تھے کہ "امی" کے سوا کوئی اور آواز نہ دے رہے تھے۔

"ارے مجھے بتاؤ تو..... کیا ہوا۔ کیوں روئے جا رہے ہو؟" وہ ان کے سر منہ چومتے ہوئے کہے جا رہی تھیں۔ "کچھ تو بتاؤ ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ کیوں رو رہے ہو تم؟"

امی..... امی....." پروین نے ان کا چہرہ ہاتھوں میں بھر لیا۔ "آپ جو رو رہی تھیں۔"

"ہاں امی۔ آپ رو رہی تھیں تو ہم....." نصیر نے کہا اور پھر رو پڑا۔

"ارے۔" ایک دم ان کا دل درد سے بھر گیا۔ ان کو لگا جیسے وہ ابھی دم دے دیں گی۔ ان کی پروین اس لئے رو رہی تھی کہ وہ رو رہی تھیں۔ ان کا نصیر اس لئے ہچکیاں لے رہا تھا



وہ آنسو بہا رہی تھیں۔ اور وہ اپنے ساتھ رونے والوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ جو ان کے ساتھ ہنستے تھے' ان کے ساتھ روتے تھے۔ ان کے سانس کے ساتھ سانس لیتے تھے' وہ ان میں دراڑ پیدا کرنے جا رہی تھیں۔ اس ظلمت بھرے دور میں ایسی بہو اور ایسا بیٹا کسے نصیب تھا جو ان پر اس طرح جان وارتے ہوں..... میرے اللہ! میں کیسی نادانی کر رہی تھی۔ کیسی جہالت کے ہاتھ بک گئی تھی۔

"ارے..... تم اس لئے رو رہے تھے کہ میں رو رہی تھی۔ ہاں۔" انہوں نے دونوں کو اپنے ساتھ بھینچ لیا اور ایک بار پھر ان کی آنکھیں برس پڑیں۔ "تم میرا رونا ایک پل کے لئے برداشت نہ کر سکیں پروین..... اور میں عمر بھر کا رونا تمہارے پلے باندھنے جا رہی تھی..... کیسی بے وقوف ہوں میں۔"

"ایسا نہ کہئے امی۔ ایسا نہ کہئے۔" پروین نے اس کے آنسو پونچھے۔ "آپ کا جو جی چاہے کیجئے مگر روئیے مت۔ آپ کو پتہ ہے' آپ ہی میری ماں ہیں آپ ہی میرا باپ۔ آپ کو رلا کر میں کون سا سکھ پاؤں گی۔ آپ نصیر کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں ناں۔ کر دیجئے۔ میں دل سے کہہ رہی ہوں۔ آپ نصیر کی دوسری شادی کر دیجئے۔ میں اف نہ کروں گی مگر آپ روئیے مت۔ آپ کا رونا میرے دل میں چھید کر رہا ہے امی۔"

"پگلی۔ اپنے ہاتھ سے میرے ہاتھ میں خنجر تھما کر کہہ رہی ہے' میں اس سے اپنی بیٹی' اپنی پروین کو قتل کر دوں۔ اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لوں۔ نہ بیٹی نہ۔ میں بہک گئی تھی۔ اپنی دو پل کے خوشی کے لئے تمہاری خوشی چھیننے جا رہی تھی۔ یہ تو میرے اللہ نے مجھے بچا لیا۔ مجھے عقل دے دی اور میں ایک بڑا ظلم کرنے سے بچ گئی۔ میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرا گھر برباد ہونے سے بچا لیا۔" وہ پروین اور نصیر کو پیار کرتے کرتے بے حال ہو گئیں۔

نصیر نے ان کو بستر پر بٹھایا اور دونوں میاں بیوی نیچے قالین پر ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ بچوں کی طرح ان کی گود میں سر رکھے وہ دونوں یوں آنکھیں موندے پڑے تھے جیسے دنیا جہان کا سکون ان پر نچھاور ہو رہا ہو۔ بیگم جواد ان کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ ان کے چہروں کو چھو رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں اب بھی نم تھیں مگر چہرے پر ایک ایسا نور برس رہا تھا جو ایک ماں ہی کا خاصا ہے۔ ایک ماں اپنے بچوں کو اس محبت اور شفقت کے دامن میں سمیٹے بیٹھی تھی جو اللہ کی رحمانیت اور کریمی سے مشتق ہے۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وہ چاروں ایشورداس کے سامنے یوں ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے جیسے طالب علم اپنے استاد کے سامنے۔ ایشورداس نے ان کے لئے بازار سے چائے منگوائی۔ ساتھ بسکٹ اور فروٹ کیک تھا۔ وہ چائے پی چکے تھے۔ سودا برتن لے جا چکا تھا۔ ایشورداس نے ان چاروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی اور ہولے سے مسکرایا۔

"جی۔ اب فرمائیے۔ میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟"

"ایشورداس جی۔" عاتکہ نے اسے ممنونیت سے دیکھا۔ "آپ نے جو کچھ ہم لوگوں کے لئے کیا' اس کا شکریہ الفاظ میں ادا کرنا بیحد مشکل ہے۔"

"میں نے کیا ایسا کر دیا کہ آپ سب اس قدر ممنون ہو رہے ہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "میں نے اگر کچھ کیا تو اس کا معاوضہ بھی لیا ہے۔ شکریے والی اس میں کیا بات ہے!"

"اگر اس بات کا معاوضہ دیا جا سکتا تو ہم وہ بھی دے دیتے ایشورداس جی۔" عاتکہ نے کہا۔ "مگر جو ہوا وہ تو انمول ہے۔ اس کا معاوضہ تو ہمارے جذبات اور خلوص کا اظہار ہے جو الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ذرا کھل کر بات کریں تو میں سمجھ پاؤں گا۔" ایشورداس واقعی الجھن کا شکار ہو گیا اسے یہ پتہ ہی نہ چل رہا تھا کہ وہ کس اچھائی کی بات کر رہے ہیں۔ ابھی کل تو وہ پروین کو پہلا دم کر کے لوٹا تھا۔ اسے سات دن پینے کے لئے پانی دیا تھا اور اگلے ہی دن وہ لوگ اس کے سامنے مجسمہ ممنونیت بنے آئے بیٹھے تھے۔

"میں بتاتا ہوں۔" نصیر نے پہلی بار زبان کھولی۔ "آپ نے میری بیوی پروین کا علاج شروع کیا۔"

"جی ہاں۔ ابھی کل میں ان کو پہلا دم کر کے آیا ہوں۔" ایشورداس نے جواب دیا۔

"اور کل ہی میری والدہ نے میری دوسری شادی کی ضد چھوڑ دی۔"

"یہ کیسے؟"

"یہی تو وہ کرشمہ ہوا ہے ایشورداس جی جس نے ہمیں اب آپ کے سامنے یوں بٹھایا ہے۔" محمود نے بھی دخل در معقولات کیا۔ "آج تک صرف سنا تھا آج دیکھ بھی لیا کہ ڈھائی منٹ ڈھائی گھنٹوں اور ڈھائی دن میں کیسے کایا پلٹتی ہے۔"

"مگر......" ایشورداس کہنا چاہتا تھا کہ اس نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس سے نا جواد کا دماغ ٹھکانے آ جاتا مگر وہ لوگ اس کی کوئی بات سننے کے بجائے اپنی ہی کہے جا رہے تھے۔



"امی نے اپنی ضد بھی چھوڑ دی۔ مجھے گلے بھی لگا لیا اور سارا معاملہ اللہ پر چھوڑتے ہوئے ہمیں دعائیں بھی دیں۔" پروین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ سب آپ کے علم کا کمال ہے ایشورداس جی۔"

بات ایشورداس کی سمجھ میں آ گئی۔ حالات نے ایک دم جو پلٹا کھایا تھا اس میں ایشورداس کا کوئی کمال نہ تھا مگر وہ لوگ یہ کارنامہ اس کے حصے میں ڈالے جا رہے تھے تو اس نے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مفت کی شاباشی اس کے حق میں بہتر بھی تھی اور مفید بھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" آنکھیں بند کر کے اس نے سر جھکا لیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد آنکھیں کھولیں۔ "میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ آپ نے مجھے اپنے کام کا معاوضہ دیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ خلاف توقع کام بہت کم وقت میں ہو گیا۔"

"جو بھی ہے اور جیسے بھی ہوا ہے' اس کا کریڈٹ آپ ہی کو جاتا ہے ایشورداس جی۔" عاتکہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ایشورداس کی آنکھوں میں آج اسے ابھی تک جنسی وحشت کا کوئی شائبہ نہ ملا تھا۔

"چلئے یوں ہی سہی۔" وہ ہنس پڑا۔ "اب میں مزید آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"سب سے پہلے تو یہ بتائیے ایشورداس جی کہ ابھی پروین کو مزید کتنی دیر علاج کی ضرورت ہے؟" نصیر نے پوچھا۔

"آپ کی بیگم کا علاج دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ تو اس جادو کا توڑ کرنے پر مشتمل ہے جس نے آج تک ان کی گود سونی رکھی ہے...... اور دوسرا حصہ ان کی گود ہری کرنے سے متعلق ہے۔"

"جادو کے توڑ کے لئے کتنا عرصہ لگے گا؟" نصیر خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اچانک ایشورداس نے پوچھ لیا۔

"یعنی؟" نصیر کے ساتھ باقی سب بھی چونکے۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ علاج کی طوالت سے گھبرا رہے ہیں تو میں اسے مختصر بھی کر سکتا ہوں۔"

"مگر اس سے اثرات میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟"

"ہرگز نہیں۔ مجھے دونوں علاج ساتھ ساتھ کرنا تھے لیکن آپ جو صورتحال بتا رہے ہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس کے حوالے سے اگر میں پہلے مرض کا علاج الگ سے کروں تو صرف ایک دن کا کام ہے۔"

"اگر آپ ایسا کر سکیں تو میں تہ دل سے ممنون ہوں گا بلکہ ہم سب آپ کے شکر گزار ہوں گے۔"

"اور ساتھ ہی ایک درخواست بھی کرنا چاہیں گے۔" عاتکہ نے نصیر کی بات مکمل کی۔

"وہ کیا؟" ایشور داس نے اس کی جانب دیکھا۔

"وہ یہ کہ جب نصیر کی والدہ نے اپنی ضد چھوڑ کر اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو دوسرے حصے کا علاج اگر کینسل کر دیا جائے تو....."

"ہوں۔" ایشور داس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یہ بات ہے۔"

"جی۔" پروین اور نصیر نے اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ایک بات میں صاف صاف کہہ دوں۔"

"جی جی۔ فرمائیے۔" نصیر جلدی سے بولا۔

"دوبارہ اگر آپ اس کام کے لئے میرے پاس علاج کی غرض سے آئیں گے کہ پروین بی بی کی گود ہری ہو جائے تو اس کا معاوضہ نئے سرے سے ادا کرنا ہو گا۔ وہ معاوضہ آج یہاں ختم ہو جائے گا جو آپ ادا کر چکے ہیں۔"

"ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے ایشور داس جی۔" نصیر نے جواب میں ایک پل کی دیر نہ لگائی۔

"برا نہ مانئے گا میری بات کا۔" ایشور داس معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "یہ میرا کاروبار ہے اور ہر کاروبار میں کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

"ہم سمجھتے ہیں اور ہمیں آپ کی صاف گوئی سے خوشی ہوئی۔" محمود نے ایشور داس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔

"اب اگر آپ محسوس نہ کریں تو ایک بات میں پوچھوں؟"

"ضرور....." سب لوگ ایشور داس کی طرف متوجہ تھے۔

"آپ لوگوں نے پروین بی بی کا مکمل علاج کرانے سے ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟"

"دیکھئے ایشور داس جی۔" عاتکہ نے جیسے باقی سب کو بولنے سے روک دیا۔ "ہم ایک اللہ اور ایک رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ گنہ گار سے انسان ہیں۔ مصیبت اور پریشانی میں گھبرا کر ہر وہ کام بھی کرنے پر اتر آتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ناپسند ہے



مرف یہ چاہتے ہیں کہ سکھی رہیں۔ ایک پل کی پریشانی بھی برداشت نہیں ہوتی ہم سے..... مگر..... ایمان کی رمق دل سے کبھی ختم ہوتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔ آپ نے پروین کا مرض دریافت کر لیا۔ اس کا علاج شروع کر دیا تاہم جب نصیر کی والدہ نے اپنا رویہ درست کر لیا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ جس حد تک علاج ضروری ہے وہ ضرور کرایا جائے۔ اس کے بعد کا معاملہ اللہ کی رضا اور عطا پر چھوڑ دیا جائے۔ اولاد وہ جب بھی دے تب تک صبر کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی کوشش سے وہ سبب جو ہمیں بے صبری کی طرف لے جا رہا تھا' ختم ہو گیا یعنی نصیر کی والدہ کا ان کی دوسری شادی کرنے کا ارادہ دم توڑ گیا۔ جب اصل قضیہ ہی ختم ہو گیا تو ہمیں مشیت ایزدی میں رخنے ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاں۔ جادو کا توڑ کرانا ضروری ہے' اس کے لئے ہم آپ کی خدمت میں آئے بیٹھے ہیں۔"

"صحیح!" ایشور داس نے عاتکہ کی طویل بات پر سر ہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں آپ سے متفق ہوں۔ اس کے باوجود اگر زندگی میں کبھی آپ کو میری ضرورت پڑے تو میرے دروازے آپ لوگوں کے لئے کھلے ہیں۔ یقین کیجئے آپ جیسے پڑھے لکھے اور روشن خیال لوگوں سے مل کر بڑی طمانیت ملتی ہے۔ اگر میں جاہل ہوتا تو اس صورت حال میں کبھی خوش نہ ہوتا کیونکہ ایک طرح سے میرے گاہک ٹوٹ رہے ہیں مگر میں دل سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں کے رویے پر کوئی غصہ نہیں ہے۔ آپ لوگ جیسا چاہتے ہیں ویسا ہی ہو جائے گا۔"

"عاتکہ بتا رہی تھی آپ خاصے تعلیم یافتہ ہیں ایشور داس جی۔" محمود نے اچانک پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرایا۔ "مگر میری تعلیم' میری ڈگریاں' سب معاش کی آگ میں راکھ ہو گئیں۔ دفتروں کے دھکے کھا کھا کر جب میں تھک گیا تو ایک ہندو عامل کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ مجھے جادو سکھاتے سکھاتے جب زندگی کی آخری منزل پر پہنچا تو اپنا سب علم' سارا اندھیرا' ساری ظلمت میرے سینے میں اتار گیا۔ آپ سوچتے ہوں گے۔ میں کیسا عجیب آدمی ہوں کہ جس کام سے لاکھوں کماتا ہوں اس کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کر رہا ہوں لیکن حقیقت کو جھٹلانا خود کو فریب دینے کے برابر ہے اس لئے میں ہمیشہ اس بات کو یاد رکھتا ہوں کہ میں اپنے علم اور عمل سے اچھے برے دونوں کام لیتا ہوں اور اس کے لئے جو سزا ملنے والی ہے مجھے اس کا خیال بھی کبھی کبھی خوف زدہ کر دیتا ہے مگر..... ایسے وقت میں ہمیشہ میرے علم کا ناگ میری سوچوں کو ڈس لیتا ہے۔ اس کا زہر مجھے آسودگی کی طلب کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف مائل کر دیتا ہے۔ میں حقیقت کی دنیا سے نکل کر مادیت کے کنویں میں گر جاتا ہوں اور یہ وہ کنواں ہے جس سے سوکھے بدن ابھر آنا بے حد مشکل بلکہ مجھ جیسے نادانوں کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔"

وہ سب ایشورداس کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس برے انسان کے اندر اچھائی اب بھی کہیں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

"ایشورداس جی آپ کے خیالات سن کر حیرت ہوتی ہے۔ آپ اپنے علم سے صرف اچھے کام کیوں نہیں کرتے؟" نصیر نے زبان کھولی۔

"نصیر صاحب۔" ایشورداس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "کیا آپ نے کبھی کوئی ایسا مجرم دیکھا ہے جو پولیس کے ہتھے چڑھ کر دوبارہ اس کے چنگل سے نکل آیا ہو۔ میرا مطلب ایسے مجرم سے ہے جس کے جرائم میں پولیس اس کی حصے دار اور پشت پناہ ہوتی ہے۔"

"ایسا کبھی ہوا تو نہیں کہ اس قسم کا مجرم پولیس کے چنگل سے آزاد ہو جائے۔" نصیر نے صاف گوئی سے کہا۔

"یعنی آپ بھی اس بات سے متفق اور واقف ہیں کہ جو مجرم پولیس کے ساتھ مل کر جرائم کرتے ہیں وہ اگر چاہیں بھی تو اپنی جان نہیں چھڑا سکتے۔"

"جی ہاں۔ یہ درست ہے۔"

"اس کے باوجود کہ کبھی کبھی ان کا ضمیر انگڑائی لے کر بیدار ہونے کی کوشش کرتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ جرم سے توبہ کر کے سیدھی سادی زندگی گزاریں مگر وہ صرف اس لئے اپنے اس ارادے پر عمل پیرا نہیں ہو پاتے کہ اس کا انجام صرف دو باتوں کو جنم دیتا ہے۔ ایک یہ کہ پولیس ان کو جعلی مقابلے میں ہلاک کر دیتی ہے اور دوسری یہ کہ ان کو زندگی کے آخری سانس تک جیل سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ ایک کے بعد دوسرا مقدمہ' ایک کے بعد دوسری سزا ان کے لئے منہ کھولے کھڑی ہوتی ہے۔"

"درست کہہ رہے ہیں آپ۔"

"بالکل اسی طرح ہم بھی اپنے علم' کالے علم کی پولیس یعنی ہنومان' کالی' چنڈالنی اور درگا جیسی طاقتوں کے چنگل میں اس طرح پھنس جاتے ہیں کہ اگر جان چھڑانا چاہیں تو جان دینی پڑتی ہے اور جان جس اذیت سے لی جاتی ہے اس کا تصور بھی آپ کی راتوں کی نیند اڑا دے گا۔ اس لئے..... اس لئے نصیر صاحب مجھ جیسے عامل جو واقعی جادو ٹونے کی دنیا کے باسی



ہیں' چاہنے کے باوجود اپنے جرائم سے اپنے پشت پناہوں اور مددگاروں سے الگ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے..... ہاں۔ اگر جان جانے کا غم نہ ہو تو پھر اور بات ہے۔ جب زندگی سے ہاتھ دھونے کا سوچ ہی لیا جائے تو پھر جان کس طرح' کس اذیت سے اور کب جاتی ہے اس کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مگر اس طرح کے کیسز بڑے RARE ہوتے ہیں۔"

"بڑی شاندار باتیں کرتے ہیں آپ ایشورداس جی۔" محمود اس سے بے حد متاثر لگ رہا تھا۔ "سب کچھ جان بوجھ کر بھی خود کو ایسے عذاب کے حوالے کئے رکھنا بڑی حوصلے کی بات ہے۔"

"محمود صاحب!" ایشورداس نے اس کی طرف بڑی عجیب نظروں سے دیکھا۔ "آپ نے کبھی چار چار دن کا فاقہ نہیں کیا ہوگا۔ آپ کے سامنے آپ کی بوڑھی ماں نے بیماری کے ہاتھوں دم نہیں توڑا ہوگا۔ آپ کو کسی دفتر میں محض اس لئے ملازمت سے انکار نہیں کیا گیا ہوگا کہ آپ کے لئے وہاں کوٹہ نہیں ہے۔ ایم اے کی ڈگری کے ساتھ آپ کو خاکروب کی نوکری کی آفر نہیں کی گئی ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی محبوبہ آپ کے سامنے کسی دوسرے کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اس لئے نہیں چلی گئی ہوگی کہ آپ بے روزگار' بے گھر اور غیر محفوظ مستقبل کا شکار ہیں۔ میں نے یہ سب عذاب جھیلے ہیں۔ جس دن کلپنا نے میرا ساتھ چھوڑا' اس دن میرا صبر ٹوٹ گیا۔ میں نے اپنی ڈگری کو آگ لگا دی۔ دین دھرم کو طاق پر رکھ دیا اور اپنے گرو پنڈت کالی داس کے چرنوں میں ماتھا ٹیک دیا۔ وہ دن اور آج کا دن۔ میں لاکھوں میں کھیلتا ہوں' کروڑوں کما سکتا ہوں۔ عورت میرے لئے کھلونا بن کر رہ گئی ہے۔ ہاں..... کسی کی مصیبت زدہ ماں کو دیکھ کر آج بھی میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ اس وقت میں ساری برائیاں' ساری اچھائیاں بھول جاتا ہوں' صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح وہ ماں بچ جائے۔ اچھی ہو جائے۔ اس کا دکھ درد مٹ جائے۔ اس کے آنسو پونچھنے کے لئے میں اپنے بڑوں سے بغاوت پر بھی اتر آتا ہوں اور وہ بھی میری یہ نادانی صرف اس لئے برداشت کر جاتے ہیں کہ لاڈلا بھگت کبھی کبھی ایسی فرمائش بھی کر بیٹھتا ہے جس کا پورا کرنا ان کے اصولوں کے خلاف ہوتا ہے مگر ایک بے حد وفادار' خدمت گزار اور تپسیا کے نام پر تن من لٹا دینے والے ایسے بھگت کی ناجائز خواہش پوری نہ کر کے اسے ہاتھ سے گنوانا ان کو گوارا نہیں ہوتا۔ ہنومان ہو یا کالی' درگا ہو یا چنڈالنی' سب کو کبھی کبھی میرا لحاظ کرنا پڑتا ہے اور لحاظ تو اسی کا کیا جاتا ہے محمود صاحب جو بدلحاظی کی طاقت رکھتا ہو۔ کیا میں نے غلط کہا؟"

"جی نہیں۔" محمود نے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ نے بالکل درست کہا۔" وہ جیسے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سوچ رہا تھا۔

"یہ بڑی لمبی بحث ہے۔ بڑی طویل نشست چاہیے ان باتوں کے لئے۔ بہر حال، آپ اپنے مطلب کی طرف آیئے۔ جیسا کہ آپ نے کہا کہ آپ اب پروین بی بی کے صرف جادو کا توڑ چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ اور آپ کا کہنا ہے کہ یہ کام آپ صرف ایک دن کے عمل سے کر دیں گے۔" نصیر نے کہا۔

"بالکل۔"

"تو اس کے لئے ہمیں کب آنا ہوگا؟"

"کب کا کیا مطلب؟ آپ آئے تو ہوئے ہیں۔ میں آج ہی یہ ٹنٹا ختم کئے دیتا ہوں۔ آپ یہ بتائیے کہ جس لڑکی نے پروین بی بی پر جادو کیا' آپ اس سے کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" پروین نے جلدی سے کہا۔ "ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ آپ صرف یہ کر دیجئے کہ میں اس کے سحر سے آزاد ہو جاؤں اور دوبارہ اس کا کوئی وار مجھ پر نہ چل سکے۔"

"یعنی آپ اپنی دشمن سے کوئی بدلہ نہیں لینا چاہتیں؟" ایشورداس نے حیرت سے پوچھا۔

"اللہ اس سے خود بدلہ لے گا ایشورداس جی۔ ہمیں صرف اپنی حفاظت درکار ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" ایشورداس نے کندھے اچکائے۔ "ویسے میں اس دشمن کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں جس کا پتہ چل جائے۔"

"اسے اسی غلط فہمی میں رہنے دیجئے کہ اس کا جادو کام کر چکا ہے۔ کام کر رہا ہے۔ بس آئندہ کے لئے اس سے حفاظت کا کوئی عمل کر دیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔" ایشورداس نے چھری ہاتھ میں لے لی۔ "آیئے۔ آگے آ جایئے۔" اس نے پروین سے کہا۔

پروین سرک کر اس کے بالکل سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ عاتکہ' نصیر اور محمود ایک طرف سمٹ گئے۔

"آنکھیں بند کر لیجئے۔ جب تک میں نہ کہوں' کھولئے گا نہیں۔" ایشورداس نے پروین کو ہدایت کی اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایشورداس نے چھری کی نوک دائیں ہاتھ جلتی انگیٹھی کے شعلوں پر رکھ دی اور پروین کے ماتھے پر نظریں جما کر منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگا۔ نصیر' محمود اور عاتکہ کو اس کے ادا کردہ



الفاظ میں صرف کبھی کبھی ہنومان اور کالی کی سمجھ آتی تھی باقی وہ کیا اناپ شناپ جاپ کر رہا تھا یہ ان کے لئے سمجھنا مشکل تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد ایشورداس نے چھری کو شعلوں سے ہٹا لیا اس کا پھل دہک رہا تھا۔ سرخ انگارہ چھری کو پروین کے سر کے گرد سات بار گھمانے کے بعد ایشورداس نے نوک کے بل فرش پر ٹکا دیا اور اس پر زور لگانے لگا۔ حیرت انگیز طور پر چھری سنگی ٹائلوں کے فرش میں کھبتی چلی گئی۔ اس کا سارا پھل فرش میں دھنس گیا صرف دستہ باہر رہ گیا۔ کھڑی ہتھیلی چھری کے دستے پر جما کر ایشورداس اب بھی کچھ جنتر منتر پڑھ رہا تھا۔ نہ اس کی زبان رکی تھی نہ ایک پل کے لئے اس نے پروین کے ماتھے سے نگاہ ہٹائی تھی۔ اچانک ہاتھ اٹھا کر ایشورداس نے چھری کے کھڑے دستے پر زور سے مارا۔ چھری لرز کر رہ گئی اور ساتھ ہی پروین کے جسم کو بھی ایک جھٹکا لگا۔ وہ پیچھے کو گرتے گرتے بچی۔ عاتکہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے گرنے سے روکنا چاہا مگر ایشورداس نے بائیں ہاتھ کے اشارے سے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ عاتکہ پھر اپنی جگہ سمٹ گئی۔ نصیر اور محمود خاموشی سے سارا منظر دیکھ رہے تھے۔

پروین اب بیٹھے بیٹھے جھوم رہی تھی۔ اس کا جسم دائیں بائیں یوں جھول رہا تھا جیسے وہ مست ہو گئی ہو۔ اسی وقت ایشورداس نے چھری کو ایک دم فرش سے کھینچ لیا۔ چھری کا دہکتا ہوا سرخ پھل بالکل سیاہ پڑ چکا تھا۔

ایشورداس نے چھری کی نوک پروین کی پیشانی پر ٹکا کر ذرا سا دبایا اور چھوڑ دیا۔

چھری یوں پروین کے ماتھے پر جمی رہ گئی جیسے کسی نے دیوار میں کیل ٹھونک دیا ہو۔

اسی وقت ایشورداس نے زوردار آواز کے ساتھ "جے ہنومان" کا نعرہ بلند کیا اور پوری قوت کے ساتھ پروین کے ماتھے پر پھونک مار دی۔ ایک دم چھری پروین کے ماتھے سے اکھڑ کر الگ ہوئی اور خود بخود فضا میں تیرتے ہوئے اس کے سر کے گرد چکر کاٹنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی پروین کا جھومتا اور جھولتا ہوا جسم ساکت ہو گیا۔ وہ اب کسی بت کی طرح بے حس وحرکت بیٹھی تھی۔ آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

سات چکر پورے کرنے کے بعد چھری تیزی سے ایشورداس کی طرف لپکی۔ اگر وہ اسے ہاتھ بڑھا کر تھام نہ لیتا تو محسوس یہی ہوا تھا کہ وہ اس کے سینے میں ترازو ہو جانے کو تھی۔

ایشورداس نے چھری کو دستے سے پکڑ کر چھت کی طرف اچھال دیا۔ سب لوگوں کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ چھری گولی کی سی تیزی سے چھت کے ساتھ ٹکرائی۔ اس کے ساتھ ہی

کمرے میں ایک نسوانی چیخ گونجی۔ سب لوگوں کے دل اچھل کر حلق میں آ گئے۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر بدک کر رہ گئے۔ چیخ یوں ابھری تھی جیسے چھری کسی کے دل میں اتر گئی ہو۔

پھر وہاں ایک حیرت انگیز منظر نے جنم لیا۔

چھری چھت سے دو فٹ نیچے نوک کے بل چھت کی طرف معلق تھی اور خون کے بڑے بڑے قطرے یوں فرش پر گر رہے تھے جیسے چھری کسی جاندار کے جسم میں پیوست ہو۔

قطرے سیدھے ایشور داس کے ہاتھوں میں گر رہے تھے جن کا پیالہ بنا کر وہ خون جمع کر رہا تھا۔ جونہی چلّو بھر کر خون اس کے ہاتھوں کی اوک میں جمع ہوا اس نے وہ خون انگیٹھی میں انڈیل دیا۔ پھر ہولناک چیخوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جس نے ان سب کے دل دہلا دیئے۔ سہمے ہوئے وہ تینوں ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے تھے۔ عاتکہ تو باقاعدہ لرز رہی تھی۔ اس نے محمود کا بازو دونوں ہاتھوں کی گرفت میں لے رکھا تھا اور نصیر فرش پر ہاتھ ٹیکے خود کو دلاسہ دے رہا تھا۔

چیخوں کے ساتھ ہی انگیٹھی میں اس جگہ سے گوشت جلنے کی تیز اور ناگوار بو دھوئیں کے ساتھ کمرے میں پھیلنے لگی جہاں ایشور داس نے خون انڈیلا تھا۔

ایشور داس کے ہونٹ اب بھی تیزی سے ہل رہے تھے۔ وہ بار بار انگیٹھی میں پھونکیں مار رہا تھا جیسے کچھ پڑھ پڑھ کر دم کر رہا ہو۔ پھر چیخوں کی شدت میں دھیرے دھیرے کمی آتی چلی گئی۔ عاتکہ، نصیر اور محمود نے ناک کے آگے رومال رکھ لئے تھے مگر دل تھے کہ اب بھی اس غلیظ بو سے متلا رہے تھے جو انگیٹھی سے اٹھ رہی تھی۔ پروین اب کسی سنگی مجسمے کی طرح خاموش آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ اس پر کسی چیخ یا بدبو کا کوئی اثر محسوس نہ ہو رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد چیخیں تھم گئیں۔ ایک تیز خرخراہٹ ابھری اور ایک جھماکے کے ساتھ انگیٹھی میں سے دھواں ناپید ہو گیا۔ بدبو نے دم توڑ دیا اور چھت سے دو فٹ نیچے معلق چھری سیدھی ایشور داس کے سامنے فرش پر آ گری۔

ایشور داس نے آخری بار سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ ادا کئے۔ تین زوردار پھونکیں پروین کے ماتھے پر رسید کیں اور زور سے تالی بجائی۔

"آنکھیں کھول دیجئے۔"

اس کی آواز سنتے ہی پٹ سے پروین نے آنکھیں کھول دیں جو خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھی۔ پھر ایک دم جیسے اس کا بدن ناطاقتی کا شکار ہو گیا۔ بے اختیار وہ لہرائی اور بائیں ہاتھ بیٹھے نصیر پر آ رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"پروین..... پروین۔" نصیر اسے باہوں میں بھر کر آوازیں دینے لگا۔

"پروین۔" عاتکہ بھی اس کے قریب ہو گئی۔

"اوں۔" وہ بے سدھ سی غنودگی کے عالم میں بولی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" ایشور داس نے ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ابھی ٹھیک ہو جائیں گی۔"

کہہ کر اس نے پاس پڑی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا۔ اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور نصیر کو تھما دیا۔

"پلا دیں۔" اس کا اشارہ پروین کی طرف تھا۔

نصیر نے گلاس پروین کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ جیسے اسی کے انتظار میں تھی۔ غٹاغٹ پانی کا گلاس ختم کر دیا اور سر دوبارہ نصیر کے شانے سے ٹکا دیا۔

ایشور داس نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ "بس۔ سب ٹھیک ہو گیا۔"

اس نے درست کہا تھا۔ دو تین منٹ بعد پروین کے حواس بحال ہو گئے۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کی آنکھیں اب سرخی سے آزاد ہو چکی تھیں۔ ہلکے ہلکے گلابی ڈورے ان میں تیر رہے تھے جو خمار کی کیفیت کا مفہوم سمجھا رہے تھے۔

"میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔" اس نے کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا۔

"چند منٹ بعد ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ پانی اور پئیں۔" ایشور داس نے دوبارہ گلاس بھر کر اسے تھما دیا۔

گھونٹ گھونٹ کر کے اس نے وہ گلاس بھی ختم کر دیا اور گلاس میں سے آخری گھونٹ لیتے ہی وہ بالکل نارمل ہو گئی۔ نہ تھکان رہی نہ گرانی۔ نہ خمار رہا نہ کمزوری۔ وہ یوں ہشاش بشاش ہو گئی جیسے یہاں آنے کے وقت تھی۔

"اب یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ ان پر سے جادو کا اثر ختم ہو چکا ہے۔" ایشور داس نے اعلان کیا۔

سب لوگوں کے چہرے کھل اٹھے۔ عاتکہ نے بے اختیار پروین کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ نصیر اور محمود بھی خوش نظر آ رہے تھے۔

"ایشور داس جی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو بتلائیں گے کہ یہ سب کیا تھا؟" محمود نے چھت کی طرف اشارہ کیا جہاں اب کچھ محسوس نہ ہو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''آپ کیوں پوچھنا چاہتے ہیں؟'' ایشورداس مسکرایا۔

''جسٹ فار نالج۔ اور کوئی بات نہیں۔ اصل میں وہ نسوانی چیخیں.....''

''اس چڑیل کی تھیں جسے لیلیٰ نے کسی عامل سے پروین بی بی پر مسلط کر دیا تھا۔ م نے اسے جلا کر بھسم کر دیا اور.....''

''اور کیا؟''

''اور یہ کہ عمل کو لیلیٰ پر الٹا دیا۔''

''یعنی؟'' وہ چاروں چونک اٹھے۔

''جی ہاں۔'' ایشورداس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لئے۔ ''یہ ضروری تھا۔''

''تو اس کا لیلیٰ پر کیا اثر ہوگا؟'' پروین نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

''اب وہ ساری زندگی ماں نہیں بن سکے گی۔''

''اوہ۔'' عاتکہ کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔ ''یہ تو اچھا نہیں ہوا۔''

''اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا عاتکہ بی بی۔ یہی پروین بی بی کا علاج تھا۔ ان کی جان چھڑانے کے لئے وہ تحفہ لیلیٰ کو واپس کرنا ضروری تھا جو اس نے ان کے جسم میں جڑ رکھا تھا۔''

''اور اگر لیلیٰ بھی کسی سے علاج کرا لے تو؟''

''علاج تو تب کرائے گی جب اسے اس بات کا علم ہوگا کہ اس پر کسی نے کچھ کرا ہے۔ اور اگر اسے پتہ چل بھی گیا تو اس کا علاج سوائے میرے کسی اور کے بس کی با نہیں۔''

''بے چاری لیلیٰ۔'' پروین نے تاسف سے کہا۔

''دشمن کبھی بیچارا نہیں ہوتا پروین بی بی۔ اور پھر یہ تو ادلے کا بدلہ ہے۔ اس نے بویا' کاٹ لیا۔''

''یہ تو ہے۔'' عاتکہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

''اب آگے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' نصیر نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ میرا کام ختم ہوا۔ اب آپ کی بیگم پر کبھی کوئی جادو ٹونہ اثر انداز نہ ہو گا۔ باقی رہا ان کے ماں بننے کا معاملہ..... تو اسے آپ خود اوپر والے کے سپرد کر چکے ہیں۔''

''یعنی اب مزید کسی تعویذ گنڈے کی ضرورت نہیں؟''

''جی نہیں۔ آپ پورے اطمینان کے ساتھ گھر جا سکتے ہیں۔''

''بے حد شکریہ ایشورداس جی۔ ہم زندگی بھر آپ کے ممنون رہیں گے۔'' محمود



اس کا ہاتھ تھام لیا۔

جواب میں ایشورداس محض مسکرا کر رہ گیا۔ اس کا دل عجیب سے سکون سے لبریز ہو گیا۔

''تو اب ہمیں اجازت ہے؟'' نصیر نے اس کی طرف دیکھا۔

''ضرور۔'' ایشورداس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

محمود اور نصیر نے اس سے ہاتھ ملایا۔ عاتکہ اور پروین نے اس کی جانب ممنونیت سے دیکھا اور سب دروازے کی طرف چل پڑے۔ ایشورداس خاموش کھڑا رہا۔

محمود اور نصیر دروازے سے نکل گئے۔ نجانے کیا سوچ کر باہر قدم رکھنے سے پہلے عاتکہ اور پروین رکیں اور پلٹ کر ایشورداس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر آج اس کی نظروں میں ان کے لئے غلاظت تھی نہ بھوک۔ بڑی عجیب سی طمانیت تھی اس کی آنکھوں میں۔ ان کی نظریں ملیں تو وہ مسکرا دیا۔ بے ساختہ عاتکہ اور پروین کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلائے اور باہر نکل گئیں۔ ایشورداس کا ہاتھ غیر اختیاری طور پر اٹھا اور ساکت ہو گیا۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❁❁❁

شائنہ صبح سات بجے ایشورداس کے گھر سے نکلی تو اس کا سارا جسم زخم زخم ہو رہا تھا۔ نادیدہ چوٹوں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی نے حلق تک شراب پلا دی ہو۔ وہ بڑی مشکل سے کار ڈرائیو کر کے فلیٹ تک پہنچی۔ کمرہ اندر سے لاک کر کے وہ بستر پر گری تو دن کے دو بجے آنکھ کھلی۔

بستر پر لیٹے لیٹے اس نے ایک بار آنکھیں کھولیں۔ پھر نیم اندھیرے میں دوبارہ پلکیں موند لیں۔ ایک دم اسے ایک حیرت انگیز کیفیت کا احساس ہوا۔ وہ چونکی اور سرک کر بستر کے سرہانے کی طرف کھسک گئی۔ کمبل کو جسم کے گرد لپیٹتے ہوئے اس نے ذہن کو پوری طرح جگایا اور اسے اپنے احساس پر یقین کرنا پڑا۔ ناقابل یقین طور پر اب اس کا جسم بالکل چاق و چوبند تھا۔ کوئی درد' کوئی ٹیس' کوئی تھکان دور دور تک محسوس نہ ہو رہی تھی۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے بیڈ سوئچ دبایا۔ کھڑکیوں پر پردے گرے ہونے کے باعث کمرے میں جو نیم اندھیرا تھا' ٹیوب لائٹس آن ہوتے ہی دم دبا کر بھاگ نکلا۔ آہستہ سے اس نے جسم سے کمبل علیحدہ کیا۔ اس کے بازوؤں اور سینے پر ہلکے ہلکے نیل کے نشان تھے۔ ایشورداس کی وحشت کا ثبوت تھے۔ مگر..... ایک دم اس کے ذہن کو جھٹکا لگا۔ کیا وہ ایشورداس ہی تھا؟

وہ جتنا یاد کرتی گئی' الجھتی چلی گئی۔

چغہ جسم سے اتار کر جب وہ ایشورداس کے تصرف میں آئی تھی' اس کے بعد اسے سب کچھ ایک خواب کی طرح یاد تھا۔ موہوم اور مدھم مدھم مناظر تھے جو غنودگی' نشے' لذت اور خودی کی دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔

ایشورداس نے اسے پوری رات کسی میلے کپڑے کی طرح طلب کے دھوبی گھاٹ پر دھویا تھا۔ نچوڑا تھا۔ پٹخا تھا۔ اسے لحہ بہ لحہ اس کی دست درازیوں نے ہوش و حواس سے بیگانہ



کی ندی میں غوطے دیئے تھے۔ ایشورداس۔ ایک مرد نہیں' کئی مردوں کے برابر طاقت کا مالک تھا۔

ایک بار پھر اس کا دھن انتشار کا شکار ہو گیا۔

اگر وہ ایشورداس ہی تھا تو اس کا رویہ غیر انسانی' حیوانی اور اس لذت سے لبالب کیوں تھا جو کسی انسان سے کشید نہیں کی جا سکتی اور اگر وہ ایشورداس نہیں تھا تو پھر کون تھا جو غراہٹوں اور وحشتوں کے امتزاج کا حامل تھا۔

ایک دم وہ چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ کمبل اس کے شانوں سے گر پڑا۔ اسے اپنی برہنگی کا قطعاً احساس نہ تھا۔ ایک خیال کوندے کی طرح لپک کر اس کے دماغ سے ابھرا اور اسے اپنی گرفت میں لے کر بے یقینی کی فضاؤں میں محو پرواز ہو گیا۔

کہیں وہ ہنومان کی آتما تو نہیں تھی؟

''نہیں نہیں.....'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''اس کا بت تمہارے سامنے زندہ وجود میں ڈھل گیا تھا۔'' دماغ نے تیر چھوڑا۔

''تمہارے بارے میں اس نے چند فقرے بھی کہے تھے؟'' یادداشت کا ایک اور ورق پھڑپھڑایا۔

''جو ہاتھ تمہارے برہنہ شانوں پر آ کر رکے تھے وہ غیر انسانی تھے۔ ان پر بال تھے اور وہ ایشورداس کے ہاتھوں سے بہت زیادہ کھردرے اور تیز ناخنوں سے آراستہ تھے۔'' ذہن نے قلابازی کھائی۔

''تو کیا؟'' حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

خوف' حیرانی اور بے یقینی نے تین اطراف سے اس پر حملہ کر دیا۔ چوتھی سمت وہ خود کھڑی تھی۔ یقین کرنے یا نہ کرنے کی حالت میں گم صم!

جوں جوں وہ سوچتی گئی اس کے یقین کی بندش سخت سے سخت تر ہوتی گئی۔ پھر آدھ گھنٹے بعد جب وہ بستر سے اتری تو اس کے دل و دماغ میں یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی کہ گذشتہ رات وہ ایشورداس کے نہیں' ہنومان کے قدموں میں پڑے اس قوی ہیکل بندر کے تصرف میں رہی ہے جو شاید نہیں یقینی طور پر ایشورداس میں حلول کر گیا تھا..... اور ابھی مزید چھ راتیں اسے اس بندر کے ساتھ گزارنا تھیں۔

وہ لباس سے بے نیاز باتھ روم میں آئی۔ دیوار گیر آئینے میں اس نے اپنا جائزہ لیا۔

اس کے رخساروں' بازوؤں' سینے' پیٹ' غرضیکہ جسم کے ہر حصے پر ہلکے ہلکے نیل پڑے ہوئے تھے۔ وہ پریشان ہو گئی۔ ایشورداس کی وحشت نے اسے داغ داغ کر دیا تھا۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



حالت میں وہ باہر بھی نہ جا سکتی تھی۔ لاکھ میک اپ کرتی پھر بھی یہ داغ چھپانا ممکن نہ تھا۔

ایک طویل سانس لے کر' پریشانی کے عالم میں اس نے شاور کھول دیا اور اس کے نیچے کھڑی ہو گئی۔

نیم گرم پانی سے تقریباً بیس منٹ شاور لینے کے بعد جب اس نے تولئے سے جسم خشک کیا تو بے اختیار آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

تب اس پر ایک بار پھر حیرت نے اپنا سایہ پھیلا دیا۔

اس کا سارا بدن بے داغ ہو رہا تھا۔ لگتا تھا صابن اور پانی کے ساتھ جسم کا ہر داغ' ہر نیل کا نشان بہہ چکا ہے۔ بے یقینی کے عالم میں اس نے ہر پہلو سے اپنے جسم کا جائزہ لیا اور ایک اطمینان بھری سانس اس کے لبوں سے خارج ہو گئی۔ اس کا جسم حسب سابق بے داغ اور پرشباب تھا۔ اس نے تولیہ سٹینڈ پر ڈالا اور باتھ روم سے نکل آئی۔

آج آفس سے چھٹی ہو گئی تھی۔ کپڑے پہنتے ہوئے اس نے صورتحال پر ذرا سا غور کیا اور یہی بہتر سمجھا کہ آفس سے ہفتہ بھر کی چھٹی لے لے۔ اسے یہ خیال پوری طرح قائل کر چکا تھا کہ ہر رات ایشور داس کے ساتھ گزار کر جب صبح وہ لوٹے گی تو اس کا جو حال ہو چکا ہو گا وہ اسے آفس جانے کے قابل نہ چھوڑے گا۔

چھٹی کے لئے اس نے اسی وقت اپنے آفس منیجر کو فون کر دیا۔ وجہ یہ بتائی کہ اسے چند دن کے لئے طبیعت کی خرابی کے باعث آرام کی ضرورت ہے۔ اس کی چھٹیاں خاصی تعداد میں باقی تھیں کیونکہ وہ بلا ضرورت کبھی چھٹی کرتی ہی نہ تھی اس لئے منیجر نے بآسانی اسے دس دن کی رخصت دے دی۔

موبائل آف کیا ہی تھا کہ اس نے چیخ کر پھر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ سکرین پر نعمان کا نام اور فون نمبر ابھرا تو فوراً ہی اس نے بٹن پش کر دیا۔

"یس..... شائنہ از ہیئر۔"

"صبح سے فون کر رہا ہوں۔ کیا بات تھی۔ کوئی رسپانس ہی نہیں مل رہا؟" نعمان کی تشویش بھری آواز ابھری۔

"میں بڑی گہری نیند سو رہی تھی۔" وہ بستر پر گر پڑی۔

"خیریت..... اتنی گہری نیند کہ موبائل کی بیل نے بھی تمہیں چونکایا نہیں۔" وہ حیرت سے بولا۔

"رات نیند بہت دیر سے آئی اور موبائل پرس میں تھا۔ پرس بستر سے کافی دور پڑا



اس لئے پتہ ہی نہیں چلا۔"

"اب میں سوچ رہا تھا کہ خود تمہارے فلیٹ پر آؤں اور پتہ کروں بات کیا ہے۔ تمہارے آفس فون کیا تو پتہ چلا تم وہاں بھی نہیں آئیں۔"

"بس بتایا ناں جان۔ طبیعت کچھ کسلمند ہے۔" وہ عجیب خمار آلود لہجے میں بولی تو نعمان کے جسم میں آگ سی دہک اٹھی۔

"تم تو آج میرے آفس آنے والی تھیں؟"

"اس ہفتے میں تو ممکن نہیں ہے۔ اگلے ہفتے کے شروع میں آؤں گی۔" وہ دھیرے سے اسی مخمور لہجے میں بولی۔

"ارے..... کہاں اتنی بے تابی تھی اور کہاں یہ بے نیازی!" نعمان گڑبڑا گیا۔

"کوئی بے نیازی نہیں ہے۔ میں نے دفتر سے دس دن کی چھٹی لی ہے۔ آرام کرنا چاہتی ہوں جی بھر کے۔ اس بار طبیعت کچھ زیادہ اپ سیٹ ہے۔"

"تو ڈاکٹر کو دکھاؤ ناں۔ میں لے چلوں کہیں؟" نعمان نے جلدی سے کہا۔

"یہ روٹین ورک ہے بدھو میاں۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولی۔ "اس بار کچھ زیادہ دکھی ہو رہی ہوں۔"

"اوہ۔" نعمان کو سمجھنے میں کچھ دیر لگی اور جب سمجھ آئی تو وہ جھینپ گیا۔ بے اختیار شائنہ کا قہقہہ گونج اٹھا۔

"میں اب سمجھا۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"شکر ہے سمجھ تو گئے ورنہ مجھے ایل ایچ وی کے ذریعے سمجھانا پڑتا۔" وہ شوخی سے بولی۔

"پھر کب مل رہی ہو؟"

"ایک دو دن بعد۔ اس حالت میں باہر جانا بھی طبیعت کو کچھ اچھا نہیں لگتا۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"ٹھیک ہے میں صبح فون کروں گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم درمیان میں بالکل ہی نہیں ملیں گے۔"

"یہ میں نے کب کہا؟"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب صبح بات ہو گی۔ او کے۔ سی یو۔"

"سی یو۔" شائنہ نے مسکرا کر موبائل آف کر دیا۔ مگر بند کرتے ہی پھر اس کی بیل نے شور مچا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اب کون ہے؟" وہ بڑبڑائی۔ موبائل پر نظر ڈالی اور الرٹ ہوگئی۔ جلدی سے بٹن دبایا اور موبائل کان سے لگالیا۔

"یس..... شائنہ سپیکنگ۔"

"راحل از ہیئر۔"

"یس۔"

"ایران کا ملٹری اتاشی اسفند یار پہنچ چکا ہے۔"

"کب؟" وہ بری طرح چونکی۔

"ابھی۔ آدھ گھنٹہ پہلے۔" دوسری طرف سے وہی سرد اور سنگلاخ آواز ابھری۔

"تو؟" شائنہ نے آواز دبالی۔

"شام پانچ بجے اس کو ملٹری ہیڈ کوارٹر جانا ہے۔"

"سن رہی ہوں۔"

"اسے وہاں نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"پلان کیا ہے؟"

"اسے ہوٹل مون ویو میں ٹھہرایا گیا ہے۔"

"کس فلور پر؟"

"نویں فلور پر۔ کمرہ نمبر ہے تھری ناٹ تھری۔"

"ویری گڈ۔ کمرے کا رخ کیا ہے؟"

"فرنٹ ویو پر واقع ہے۔"

"مون ویو کے سامنے شاپنگ پلازہ 'ایسٹ اینڈ ویسٹ' واقع ہے۔ کیا وہاں سے اسفند یار کے کمرے کا ویو دکھائی دیتا ہے؟"

"بالکل سیدھا۔" راحل نے جلدی سے کہا۔ "ایسٹ اینڈ ویسٹ کی چوتھی اور مون ویو کی تیسری منزل بالکل آمنے سامنے ہے۔"

"میں اگر اس شاپنگ پلازہ سے اٹیک کروں تو؟" شائنہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"میں بتاتا ہوں۔ غور سے سنو۔" راحل کی آواز مزید سرد ہوگئی۔ "تم ٹھیک چار بجے شاپنگ پلازہ کی چوتھی منزل پر واقع باتھ روم نمبر ایک میں پہنچ جاؤ جہاں سے تم اسفند یار کے کمرے کو بالکل سیدھے نشانے پر لے سکو گی۔ پردیپ اس باتھ روم میں ریڈ ریز پہنچا چکا ہے۔"

وہ رکا تو شائنہ کے تنے ہوئے اعصاب میں دراڑ سی پڑی۔



"کہو کہو۔ رک کیوں گئے؟"

"تم ریڈ ریز سے اسفند یار کے کمرے کو نشانہ بناؤ گی۔ دو فائر کافی ہوں گے۔"

"اس کے بعد؟"

"تم خاموشی سے نکل جاؤ گی!"

"وہ کیسے؟" وہاں سیکورٹی چاروں طرف الرٹ ہوگی۔ کیا میرا فائر کرنا مجھے سیکورٹی کی نظروں میں نہ لے آئے گا؟"

"نہیں۔" راحل نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "جونہی تم فائر کرو گی۔ نیچے سڑک پر کھڑی ایک موٹر سائیکل پر سوار دو افراد فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہو جائیں گے۔ سیکورٹی ان کے پیچھے لگ جائے گی۔ تم بآسانی نکل سکو گی۔"

"تمہیں یقین ہے۔ کوئی رسک نہیں لینا پڑے گا؟"

"ہم یہاں پتلی تماشہ دیکھنے نہیں آئے شائنہ۔ رسک تو ایسا ہے کہ ہم اگلی سانس بھی لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ پھر بھی میں نے حتی الامکان محفوظ پلان بنایا ہے۔"

"اوکے؟..... شائنہ نے ایک طویل سانس لی۔" میں ٹھیک چار بجے پہنچ جاؤں گی اپنے ٹارگٹ پر۔"

"یہ یاد رکھو کہ اگر آج ہم اسفند یار کو جی ایچ کیو پہنچنے سے نہ روک سکے تو ایران اور پاکستان کے درمیان ایک ایسا فوجی معاہدہ تشکیل پا جائے گا جس کی بنیاد ہماری تباہی پر رکھی جا رہی ہے۔" راحل نے بیتابی سے کہا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" شائنہ کے لہجے میں زہر گھل گیا۔ "میں جان پر کھیل جاؤں گی۔ اور تم جانتے ہو مجھے یہ کھیل آتا ہے۔"

"دیٹس گڈ۔ اور سناؤ تمہارے مجنوں کا کیا حال ہے؟"

"مجنوں برے حال میں ہے۔ میری محبت کے جال میں ہے۔" وہ ہنسی۔ دوسری طرف سے راحل بھی ہنسا مگر کیا وہ ہنسی کی آواز تھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے کئی بھیڑیئے یک لخت غرا اٹھے ہوں۔

"کب تک اسے ٹریپ کر لو گی؟" ہنسی روک کر راحل نے پوچھا۔

"ٹریپ تو وہ ہو چکا۔ میں تو اس کا مستقل بندوبست کرنے جا رہی ہوں۔ وہ زندگی بھر ہمارے اشاروں پر ناچتا رہے گا۔"

"گڈ۔ ایسا کیا کر رہی ہو؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''ابھی نہیں۔ وقت آنے پر بتاؤں گی۔''

''ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔ وہ جس سیٹ پر ہے وہ احمقوں اور عاشقوں کے لئے نہیں ہوتی۔''

''جانتی ہوں۔ اسی لئے تو ڈور کو دھیرے دھیرے کھینچ رہی ہوں۔ ویسے وہ مجھ سے شادی کا چارہ نگل چکا ہے۔''

''اوہ گاڈ۔ اتنا آگے جا چکی ہو۔'' راہل نے حیرت سے کہا۔

''اور ابھی تک وہ میرا جسم نہیں دیکھ سکا۔''

''واہ۔'' راہل نے جیسے اچھل کر کہا۔ ''واقعی تم لیڈی فاکس ہو شائنہ۔ تمہاری عیاری کا کوئی توڑ نہیں۔''

''بس بس۔ زیادہ مت بناؤ۔'' وہ انداز سے بولی۔ ''تمہیں بھی جانتی ہوں۔''

''اوہو ہو ہو۔'' راہل بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''کتنا جانتی ہو مجھے۔ آج تک کبھی انوائٹ تو کیا نہیں؟'' اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''کروں گی ایک دن راہل۔'' وہ سنبھل گئی۔ ''یہ میرا تم سے وعدہ ہے اور جس دن انوائٹ کروں گی وہ دن تمہاری زندگی کا یادگار دن ہو گا۔''

''اس دن کے انتظار میں دو سال سے تڑپ رہا ہوں شائنہ۔'' راہل کا لہجہ بھک منگوں کا سا ہو گیا۔

''تھوڑا انتظار اور راہل! جلد آنے والا ہے وہ دن۔'' شائنہ کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ جسے راہل کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

''او کے۔ اوور اینڈ آل شائنہ۔ ٹھیک چار بجے۔''

''ٹھیک چار بجے۔'' رابطہ منقطع ہو گیا۔

شائنہ نے موبائل پرس میں ڈالا اور الماری کی طرف بڑھ گئی جہاں سے اسے اپنے لئے کوئی مناسب لباس منتخب کرنا تھا۔ پھر ٹھیک سوا تین بجے اس نے فلیٹ لاک کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

●●●

نیلی شلوار قمیض پر فر کا کوٹ اور آنکھوں پر گہرے سبز چشمے نے شائنہ کو چلتی پھرتی قیامت بنا دیا تھا۔

وہ گاڑی سے نکلی تو اس کے کندھے پر پرس جھول رہا تھا۔ گاڑی کو لاک کر کے اس



نے کی رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے ایسٹ اینڈ ویسٹ شاپنگ پلازہ کا رخ کیا۔

مین گیٹ پر دو گارڈ اندر جانے والے ہر مرد اور عورت کو مخصوص سکینر سے چیک کر رہے تھے۔ ہر کمرشل بلڈنگ میں ایسا انتظام اس لئے لازم ہو گیا تھا کہ دہشت گردی کی وارداتیں عام ہو رہی تھیں۔ اس لئے کوئی بھی مرد یا عورت اسلحہ لے کر اندر نہ جا سکے' اس احتیاط کے لئے یہ چیکنگ ضروری قرار دے دی گئی تھی۔

شائنہ سے آگے تین مرد اور چار عورتیں ابھی چیکنگ کے مرحلے سے گزرنے کے لئے موجود تھیں۔ چند منٹ بعد اپنی چیکنگ سے فارغ ہو کر شائنہ ''تھینک یو'' کہتی ہوئی شیشے کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

شائنہ سیدھی اوپری منزل کو جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ وہ اب کم سے کم لوگوں کی نظروں میں آنا چاہتی تھی اور لفٹ بوائے بھی انہی لوگوں میں شامل تھا جن سے وہ دور رہنا چاہتی تھی۔

وہ مناسب رفتار سے سیڑھیاں طے کرتی ہوئے چوتھے فلور پر پہنچی۔ کاریڈور کے آخر میں باتھ روم بنے تھے۔ وہ لیڈیز ٹائلٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ٹائلٹ نمبر ایک کے دروازے کی اندر سے چٹخنی چڑھا کر اس نے روشندان کی جانب دیکھا۔

روشندان سے نیچے ایک دو ضرب دو فٹ کا شیشہ دیوار میں جڑا تھا۔ جس کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے ریلنگ کا سہارا دیا گیا تھا اس نے ایک حصے کو حرکت دی اور آدھا شیشہ دوسرے آدھے شیشے پر آ گیا۔ وہاں تقریباً گیارہ بائی گیارہ انچ کی چھوٹی سی کھڑکی نمودار ہو گئی۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

وہاں سے تقریباً دو سو گز دور مون ویو ہوٹل کی شاندار عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ ہوٹل کے مین گیٹ سے اصل عمارت ایک سو گز دور تھی۔ درمیان کا یہ حصہ وسیع پارکنگ اور لان پر مشتمل تھا۔ وہ کمرہ اس کی نظروں کے بالکل سامنے تھا جس کی بالکونی میں دو فوجی جوان دائیں بائیں الرٹ کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کلاشنکوفیں دبی تھیں اور ان کی عقابی نظریں دائیں بائیں کا بار بار جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ فلش کی ٹینکی کا ڈھکنا کھولا اور اس میں موجود ایک پولی تھین بیگ باہر نکال لیا۔ ٹشو پیپر سے ہاتھ خشک کرنے کے بعد اس نے پولی تھین بیگ میں سے عام ریوالور سے کچھ بڑا ریڈ ریز نکال لیا اور اس کا چیمبر چیک کر کے سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔ اس کا استعمال کسی بھی عام ریوالور سے زیادہ پیچیدہ نہ تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شائنہ نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ چار بجنے میں دو منٹ باقی تھے۔ اسی وقت دونوں فوجیوں نے رخ ایک دوسرے کی طرف کیا اور لیفٹ رائٹ کے انداز میں جگہ بدل لی۔ ایک دوسرے کی جگہ پر آتے ہی پھر انہوں نے اپنا رخ سڑک کی جانب کر لیا اور چوکنی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

چند لمحوں بعد دونوں فوجیوں نے پھر آپس میں جگہ بدلی تو شائنہ نے ایک طویل سانس لی۔ ان کی جگہ بدلنے کا وقفہ دو منٹ تھا۔ یعنی ہر دو منٹ بعد وہ ایک دوسرے سے جگہ بدل لیتے تھے۔

بالکونی تقریباً دس فٹ طویل تھی۔ درمیان میں کھڑکی تھی جو بند تھی۔ ظاہر ہے کھڑکی کھلی بھی ہوتی تو اسفند یار وہاں آ کر کھڑا ہونے سے تو رہا..... مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ اسفند یار نجانے کس کام سے کھڑکی کی طرف آیا۔ دونوں فوجیوں نے کھڑکی کھلنے کی آواز سنی تو چونک کر ادھر متوجہ ہوئے۔

شائنہ نے بجلی کی سی تیزی سے ریڈ ریز کو ریلنگ پر ٹکا دیا۔

کھڑکی کھلی اور اسفند یار نے فوجیوں کو اپنی طرف متوجہ پا کر کچھ کہا۔ شائنہ کے لئے اتنا وقفہ کافی تھا۔

اس نے ریڈ ریز سے اسفند یار کا نشانہ لیا جس کے آگے دونوں فوجی شائنہ کی طرف پشت کئے کھڑے تھے' پھر اس نے ایک سیکنڈ کی دیر کئے بغیر اوپر تلے دو مرتبہ ٹریگر دبایا۔ زن۔ زن کی آواز دو مرتبہ ابھری۔

سرخ رنگ کے دو ننھے منے گیند فضا میں تیرتے ہوئے ایک سیکنڈ کے وقفے میں آگے پیچھے دونوں فوجیوں میں سے ایک کی پشت اور اسفند یار کے سینے سے ٹکرائے۔

کان پھاڑ دو دھماکے ہوئے۔

شائنہ نے شیشہ برابر کیا اور پلٹ کر دروازے کی چٹخنی گرا دی۔ ریڈ ریز کوٹ کی جیب میں رکھا اور باہر نکل کر اس نے وال ٹو وال شیشے کے پار دیکھا۔

ہوٹل مون ویو آگ اور دھوئیں اور گرد و غبار کے طوفان میں دھنستا چلا جا رہا تھا۔

وہ بڑی زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ پھر تیسرے فلور پر آتے ہی ایک عجیب سی بھگدڑ' افراتفری اور سراسیمگی کا سماں دیکھا۔ ہر شخص پریشان' ہر عورت سہمی ہوئی' ہر بچہ ڈرا ہوا تھا۔ سب کے سب خارجی راستوں کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

"سنئے۔" اس نے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو لفٹ کی طرف لپکتے دیکھ کر پوچھا۔ "یہ.....؟"



کیا ہوا؟ کوئی حادثہ ہو گیا کیا؟"

"بے بی!" اس نے اس افراتفری میں بھی اسے سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا۔ "ہوٹل مون ویو میں بم دھماکہ ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں۔ پوری چار منزلیں ملبے کا ڈھیر ہو گئیں۔" وہ کہتے ہوئے بھاگ کر لفٹ کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ وہ منہ پھاڑے وہیں کھڑی رہ گئی۔

پھر لوگوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھ کر وہ خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ مردوں اور عورتوں کا ایک ریلا تھا جس کے ساتھ وہ شاپنگ پلازہ سے باہر چلی آئی۔ گارڈز بے چارے نجانے کہاں گم ہو گئے تھے۔ وہ بمشکل اپنی گاڑی تک پہنچی۔ دوسری گاڑیوں کے ساتھ وہاں سے نکلتے ہوئے اسے پندرہ بیس منٹ لگ گئے۔ اس دوران اس نے اپنی پھیلائی ہوئی تباہی کا بھرپور جائزہ لیا۔

سات منزلہ ہوٹل مون ویو کی اوپری چاروں منزلیں اور چھت یوں برباد ہوئی تھی کہ اسفند یار اور اس کے محافظوں میں سے کسی کا بچ جانا معجزہ ہی ہو سکتا تھا اور یہ اسے یقین تھا کہ اب معجزے نہیں ہوتے۔ ہوٹل کے باہر موجود سیکورٹی فورسز کے جوانوں نے اس موٹر سائیکل کا بڑی بے جگری سے پیچھا کیا جس پر دو افراد سوار تھے۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے تو موٹر سائیکل دوڑا دی اور اس کے پیچھے سوار دوسرے شخص نے کلاشنکوف سے اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے تقریباً بارہ افراد کو ہلاک اور پچیس افراد کو زخمی کر دیا۔ جب تک سیکورٹی والے اس موٹر سائیکل تک پہنچتے' وہ ہر ممکن تباہی پھیلا کر رفو چکر ہو چکی تھی۔ اردگرد کے علاقے اور چاروں طرف کے ہر چوک کی ناکہ بندی کر دی گئی مگر ایک گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد بھی موٹر سائیکل اور اس کے سواروں کا کوئی پتہ نہ چلا۔ نجانے ان کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا تھا۔

ان سب بے سود کارروائیوں کے دوران شائنہ اپنی کار میں چیونٹی کی رفتار سے رینگتی ہوئی دوسری ٹرانسپورٹ میں پھنسی دھیرے دھیرے چلتی رہی۔

لوگوں کی دھکم پیل نے اسے بڑی بری طرح ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ اسے راستہ مل جائے اور وہ کسی ذیلی سڑک پر گھوم جائے مگر اس کے آگے پیچھے' دائیں بائیں کاروں' موٹر سائیکلوں اور دوسری سواریوں کا وہ رش تھا کہ بس۔ اس وقت اسے اپنی ایک بڑی حماقت کا احساس ہوا۔ اسے اس جگہ اپنی گاڑی پر نہیں آنا چاہیے تھا۔ اگر وہ ٹیکسی وغیرہ میں آئی ہوتی تو پیدل بڑی آسانی سے نکل گئی ہوتی مگر اب وہ گاڑی چھوڑ بھی نہ سکتی تھی۔ پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ایک دم اسے گاڑی روک لینا پڑی۔

اچانک اس کے اعصاب تن گئے۔ سٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ مضبوطی سے جم گئے آنکھیں بیس پچیس گز کے فاصلے پر ان پولیس والوں پر جم گئیں جو ہر گاڑی کو روک کر تلاشی لے رہے تھے۔

یہ گرین سکوائر تھا جہاں سے چاروں طرف راستے نکلتے تھے اور ہر راستے پر پولیس موجود تھی۔ اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ ساتھ والی سیٹ پڑے پرس پر آ رہا جس میں ریڈ ریز دم سادھے پڑا تھا۔ اگر یہ ہتھیار اس سے برآمد ہو جاتا تو.....؟ اور اس "تو" سے آگے اسے صرف اندھیرا دکھائی دیا۔ جیل' اذیت اور موت کا اندھیرا۔ اسے خود پر غصہ آ گیا۔ کیا ضرورت تھی ریڈ ریز کو ساتھ لے آنے کی؟ اسے وہیں فلیٹ کی ٹینکی میں چھوڑ دیتی تو اس وقت اس نازک صورتحال سے دوچار نہ ہوتی۔

بے اختیار اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور گھومتے ہوئے دماغ کے ساتھ سر سیٹ کے ساتھ ٹکا دیا۔

●●●

پولیس والے باری باری ہر گاڑی کی تلاشی لے رہے تھے۔ کوئی کار' کوئی موٹر سائیکل کوئی جیپ ان سے بچ کر نہ نکل رہی تھی۔ جس انداز میں وہ تلاشی لے رہے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں ہر شخص پر پورا شک ہے کہ مون ویو میں دھماکہ کر کے وہی فرار ہوا ہے۔

شائنہ نے ریڈ ریز کو نکالنے کے لئے پرس میں ہاتھ ڈالا اور ٹٹولنے لگی۔ اچانک اس کی انگلیاں کسی شے سے ٹکرائیں۔ ریڈ ریز سے نہیں' یہ تو کوئی اور شے تھی۔

ایک دم اس کے تنے ہوئے اعصاب میں نقب لگ گئی۔ بے اختیار اس کے ہونٹوں سے ایک گہری سانس خارج ہو گئی۔ اس کے ہاتھ نے ریڈ ریز کو گرفت میں لیا اور خاموشی سے اسے باہر نکال لیا۔ اپنی گاڑی کی کھڑکیوں سے باہر دائیں بائیں تنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اس نے ریڈ ریز کو شلوار کا پائنچہ اٹھا کر سکن کلر جراب میں اڑس لیا اور پائنچہ برابر کر کے اطمینان سے بیٹھ گئی۔

اسی وقت اس کے آگے والی گاڑی نے حرکت کی۔ شائنہ نے بھی ایکسیلیٹر پر پاؤں دباؤ بڑھا دیا۔ گاڑی چند فٹ سرکی اور پھر رک گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد شائنہ کی باری آئی۔ ایک پولیس والا اس کی کھڑکی کے قریب آ کر جھکا۔



"میڈم پلیز۔ باہر تشریف لے آئیں۔" وہ خود کو مہذب ثابت کرنے کی کوشش میں خاصا مضحکہ خیز ہو گیا۔

شائنہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ بائیں طرف گردن گھمائی۔ پرس سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکالا اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں منتقل کرتے ہوئے مسکرا کر اس انسپکٹر کی طرف دیکھا جو منتظر نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اِف یو ڈونٹ مائنڈ پلیز۔" شائنہ نے بڑی ادا کے ساتھ کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"جی۔" اس نے اس کی قاتل مسکراہٹ سے گھبرا کر جلدی سے کارڈ تھام لیا۔

"نعمان ہاشم۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ پھر اس پر شائع شدہ سبز مونوگرام کے بعد جب اس نے نعمان کا رینک پڑھا تو ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بے اختیار اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔

"سوری میڈم۔" اس نے کارڈ جھک کر شائنہ کو واپس تھماتے ہوئے کہا۔ "میں زحمت کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ آپ جا سکتی ہیں۔" اس نے شائنہ کی گردن سے نیچے نظریں دوڑاتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری اور بادل نخواستہ پیچھے ہٹ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر اس نے سپاہی کو اشارہ کیا جس نے عارضی طور پر قائم کردہ رکاوٹ ایک طرف سرکا دی۔

شائنہ نے بڑی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"تھینک یو انسپکٹر خالد۔" اس نے اسی جان لیوا مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سینے پر بائیں طرف آویزاں نیم بیج پر نگاہ ڈالی۔

"یو آر ویلکم میڈم۔" اس کا سینہ خواہ مخواہ پھول گیا اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ ایک بے حد اہم عہدے دار کی بیوی' بہن یا بیٹی نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ یہ اس کے لئے اعزاز کی بات تھی۔ شائنہ نے شام کے اترتے ہوئے اندھیرے میں ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہا اور گاڑی کو تیزی سے آگے بڑھاتی چلی گئی۔

انسپکٹر خالد نجانے کیا سوچتا ہوا اس گاڑی کی ٹیل لائٹ کو گھورتا رہا۔ ہوش اس وقت آیا جب پچھلی گاڑی والے نے اس کے قریب آ کر اس کی محویت کو ہارن دے کر ختم کر دیا۔

"کیا ہے؟" جھلا کر اس نے کہا اور جیسے چونک کر ہوش میں آ گیا..... "سوری سر۔" اس نے اپنی جھلاہٹ پر زبردستی کی مسکراہٹ کا خول چڑھایا۔ "براہ کرم باہر تشریف لے آئیے۔" کار کے اندر ایک شریف آدمی کو دیکھتے ہی اس کا لہجہ کرخت اور پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شائنہ نے فلیٹ میں پہنچ کر سب سے پہلے راہل سے رابطہ قائم کیا۔

''ہیلو راہل۔ کیسا رہا؟''

''شاندار بے بی۔ شاندار۔'' وہ جوش کے مارے بول نہ پا رہا تھا۔ ''اگر تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو میں تمہارا منہ چوم لیتا۔''

''اچھا۔'' وہ مسکرائی۔ ''بس صرف منہ ہی چومتے۔''

''ارے تم میرے سامنے ہوتیں تو بتاتا ناں کہ میں کیا کیا کرتا۔ بہرحال کامیابی مبارک ہو شائنہ۔ اسفند یار اپنے محافظ دستے کے سات فوجیوں سمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ہاہاہا۔ گریٹ انڈیا۔ گریٹ انڈیا۔'' وہ شاید خوشی کے مارے ناچ رہا تھا۔

''اف۔ میری تو جان ہوا ہو گئی تھی راہل۔''

''کیوں۔ کیا ہوا؟'' راہل چونک پڑا۔

جواب میں شائنہ نے اسے ریڈ ریز کے باعث مشکل میں پھنس جانے کا بتایا۔

''پھر..... پھر جان کیسے چھوٹی؟'' وہ بے تابی سے بولا۔

''میرے مجنوں کا کارڈ کام آ گیا۔'' اٹھلا کر شائنہ نے کہا۔ ''اس کا کارڈ تو جادو کی چھڑی ثابت ہوا راہل۔ انسپکٹر نے مجھے سلیوٹ کیا اور راستہ دے دیا۔''

''ارے واہ۔'' راہل نے چہک کر کہا۔ ''پھر تو تمہارا مجنوں بڑے کام کی شے ہے۔''

''وہ تو ہے۔'' وہ ہنسی۔

''اوکے۔ صبح بات ہو گی۔ ابھی مجھے ہیڈ کوارٹر اطلاع دینی ہے۔ وہ بے صبری سے انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ اور سنو۔ رات کے کسی حصے میں مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔ میں فلیٹ پر نہیں ہوں گی۔''

''کیا مطلب؟ کہاں جانا ہے تمہیں؟'' راہل نے تیزی سے پوچھا۔

''کیا میں تمہیں جوابدہ ہوں راہل؟'' اچانک شائنہ کی آواز سرد ہو گئی۔

''نہیں۔'' راہل نے جلدی سے کہا۔ ''پھر بھی اگر معلوم ہو کہ تم کہاں ہو تو اچھا ہے کسی وقت بھی ایمرجنسی ہو سکتی ہے۔''

''سوری راہل۔ ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے تم موجود ہو۔ میں کسی بھی ایسی بات میں تمہیں شریک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جس کا تعلق خالص میری ذات سے ہو۔''

''اور اگر چیف نے پوچھا تو؟'' راہل نے جیسے اسے دھمکایا۔



''اسے کہنا شائنہ مجھے بتا کر نہیں گئی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ اس کے بعد چیف جانے اور میں۔''

''اوکے بابا۔ تم تو آپے سے باہر ہوتی جا رہی ہو۔'' راہل ایک دم نرم پڑ گیا۔

''چیف سے کہنا مجھ سے کل دن میں کسی وقت ڈائریکٹ بات کرے۔ مجھے اس سے کچھ کہنا ہے۔''

''شائنہ۔ دیکھو ناراض مت ہو۔ میں تو.....'' راہل ہکلا کر رہ گیا۔

''فکر مت کرو۔ میں تمہاری شکایت نہیں کروں گی۔ مجھے چیف سے کچھ ذاتی کام ہے اور اس کے لئے براہ راست بات کرنا ہی بہتر ہے۔''

''میں تمہارا پیغام دے دوں گا۔ اوکے۔ گڈ بائی۔''

''گڈ بائی۔'' کہہ کر شائنہ نے موبائل آف کر کے بستر پر پھینک دیا۔ رسٹ واچ کلائی سے اتارتے ہوئے اس نے وقت دیکھا۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ ایشور داس کے پاس جانے میں ابھی ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔

اتنی دیر وہ کیا کرتی؟

کیوں نہ تھوڑی سی نیند لے لی جائے۔ اس نے سوچا۔ پھر موبائل پر ساڑھے آٹھ کا الارم لگا کر وہ بستر میں گھس گئی۔ بیڈ سوئچ دبا کر اس نے کمرے میں اندھیرا کیا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ پھر نیند آنے تک اس کے خیالوں میں ایشور داس اور ہنومان بیر اس بندر کا سراپا گڈمڈ ہوتا رہا' یہاں تک کہ وہ نیند کی نرم آغوش میں دبک گئی۔

پھر اچانک موبائل کی تیز چیخ نے اسے جگا دیا۔ وہ چونک کر جاگ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور اس کی سکرین روشن کر کے دیکھا..... فون راہل کا تھا۔ اس نے بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

''یس۔ شائنہ از دس اینڈ۔''

''شائنہ۔ چیف کا تمہارے لئے پیغام ہے۔''

''کیا؟'' وہ اٹھ بیٹھی۔

''چیف کل صبح گیارہ بجے تم سے بات کرے گا۔ خود کو اور انٹرنیٹ فریکوئنسی تھری سیون تھری ایٹ کو فری رکھنا۔''

''اوکے۔ اور کچھ؟''

''بس۔ اوکے۔ گڈ نائٹ۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"گڈ نائٹ۔" اس نے برا سا منہ بنا کر فون بند کر دیا۔ موبائل کو تپائی پر ڈالا اور
سے نکل آئی۔ سوا آٹھ ہو رہے تھے۔ اب سونے کا وقت نہیں بچا تھا۔
گرم پانی سے شاور لے کر وہ باہر نکلی۔ سرخ ساڑھی زیب تن کی۔ موبائل آن
کے پرس میں ڈالا اور باہر نکل آئی۔
شعلہ جوالہ بنی شائنہ ٹھیک نو بجے ایشور داس کے سامنے اس کے کمرے میں کھڑی تھی
ایشور داس نے اسے بڑی بھوکی نظروں سے دیکھا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔
اس کے بازو میں سمٹتی چلی گئی۔
ایشور داس نے اس کے ہونٹوں کی سرخی چرانے میں دو منٹ سے زیادہ کا وقت لے
تو وہ کسمسائی۔
"اوں ہوں۔" اس کا سانس رکنے لگا تھا۔
ایشور داس نے چہرہ اوپر اٹھایا اور ہونٹ چاٹتے ہوئے اسے بڑی عجیب نظروں سے
دیکھنے لگا۔
"کیا آج بھی رات والا ہی تماشہ ہو گا؟" اس نے ایشور داس کے سینے پر ہا
پھیرتے ہوئے پوچھا۔
"پورے سات دن یہی تماشہ ہو گا میری جان! کیا گھبرا گئیں؟" ایشور داس نے ا
کی آنکھ میں دیکھا۔
"نہیں۔ میں نے صرف اس لئے پوچھا تھا کہ شاید آج کوئی نیا کھیل کھیلا جانے
ہو؟"
"ہر رات نیا کھیل تم برداشت نہیں کر سکو گی بے بی۔" ایشور داس نے عجیب سے
میں کہا۔ "اور ویسے بھی تمہارے مطلب کے حصول کے لئے یہی کھیل مناسب ہے!"
"ایشور داس جی۔ ایک بات پوچھوں۔ برا تو نہیں مانیں گے؟" اس نے اچانک
کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔
"پوچھو۔" ایشور داس نے گول مول رسپانس دیا۔
"رات۔ آپ ہی میرے ساتھ تھے ناں؟" اس نے سرگوشی کی۔
"کیوں؟" چونک کر ایشور داس ہنس پڑا۔ "یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"
"بتائیے ناں؟" وہ اٹھلائی۔
"کوئی شک ہے تمہیں؟"



"شک نہیں۔" وہ سر اٹھا کر بولی۔ "یقین ہے۔"
"کس بات کا؟" ایشور داس اب مسکرا رہا تھا۔
"کہ رات۔" وہ ایک پل کو رکی۔ "آپ میرے ساتھ نہیں تھے۔"
ایک جھٹکے سے ایشور داس نے اسے اپنے آپ سے علیحدہ کر دیا۔ اس کی نظروں میں
سرد مہری اتر آئی تھی۔
"ایسا کیوں لگا تمہیں؟" وہ بولا تو اس کی ساری شگفتگی رخصت ہو چکی تھی۔
"بس۔ میں جب بھی یاد کرتی ہوں۔ سوچتی ہوں یہی احساس ہوتا ہے کہ....."
"کہ تم نے رات ہنومان جی کے ساتھ بتائی۔ ہے ناں؟" ایشور داس نے اس کی
بات پوری کر دی۔
"ہاں۔" بے اختیار شائنہ کے لبوں سے نکلا۔
"پگلی ہو تم!" ایشور داس نے رخ پھیر لیا۔ "ہنومان جی کیا اس قدر آسانی سے ہر
ایرے غیرے پر مہربان ہو جاتے ہیں۔"
"آپ کہنا چاہتے ہیں کہ رات....."
"یہ بھید بھاؤ کی باتیں ہیں شائنہ۔ ان کو کھوجنے کی کوشش مت کرو۔ سات راتیں
تمہیں میرے ساتھ بتانی ہیں۔ بتاؤ۔ اپنی مراد حاصل کرو اور لوٹ جاؤ۔ اس سے آگے پیچھے
اس کے اندر باہر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرو گی تو مشکل میں پڑ جاؤ گی۔"
"کیسی مشکل ایشور داس جی؟" شائنہ قطعاً خوفزدہ نہ ہوئی۔
"ایسی مشکل جس کا احساس تمہیں پچھتاوے کے نرک میں جھونک دے گا۔ تم سوچو گی
کہ کاش تم نے انجانے بھید جاننے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ کاش! تم خاموش رہتیں۔ تم نے
زبان نہ کھولی ہوتی۔ کاش تم نے اندر کی گرہیں کھولنے کے لئے انگلیوں کے بجائے دانتوں
سے کام نہ لیا ہوتا۔ شائنہ! انسان کو اتنا ہی اتاولا ہونا چاہئے جتنی اس میں طاقت ہو۔
برداشت سے زیادہ بوجھ اٹھایا جائے تو ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی ریڑھ کی ہڈی کو بچا
کر رکھو کہ اس کے گرد وہ جادوئی کمر بل کھاتی ہے جس کا ایک ایک انداز ایشور داس کی سوچوں
میں طوفان بپا کر دیتا ہے۔"
"ایشور داس جی۔" شائنہ گھوم کر اس کے سامنے آ گئی۔ "میں نے پچھتانا نہیں سیکھا۔
مجھے وہ بتائیے جو میں جاننا چاہتی ہوں۔ میرے اندر تجسس کی آگ یونہی نہیں بھڑک اٹھی۔
رات بھر جو سلوک آپ نے میرے ساتھ کیا' وہ کسی بڑے سے بڑے طاقتور آدمی کے بس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بھی بات نہیں ہے۔ پھر آپ کے جسم کی ہیئت کا بدل جانا.....''

''بس۔'' ایشور داس نے ہاتھ اس کے ہونٹوں پر جما دیا۔ ''اس سے آگے ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا تو بھسم ہو جاؤ گی۔'' اس کی آواز میں آگ کی سی لپک تھی۔ ''تم وہ کہہ رہی ہو جو تمہیں سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ ہنومان کا بھگت ہوں میں۔ مجھ میں ان کے بیر حلول کرتے ہیں۔ مجھ پر ان کا سایہ پڑ جاتا ہے تو کیا میں یہ کہہ دوں کہ تمہارے جیسی ایک عام ناری کے ساتھ ہنومان جی ہم بستر ہو گئے۔ نہ شائنہ نہ۔ ایسا خیال بھی کبھی دل میں نہ لانا۔'' اس نے شائنہ کے ہونٹوں پر سے اپنا مضبوط ہاتھ ہٹا لیا۔ شائنہ اسے حیرت اور بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔

''اس کا مطلب ہے.....'' شائنہ نے کہنا چاہا۔

''ہاں۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تم جو سوچ رہی ہو وہ غلط ہے۔ بالکل غلط۔ تم نے جو دیکھا' جو محسوس کیا' وہ سب تمہارا جھوٹا احساس ہے۔ تمہاری پاگل سوچ ہے۔ بے بنیاد وہم ہے۔ چھل کپٹ ہے جو تمہارا من تمہیں دے رہا ہے۔ تمہارا من تم سے کھلواڑ کر رہا ہے نادان شائنہ۔ اس کھیل سے باز آ جاؤ۔ اس کا انجام بڑا بھیانک ہو سکتا ہے۔''

''ایشور داس جی۔ آپ نے مجھے شش و پنج میں ڈال دیا۔'' شائنہ بے اعتباری کا شکار ہو گئی۔ ''میں تو سمجھی تھی.....''

''تم جو سمجھی تھیں وہ سب تمہارا وہم ہے۔ بھول جاؤ اسے۔ صرف یہ یاد رکھو کہ ایشور داس نے تمہارے ایک کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اسے وہ پورا کر کے رہے گا۔ اس میں کبھی شک مت کرنا اور بس۔ اس سے آگے کبھی سوچنا بھی مت۔''

''ایشور داس جی۔ ایک بات اور۔''

''اب بس کرو۔ وقت شروع ہونے والا ہے عمل کا۔''

''بس ایک چھوٹی سی بات۔''

''پوچھو۔'' ایشور داس نے کولہوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

''صبح جب میں فلیٹ پہنچی تو میرے بدن پر جگہ جگہ خراشوں اور نیل کے نشان تھے۔''

''نہانے سے وہ دھل گئے ہوں گے۔'' اس نے شائنہ کی بات اچک لی۔

''جی ہاں۔'' وہ حیرت سے بولی۔ ''آپ کو کیسے معلوم؟''

''میں تمہارا معالج ہوں شائنہ۔'' ایشور داس اس کو بازوؤں میں بھر کر تہ خانے کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ''میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ کس دوا کو کیا کرنا ہے۔ فکر مت



کرو۔ جو ہوتا ہے خاموشی سے دیکھتی جاؤ۔ ہاں اگر کوئی بات تمہیں تکلیف دے۔ کوئی الجھن لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنے تو ضرور بتانا۔ میں اس کا اسی وقت اپائے کر دوں گا۔''

تہ خانے کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے ایشور داس نے شائنہ کو ایک بار پھر اپنے ہونٹوں کے حوالے کر دیا۔ شائنہ نے خود کو اس کے سپرد کر دیا اور وہ اسے بازوؤں پر اٹھائے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ تہ خانے کی دیوار کے ساتھ ہنومان کا قد آدم بت ان کو اپنے سامنے فرش پر اس طشتری کے پاس آ کر رکتے دیکھ کر جیسے شانت ہو گیا جس میں چھ لڈو اور پان کے چھ بیڑے آنے والے وقت کے احساس سے بے نیاز خاموش پڑے تھے۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❁❁❁

**اسفند یار** کی ہلاکت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ پورے ملک کی مشینری ہل کر رہ گئی تھی۔ نعمان ایک اہم اور حساس عہدے پر فائز تھا۔ دہشت گردی کے اس واقعے نے اسے بھی اوپر والوں کے سامنے جوابدہی کے لئے لا کھڑا کیا۔ حالانکہ وہ اور اس جیسے اور بے شمار افسران نہ تو ایسے واقعات کے ذمے دار تھے نہ ایسی دہشت گردیوں کو ان کی لاپرواہی کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا تھا مگر اصول تو یہی ہے کہ نچلے افراد کی محنتوں اور جاں نثاریوں کو اگر اعلیٰ افسران کے سینوں پر تمغے بنا کر سجایا جاتا ہے تو کبھی کبھی ایسے نازک واقعات کی ذمے داری بھی ان کے حصے میں آ جاتی ہے اور ان کو اس صورتحال میں اپنے اوسان اور ضبط دونوں کا انتہائی حد تک مثبت مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔

نعمان نے دوسرے افسران کی طرح اپنے ماتحت افراد خصوصاً پولیس پر مکمل ذمے داری عائد کرتے ہوئے اپنی گردن بچانے کی کوشش تو نہ کی مگر پولیس کی نالائقی نے اسے خاصا برہم کر دیا۔ ہوا یہ تھا کہ دہشت گردوں نے بڑے اطمینان سے مون ویو ہوٹل کے باہر موجود سیکورٹی گارڈز' جو پولیس کی سپیشل فورسز کے جوانوں پر مشتمل تھے' کو بے وقوف بناتے ہوئے دھماکے کے فوراً بعد اندھا دھند فائرنگ کر کے اپنے پیچھے لگا لیا۔ پولیس کے ٹرینڈ اور پھرتیلے دستے اس موٹر سائیکل کے پیچھے بھاگتے رہے جس پر ایک ڈرائیور اور دوسرا فائرنگ کرنے والا سوار تھا جبکہ جس نے یہ سب کچھ کیا تھا وہ بآسانی بھیڑ میں گم ہو گیا۔ وہ مرد تھا' عورت' یہ خیال تو کسی کے ذہن میں نہ آیا البتہ تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ اسفند یار کے کمرے کو نشانہ بنانے میں ان موٹر سائیکل سواروں کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

نعمان اس تحقیقاتی ٹیم کے ہمراہ موجود تھا جس نے پوری باریک بینی اور ذمے داری کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ سڑک پر جس جگہ موٹر سائیکل سوار دہشت گردوں نے فائرنگ کی تھی وہاں سے اسفند یار کے کمرے کو نشانہ بنانا ممکن ہی نہ تھا۔



تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوا تو ایسٹ اینڈ ویسٹ شاپنگ پلازہ بھی لسٹ پر آیا۔ پھر چھ گھنٹوں کی چھان بین کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ دہشت گردی کی اس واردات کے لئے ایسٹ اینڈ ویسٹ شاپنگ پلازہ کی چوتھی منزل استعمال ہوئی تھی۔ البتہ وہ جگہ تلاش نہ کی جا سکی جہاں سے اسفند یار کے کمرے پر اٹیک کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس فلور پر کتنی ہی جگہیں تھیں جہاں سے بآسانی نشانہ لیا جا سکتا تھا۔ ان میں گلاس ونڈوز بھی تھیں جن کو پٹ کھول کر فائر کیا جا سکتا تھا۔ باتھ روم میں موجود روشندان اور کسی بھی دکان یا دفتر کی عقبی کھڑکی بھی اس مقصد کے لئے استعمال ہو سکتی تھی۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اس بات پر غور شروع کیا گیا کہ دہشت گرد ایسٹ اینڈ ویسٹ پلازہ میں ہتھیار لے کر کس طرح داخل ہوا جبکہ اس کے مرکزی دروازے پر دو گارڈ ہر وقت موجود رہتے ہیں جو اندر جانے والے افراد کو جدید سکینرز جیسے حساس آلات کے ذریعے چیک کرتے ہیں۔

اب معاملہ پوری طرح کلیئر ہونے کے باوجود ٹھس ہو گیا۔ پولیس اور فوج والوں نے لاکھ سر مارا مگر ایک انچ آگے نہ بڑھ سکے۔ کوئی کلیو ملتا ہی نہ تھا۔ بہرحال رات کے دو بجے جب نعمان گھر لوٹا تو اس کا دماغ پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اتنی طویل بھاگ دوڑ کے بعد نتیجہ جب صفر ہی رہا تو کوفت دس گنا زیادہ طاقت کے ساتھ اس پر سوار ہو گئی۔

اس نے گرم پانی سے غسل کیا اور کچھ کھائے بغیر بستر میں چلا گیا۔ ملازم نے کھانے کا پوچھا تو اس نے صرف کافی کے لئے کہا۔ پندرہ منٹ بعد وہ کافی کا کپ ہاتھ میں تھامے کمبل لپیٹے ٹی وی پر نیوز چینل کھولے بستر پر نیم دراز ہلکے ہلکے سپ لے رہا تھا۔ خبروں میں بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہی خبریں جو تین گھنٹے پہلے نشر کی گئیں وہی بار بار دہرائی جا رہی تھی۔

کافی ختم کر کے اس نے کپ سائڈ ٹیبل پر رکھا۔ ٹی وی آف کیا۔ نائٹ بلب جلایا اور کمبل سینے تک کھینچ لیا۔

وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر تھکے ہوئے دماغ اور جسم نے اسے نیند کی نعمت سے بہت دیر تک محروم رکھا۔ آخری لمحات میں جب اس کی پلکیں بوجھل ہوئیں تو وہ شائنہ کے بارے میں سوچ رہا تھا جس سے شادی کا خیال اسے خاصی حد تک بیزاری اور تھکاوٹ کے احساس سے دور لے گیا۔ پھر اسی کے خیالوں میں ڈوبا وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

❁❁❁

دوسری رات بھی وہی سب کچھ ہوا جو پہلی رات ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شائنہ جب صبح سات بجے ایشورداس کے ساتھ تہ خانے سے باہر آئی تو اس کا سارا جسم چور چور تھا۔ خراشوں اور نوچ کھسوٹ کے نشان اس کے سارے بدن پر دکھائی دے رہے تھے۔

اپنے کمرے میں آ کر ایشورداس نے خود کو بستر پر گرا دیا۔ اس کی حالت بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ نیند نے اچانک ہی گذشتہ کل کی طرح اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ بے سدھ ہو کر پڑ جائے۔

شائنہ نے چغے کے بند لگائے ہی نہ تھے۔ اسے لباس بدل کر ابھی رخصت ہو جانا تھا۔ اپنے کپڑوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے وہ رک گئی۔

''ایشورداس جی ایک بات کہوں۔''

''کہو۔'' ایشورداس نے بمشکل آنکھیں وا کیں۔

''اگر میں یہیں شاور لے لوں تو.....''

''باتھ روم وہ سامنے ہے۔ جاتے ہوئے دروازہ بند کرتی جانا۔''

ایشورداس نے اٹیچ باتھ روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور بستر پر پڑا کمبل اٹھا کر کھولنے لگا۔ پھر جب تک شائنہ باتھ روم میں داخل ہوتی وہ کمبل میں آدھا لپٹا آدھا باہر بے سدھ ہو گیا۔

شائنہ نے بیس پچیس منٹ تک گرم پانی کا لطف لیا۔ سردیوں کے دن اور تھکا ہوا بدن۔ اس کی خراشیں اور نیل اپنے ساتھ اس کے جسم کی ساری ٹوٹ پھوٹ لے کر بہہ گئے۔

شاور لینے کے دوران وہ مسلسل گذشتہ رات کے بارے میں سوچتی رہی۔ سب کچھ پہلی رات کی طرح ہوا تھا۔ کوئی تبدیلی نہ آئی تھی کسی بھی مرحلے میں۔ البتہ ایک بات جس کا کل تک اسے شک تھا آج یقین میں بدل گئی اور وہ یہ کہ ہنومان کا وہ قوی ہیکل بیر باقاعدہ ایشورداس کے جسم میں حلول کر جاتا تھا اور تمام رات وہ بظاہر ایشورداس کے مگر درحقیقت ہنومان کے اس بے پناہ طاقت کے مالک بیر کے تصرف میں رہتی تھی۔

آج رات اس نے جان بوجھ کر کوشش کی تھی کہ خود کو ممکنہ حد تک ہوش میں رکھے اور محسوس کرے کہ اس کے ساتھ کیا اور کس کے حوالے سے ہو رہا ہے اور اس کے حواس نے یہی گواہی دی تھی کہ ایشورداس کا صرف جسم استعمال ہوتا تھا' عملی کام سارا ہنومان کے بیر کے ذریعے ہوتا تھا۔ یہ بھی اس پر کھل گیا کہ جب ہنومان کا بیر' ایشورداس کے جسم میں حلول کر جاتا ہے تو ایک حد تک اس کی جسمانی ساخت بھی بدل جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ایشورداس کے



ہاتھ اور بازو بالوں سے بھر جاتے ہیں۔ انگلیوں کے ناخن بڑھ جاتے ہیں' کمر اور پشت زیادہ مضبوط اور سینہ مزید چوڑا ہو کر ابھر آتا ہے۔ پھر سب سے نمایاں تبدیلی یہ پیدا ہوتی ہے کہ ایشورداس کے حلق سے غیر انسانی غراہٹیں اور انتہائے جذبات کے لمحات میں بندروں جیسی خوخیانے کی آوازیں بڑے تسلسل کے ساتھ خارج ہونے لگتی ہیں۔

شائنہ نے خاص طور پر ایشورداس کے جسم کا جائزہ لیا اور اس کے مفروضے کو اور تقویت اس شے نے دی کہ ایشورداس کا سر' سینہ' بازو' سب گھنے بالوں سے مبرا تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر سارے جسم کے بال صاف کرا دیئے ہوں۔ اب اگر رات بھر وہ ایشورداس کے ساتھ رہتی تھی تو اس کے جسم پر بال کیسے اُگ آتے تھے۔ اس آخری بات نے اس کے شک کو یقین میں بدل کر رکھ دیا۔ کیونکہ وہ دیکھ چکی تھی کہ ہنومان جب بُت سے زندہ وجود میں ڈھلتا ہے تو اس کا حلیہ بعینہ وہی ہوتا تھا' جو اس کے بیر کا۔ جسم کی ساخت بالکل وہی ہوتی تھی جس نے اسے ایشورداس کے بارے میں مشکوک کر دیا تھا۔

شاور لے کر جب وہ باتھ روم سے نکلی تو اس بات پر اس کے دل و دماغ متفق ہو چکے تھے کہ ایشورداس اس کے لئے جو بھی عمل کر رہا ہے اس کے نتیجے میں وہ دو راتیں ہنومان کے بیر کے ساتھ بسر کر چکی ہے اور ابھی پانچ راتیں مزید اسے اسی کیفیت میں گزارنا تھیں۔

کپڑے پہن کر اس نے ایک نظر دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند میں ڈوبے ایشورداس کی طرف دیکھا۔ پھر کمرے سے نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ پرس کو کندھے پر لٹکائے وہ ایشورداس کے گھر سے نکلی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔ محلے کے دو چار افراد نے اس کی طرف دیکھا۔ کسی ایک نظر میں بھی اس کے لئے کوئی اچھا تاثر نہ تھا۔ وہ اس کی وجہ بخوبی جانتی تھی۔ ظاہر ہے جو عورت رات بھر ایشورداس کے ساتھ اس کے گھر میں رہی ہو وہ کسی اچھے کام کے بعد تو علی الصبح وہاں سے رخصت نہیں ہو رہی ہو گی۔

مین روڈ پر آ کر اس نے سر جھٹک کر سوچوں کو دل و دماغ سے نکال پھینکا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ وہ خود بھی جلد سے جلد گھر پہنچ کر بستر پر گر جانا چاہتی تھی۔

●●●

پونے گیارہ بجے تھے جب اس کے موبائل نے شور مچا دیا۔ ہر دو منٹ بعد جب وہ چیختا رہا تو بالآخر اسے بیدار ہونا پڑا۔ بمشکل آنکھیں کھول کر وہ بستر سے نکلی۔ تپائی سے موبائل اٹھا کر آف کیا۔ وہ پونے گیارہ کا الارم لگا کر سوئی تھی۔ کیونکہ گیارہ بجے اسے چیف سے بات کرنا تھی۔ چیف کا خیال آتے ہی اس کا سارا خمار ہرن ہو گیا۔ موبائل واپس تپائی پر ڈال کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس نے لائٹ آن کی۔ وقت دیکھا۔ گیارہ بجنے میں سات منٹ باقی تھے۔ تیزی سے وہ باتھ روم کی طرف بڑھی۔ آنکھوں پر سرد پانی کے چھینٹے مارے۔ تولئے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے باہر نکلی۔ اس کا سرخ و سفید شفاف بدن گلابی نائٹی میں دمک رہا تھا مگر اس وقت اسے اس حال میں دیکھنے والا وہاں کون تھا؟ تولیہ بستر پر پھینک کر وہ دوسرے کمرے میں آئی۔ دیوار کے ساتھ میز پر کمپیوٹر سجا تھا۔ کرسی پر بیٹھ کر اس نے اسے آن کیا۔ دو منٹ بعد وہ وائس چیٹنگ کے لئے بالکل تیار تھی اور ابھی گیارہ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا۔

ٹھیک گیارہ بجے وہ سکرین پر چیف کو دیکھ رہی تھی جو اپنے آفس میں بڑی سی شیشے کے ٹاپ والی میز کے عقب میں بیٹھا تھا۔ پچاس پچپن سال کا مضبوط بدن اور شاندار صحت کا مالک اودے نرائن دہلی ملٹری بیس میں جنرل ڈیول کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی کھوپڑی میں شیطان نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ایسے خطرناک آپریشنز کے لئے منتخب کیا جاتا جو دوسروں کے لئے ناممکن کے زمرے میں آتے تھے۔ پاکستان میں دہشت گردی کی وارداتوں کے لئے اسے خاص طور پر اپوائنٹ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنی ذمے داریوں کو عجب انداز میں پورا کیا اور کم سے کم افراد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تباہی کے پلان پر عمل کرتے ہوئے صرف چار افراد کو پاکستان میں منتقل کر دیا۔ ان میں راہل' شائنہ' پردیپ اور کمار شامل تھے۔ راہل اور شائنہ برابر کے رینک کے حامل تھے۔ پردیپ اور کمار ان کے ماتحت تھے۔ باقی نفری وقت پڑنے پر وہاں پر پہلے سے موجود مقامی مددگاروں یا عارضی طور پر ہائر کئے جانے والے افراد سے پوری کر لی جاتی تھی مگر اصل کام انہی چاروں کو کرنا ہوتا تھا۔

شائنہ اور راہل نے تین سال سے پاکستان کے مختلف شہروں میں اودھم مچا رکھا تھا مگر کسی کو آج تک ان پر شک نہ ہو سکا تھا۔ وہ اپنا کام اس طرح مکمل پلاننگ کے ساتھ ہاتھ پاؤں بچا کر کرتے تھے کہ خود صاف نکل جاتے تھے۔ شائنہ ملٹری کی تربیت یافتہ اور اپنے حلقے میں لیڈی فاکس کے نام سے جانی جاتی تھی۔ خوبصورتی اور شباب کے ساتھ اس کا تیسرا ہتھیار وہ خطرناک ذہن تھا جس کو جنرل ڈیول کی آشیرواد حاصل تھی۔ وہ اس کی خاص منظور نظر تھی اور جنرل' حسن کے ساتھ ساتھ اس کے دماغ کا بھی قائل تھا۔ خاص خاص مواقع پر ہی وہ اس سے مخاطب ہوتا تھا اور اس کے لئے وہ انٹرنیٹ پر ایک خاص ویب سائٹ کا استعمال کرتے تھے جسے ٹریس کرنا ناممکن تھا۔

آج بھی چیف نے اسے تقریباً چھ ماہ بعد گفتگو کے لئے وقت دیا تھا۔ ورنہ تو راہل اس سے ہدایات لیتا اور رپورٹ دیتا رہتا۔



"ہیلو شائنہ!" چیف نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ کمپیوٹر سکرین پر اسے اپنے آفس میں بیٹھا صاف دیکھ رہا تھا۔

"گڈ ڈے چیف۔" وہ بھی مسکرائی۔

"تمہاری کارکردگی بے حد شاندار رہی ہے۔"

"تھینکس چیف۔" اس نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے جواب دیا۔

"آج کی ملاقات کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ تمہیں کل کی کامیابی پر مبارک باد دی جائے۔" چیف کی آواز بے حد خوشگوار موڈ کا پتہ دے رہی تھی۔

"اور دوسرا مقصد چیف؟" وہ بال سنوارتے ہوئے بولی۔

"دوسرا مقصد تم سے براہ راست یہ معلوم کرنا تھا کہ نعمان ہاشم کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟"

"چیف۔ وہ مجھ سے شادی پر تُل گیا ہے۔"

"ویری گڈ۔" چیف نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر شائنہ۔ کیا تم اس سے شادی کو اپنے آئندہ منصوبوں میں رکاوٹ نہ بنا لو گی۔"

"نہیں چیف۔ میں نے اس کا ایک اور بندوبست کیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"پہلے میں اس کی وضاحت کر دوں کہ میں نے جو بندوبست کیا ہے وہ کیوں کیا ہے؟"

"ہاں ہاں۔ کہو۔"

"چیف۔ یہ جو مسلمان ہوتے ہیں ناں۔ ان کی غیرت' حب الوطنی اور مذہب پرستی جب جاگتی ہے تو یہ نہ اپنی جان کی پرواہ کرتے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ سامنے والا ان کا کس قدر چہیتا ہے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ میں نعمان کو اس طرح قابو میں کروں کہ وہ مذکورہ جذبوں کے بارے میں سوچ تو سکے مگر ان کو بیدار ہونے نہ دے۔ غیر اختیاری طور پر وہ میرے بارے میں وہ سوچے جو میں چاہتی ہوں۔ اسے ساری دنیا میں ایک ہی چشمہ لگا کر ہر منظر دیکھنا پڑے اور اس چشمے کا نام ہو..... شائنہ۔"

"رکو مت۔ کہتی رہو۔" چیف نے اسے سانس لینے کے لئے رکتے دیکھ کر کہا۔

"اس لئے چیف۔ میں نے روایتی ہتھکنڈوں سے ہٹ کر ایک خاص طریقہ اختیار کیا۔ روایتی طریقوں میں تو یہ شامل تھا کہ میں اسے کسی طرح بلیک میل کرنے لگتی۔ اس کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ساتھ اپنی ویڈیو بنوالیتی۔ اس کی کسی اور کمزوری کا فائدہ اٹھاتی مگر یہ رسکی طریقے ہیں۔ کسی بھی وقت وہ بھڑک اٹھتا تو اپنے ساتھ میری جان بھی لے کر قصہ ختم کر دیتا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ میں نے بتایا ناں کہ ان مسلمانوں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھے تو یہ جان لینے اور جان دینے کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اس لئے مجھے وہ کرنا پڑا جو عام حالات میں کوئی سوچ بھی نہ سکتا۔ شاید آپ بھی نہیں۔''

''کیا؟'' چیف حیرت سے اچھل پڑا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو شائنہ۔ وہ کون سا طریقہ ہے جس کے بارے میں میرا شیطانی دماغ بھی نہ سوچ سکتا تھا؟'' اس کے لہجے میں ہلکی سی ناخوشگواری ابھری۔

''برا مت مانیے چیف!'' شائنہ نے جلدی سے کہا۔ ''وہ طریقہ ہی ایسا ہے کہ آپ یا کوئی بھی اعلیٰ دماغ اپنی پوزیشن' اپنی تعلیم اور ماحول کے حوالے سے اس کے بارے میں واقعتاً سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں مزید لفاظی کے بغیر تمہارے اس انوکھے طریقے کے بارے میں جاننا چاہوں گا شائنہ۔'' چیف نے موڈ بدل کر بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔

''کالا جادو چیف۔'' شائنہ نے انکشاف کیا۔

''کالا جادو؟'' چیف کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ ایسے تاثرات ابھرے جیسے وہ شائنہ کو بے وقوف خیال کر رہا ہو۔

''یس چیف۔ کالا جادو۔'' شائنہ نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو شائنہ؟'' چیف کا موڈ واقعی بگڑ گیا۔ ''اس تعلیم یافتہ دور میں ایسے ایڈوانس ماحول میں تم کیسی جاہلانہ باتیں کر رہی ہو۔''

''اگر آپ میری بات سنیں گے تو آپ مجھ سے متفق ہو جائیں گے چیف۔''

''سن رہا ہوں تبھی تو کہہ رہا ہوں کہ تمہیں وہاں ٹیررسکواڈ کی ریڑھ کی ہڈی کے طور پر بھیجا گیا ہے' جادو ٹونے کے لئے نہیں۔ تم اپنا اور ہمارا وقت ضائع کر رہی ہو شائنہ۔ جبکہ وقت ہی ہمارے لئے سب کچھ ہے۔'' چیف بگڑتا چلا گیا۔

''ہرگز نہیں چیف۔'' شائنہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔ ''میں ثابت کر سکتی ہوں کہ میں جو کر رہی ہوں غلط نہیں ہے اور اس کے ثمرات بے حد شاندار ہوں گے۔''

''دیکھو شائنہ۔'' چیف نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ اس کا لہجہ خشک ہو گیا۔ ''مجھے صرف دو باتوں سے غرض ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ میرے لوگ ایکسپوز نہ



جائیں تاکہ مجھے نئے سرے سے سارے منصوبے اور افراد ترتیب نہ دینے پڑیں۔ اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور سارا کام بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رزلٹ میری مرضی کا آنا چاہیے۔ مگر تم جس طرف چل نکلی ہو وہ وقت' روپے اور پلاننگ' تینوں کے لئے نقصان کا سودا ہے۔''

''میں معذرت کے ساتھ کچھ کہنا چاہوں گی چیف۔'' شائنہ نے بڑی نرمی سے کہا۔

''کہو۔ مگر مختصر الفاظ میں۔''

''آج تک جتنے بھی پلان میرے ذریعے عمل میں لائے گئے' کیا کسی میں ہم لوگ ایکسپوز ہوئے؟''

''نہیں!'' چیف نے جواب دیا۔

''کسی منصوبے میں ناکامی ہوئی یا رزلٹ آپ کی توقع سے کم آیا ہو؟''

''نہیں۔ بلکہ میں یہ اعتراف کروں گا کہ رزلٹ ہمیشہ میری توقع سے بڑھ کر شاندار رہا ہے۔''

''اگر میں اب تک آپ کی دونوں شرائط پوری کرنے میں کامیاب رہی ہوں تو پھر مجھے اتنی رعایت تو ملنی چاہیے کہ میں اپنے طور پر بھی اگر کوئی قدم اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکوں اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں جو بھی کروں گی' گریٹ انڈیا ہی کے لئے کروں گی۔ اس کی کامیابی کے لئے کروں گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے شائنہ..... مگر یہ جادو ٹونہ۔ یہ ہمارے منصوبوں اور موجودہ زمانے کی ایڈوانس ٹیکنالوجی سے کہاں میل کھاتے ہیں؟ مجھے تو یہ وقت کا زیاں لگتا ہے۔ اس کے بجائے اگر تم کوئی اور طریقہ اپناؤ' جو بے شک بلیک میلنگ ہی کے زمرے میں آتا ہو' تو میرا خیال ہے تم زیادہ جلدی اور بہتر طریقے سے کامیابی حاصل کر سکتی ہو۔''

''سوری چیف۔'' شائنہ کا لہجہ اب بھی نرم ہی تھا۔ ''میرا خیال اس بارے میں آپ سے کچھ مختلف ہے۔ آپ یہ تو جانتے ہیں ناں کہ جادو ہمارے دھرم کی بنیادوں میں سے ہے۔''

''ہاں۔ مگر میں اس بارے میں کچھ زیادہ شعور نہیں ہوں اور نہ تفصیلی معلومات رکھتا ہوں۔''

''پھر بھی چیف۔ آپ مانتے تو ہیں ناں کہ ہمارے پنڈت پجاری کالے جادو کے ماہر ہوتے ہیں۔ کالی' درگا' ہنومان ہمارے وہ دیوی دیوتا ہیں جو ہر ناممکن کام کو ممکن بنا دیتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہماری سہایتا کرتے ہیں۔"

"ہوگا شائنہ۔ میں نے کہا ناں کہ سننے کی حد تک میری معلومات ضرور ہیں' اس سے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔" چیف اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نعمان جس سیٹ پر ہے چیف۔ کیا وہ مستقل بنیادوں پر ہمارے کام نہیں آ سکتا؟" ایک دم شائنہ نے بات بدل دی۔

"کیوں نہیں آ سکتا۔ میں نے یہ سوچ کر ہی تمہیں اس پر ورک کرنے کو کہا تھا۔"

"تو اگر اسے ہمیشہ کے لئے اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے میں کالے جادو کا سہارا لے رہی ہوں اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے جو آپ کو یا آپ کی کسی پلاننگ کو ڈسٹرب کرے تو اس میں حرج ہی کیا ہے چیف؟"

"شائنہ۔ اس میں وقت برباد ہو رہا ہے اور وقت ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔" چیف نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں جانتی ہوں چیف۔ آپ کی ٹریننگ میں رہ کر یہ بنیادی اصول میں پلے باندھ چکی ہوں۔"

"اس کے باوجود تم کالے جادو کے چکروں میں پڑی ہوئی ہو۔ ڈیم اٹ شائنہ۔"

"چیف۔ میں جس آدمی کے ذریعے یہ کام کر رہی ہوں وہ یہاں کا بہت مہان شکتی مان ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے اس کے کئے ہوئے ایسے کام دیکھ چکی ہوں جو کسی بھی دوسرے عامل کے لئے ناممکن ہیں۔"

"سب بکواس ہے شائنہ۔ سب شعبدے بازیاں ہیں۔ ہمارے پنڈت پجاری اگر ایسے ہی عامل کامل ہوتے تو راجیو گاندھی بم بلاسٹ میں اڑ نہ گیا ہوتا۔"

"وہ بھی تو ان باتوں میں وشواس نہیں رکھتا تھا چیف۔" منہ بنا کر شائنہ نے کہا۔

"مگر آخری دنوں میں وہ بھی پنڈت پجاریوں کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پھر بھی موت سے نہ بچ سکا۔"

"یہاں معاملہ موت سے بچنے کا نہیں ہے چیف۔" شائنہ نے بڑے تحمل سے بحث جاری رکھی۔ "یہاں تو ایک شخص کو قابو میں رکھنے کی بات ہے اور میں جس عامل کی بات کر رہی ہوں وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانا جانتا ہے۔"

"اچھا۔" چیف نے تمسخر سے کہا۔ "ویسے آج تک مجھے کوئی ایسا پنڈت یا پجاری نہیں جو ایسا کرشمہ کر سکے۔"



"وہ نہ پنڈت ہے نہ پجاری سر۔ وہ ایک عیسائی عامل ہے۔ ایشور داس اس کا نام ہے اور وہ ہنومان کا بھگت ہے۔"

"ہنومان کا بھگت ہونے سے کیا ہوتا ہے شائنہ۔" چیف اب بھی اسی لہجے میں بولا۔

"کیا وہ مجھے تمام رسمیات کرا کر کے انڈین آرمی کا چیف آف سٹاف بنا سکتا ہے۔"

"یہ تو مجھے علم نہیں چیف کہ وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں لیکن وہ جو کر سکتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔"

"بہت بڑا دعویٰ کر رہی ہو شائنہ۔" چیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور تمہارے لہجے کا یقین اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کوئی خاص آدمی ہے جس نے تمہیں متاثر کر لیا۔"

"جی ہاں چیف!" شائنہ کو چیف کے لہجے نے حوصلہ دیا۔ "وہ اتنا ہی خاص آدمی ہے کہ میں اس سے نعمان کو مستقل بنیادوں پر اپنے قبضے میں کرنے کا کام لینا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر کیا تم نے اسے بتا دیا کہ نعمان کون ہے اور کس سیٹ پر ہے؟"

"نہیں چیف۔" شائنہ نے مسکرا کر کہا۔ "کیا میں آپ کو ایسی ہی بیوقوف لگتی ہوں؟"

"بے وقوف ہوتیں تو اودے نرائن کے بستر سے سیدھی ٹیرر سکواڈ میں نہ پہنچ گئی ہوتیں۔" چیف نے سکرین پر اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھا۔

جواب میں شائنہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر رہ گئی۔

"اور سنو شائنہ۔ ایک بار پھر میں یہی کہوں گا کہ ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرو۔ خود کو ایکسپوز ہونے سے بچاؤ اور ہو سکے تو اس جادو ٹونے سے الگ رہ کر کام کرو۔ یہ ہمارے معاملات سے میل نہیں کھاتا۔"

"مجھے یہ تجربہ کر لینے دیجئے چیف۔ پلیز۔ میں اگر اس میں ناکام رہی تو وعدہ کرتی ہوں آئندہ پوری زندگی اس طرح کی کوئی حماقت نہیں کروں گی۔"

"اوکے۔ کتنا عرصہ درکار ہے تمہیں اس کے لئے؟" چیف نے بہ امر مجبوری کہا۔

"صرف ایک ہفتہ۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

"اوکے۔ اب آ جاؤ وہیں پر جہاں سے تم نے بات شروع کی تھی۔" چیف نے زیر بحث موضوع سے جان چھڑاتے ہوئے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ کل کی واردات میں کتنے لوگ کھیت رہے؟"

"چیف!" شائنہ سنبھل کر بولی۔ "اسعد یار جس فلور پر ٹھہرایا گیا تھا وہاں اس کے محافظ دستے کے سات اور پولیس کے اٹھائیس افراد کی ڈیوٹی تھی۔ ان میں سے تو کوئی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بچا۔ وہ اسفندیار سمیت اوپر چلے گئے۔ اس سے اوپر ہوٹل کے تینوں فلور خالی کرا لئے گئے۔ اسی لئے ہوٹل میں تو اتنے ہی لوگ مارے گئے' ہاں ہوٹل کی چار منزلوں کی تباہی سے پچھلی منزلوں' اردگرد اور نیچے سڑک پر موجود افراد میں ستر مرد' پچیس عورتیں اور سترہ بچے ہلاک ہوئے۔ یہ تو ہیں غیر سرکاری اعداد و شمار اور سرکاری اعداد و شمار.....''

''وہ ہمیشہ ہمارے ملک کی طرح بوگس ہوتے ہیں شائنہ' یہ میں خوب جانتا ہوں۔ بہرحال یہ بھی کوئی کم نقصان نہیں ہے۔ ویسے بھی سب سے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ اسفندیار مارا گیا۔ اب ایران کے ساتھ پاکستان کے تعلقات میں جو بہتری آ رہی تھی' جو دفاعی سمجھوتے ہونے والے تھے وہ سب ایک عرصے کے لئے ٹائیں ٹائیں فش ہو گئے۔ اصل کامیابی یہ ہے۔ اصل نقصان یہ ہے جو ہمارے حق میں جاتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں چیف۔ اور کمار نے اپنے مقامی ساتھی کے ساتھ جو عام لوگوں پر فائرنگ کی اس سے ہونے والا جانی و مالی نقصان الگ ہے۔''

''ویری گڈ۔'' چیف نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''تم نے اپنا فرض خوب نبھایا شائنہ۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔''

''تھینک یو چیف۔'' وہ اندر تک سرشار ہو گئی۔ اس کا چیف اسے سراہ رہا تھا۔ یہ کوئی کم خوشی کی بات نہیں تھی۔

''ارے ہاں۔ رابل دبے لفظوں میں تمہاری شکایت کر رہا تھا شائنہ۔'' اچانک چیف کو کچھ یاد آ گیا۔

''کیسی شکایت چیف؟'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''مائنڈ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' چیف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''میں نے اس کی تسلی کرا دی ہے۔ آئندہ وہ تمہارے معاملات میں قطعاً دخل نہیں دے گا۔ ویسے تم ذرا احتیاط کیا کرو۔ عام لوگوں کی نظروں میں جتنا کم سے کم آؤ' اتنا ہی بہتر ہے۔''

''میں ان دنوں صرف ایشور داس کے پاس رات کو ایک مخصوص وقت تک کے لئے جا رہی ہوں چیف۔ چار پانچ دن مزید جانا ہے۔ اس کے بعد.....''

''او کے بابا او کے۔ تم سے کہا ناں۔ مائنڈ مت کرو۔ اور اب موڈ ٹھیک کر لو۔ یہ بتاؤ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

''نو چیف!'' شائنہ نے فوراً چہرے کے تاثرات پر قابو پا لیا۔ ''آپ کی کرپا سے سب کچھ حاصل ہے۔ کسی شے کی ضرورت نہیں۔''



''میری بھی نہیں؟'' چیف کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔

''مجھے تو ہر وقت آپ کی ضرورت ہے چیف۔ آپ ہی کو میری ضرورت نہیں تھی جو یہاں بھجوا دیا۔'' وہ شکایت آمیز انداز میں بولی۔

''مجبوری تھی شائنہ۔ ورنہ میں تمہیں اتنی دور کبھی نہ بھیجتا کہ وہاں سے صرف تمہاری تصویر اور آواز پر گزارا کرنا پڑتا۔''

''کیا میں اس پر یقین کر لوں چیف؟'' وہ اسے شریر نظروں سے دیکھ کر بولی۔

''تم جانتی ہو' میں غلط بیانی سے کتنا الرجک ہوں شائنہ۔''

''جانتی ہوں چیف!'' وہ ہنس پڑی۔ ''میں تو آپ کو تنگ کر رہی تھی۔''

''بہرحال۔'' چیف نے بات کو سنجیدگی کا رخ دیا۔ ''نعمان کو جلد سے جلد پھانس لو۔ ہمارے لئے دفاعی راز حاصل کرنے کا وہ بہترین ذریعہ ہے اور جتنی دیر ہو گی ہمارے لئے مضر ہو گی۔''

''صرف ایک ہفتہ چیف۔ اس کے بعد آپ تک ہروہ انفارمیشن پہنچنا شروع ہو جائے گی جو آپ کو درکار ہو گی اور جس کا تعلق نعمان سے ہو گا۔''

''ٹھیک ہے۔ ایک ہفتہ اور دیکھ لیتے ہیں۔''

''ویسے چیف۔ ریڈریز کی کارکردگی حیرت انگیز حد تک شاندار ہے۔''

''یہ تو کچھ بھی نہیں شائنہ۔ اسرائیل سے ایک ماہ بعد نئے شارٹ weapon آ رہے ہیں۔ مختصر ترین شکل میں لامتناہی تباہی کے حامل پسٹل اور ٹائم بم۔ ریڈریز سے زیادہ تباہ کن۔ ریڈریز کی رینج تین سو گز اور رزلٹ دو راکٹ لانچرز کے برابر ہے۔ جدید ہتھیار اس سے دس گنا زیادہ طاقت کے مالک ہیں۔''

''اسرائیل اور امریکہ جس طرح ہمیں سپورٹ کر رہے ہیں چیف' ہم پاکستان میں ایسی تباہیاں پھیلائیں گے کہ ان مسلمانوں کو آزادی کا مفہوم بھول جائے گا۔''

''یہی ٹارگٹ ہے ہمارا شائنہ۔ اور ہمیں اسے ہر حال میں حاصل کرنا ہے۔''

''ایسا ہی ہو گا چیف۔'' شائنہ نے ایک عزم سے کہا۔

''او کے۔ اینڈ گڈ بائی۔'' چیف نے اس کی طرف ہوائی بوسہ اچھالا۔

''گڈ بائی سر۔'' شائنہ نے بوسہ ریسیو کیا اور ماؤس پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھ گیا۔ انٹرنیٹ کنکشن ختم ہو گیا۔ اس نے کمپیوٹر آف کیا اور اٹھ گئی۔

کمرے کی لائٹ آف کر کے وہ اپنے بیڈ روم میں آئی تو موبائل نجانے کب سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اسے پکار رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ نعمان کا فون تھا۔ وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

''ہیلو۔'' بڑے دھیمے لہجے میں اس نے کہا۔

''ہیلو شائنہ۔ میں کب سے ٹرائی کر رہا ہوں۔ کہاں تھیں تم؟'' بے صبری نعمان کی آواز سے چھلکی پڑ رہی تھی۔

''پہلے یہ بتایئے آپ کہاں تھے مسٹر نعمان!'' وہ چمک کر بولی۔ ''آپ تو صبح نو بجے فون کرنے والے تھے۔''

''سوری شائنہ۔'' نعمان کا لہجہ بجھ سا گیا۔ ''تم نے خبریں نہیں سنیں۔ کل شام مون لائٹ ہوٹل میں ایرانی ملٹری اتاشی.....''

''اوہ۔ میں اب سمجھی۔'' شائنہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تو تم اس سلسلے میں الجھے ہوئے تھے۔''

''ہاں۔ اسی لئے صبح تمہیں فون نہیں کر سکا۔ صبح سات بجے سے میٹنگ چل رہی تھی۔ ساڑھے گیارہ بجے فارغ ہوا۔ تب سے اب تک مسلسل تمہیں کیچ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''سوری نعمان۔ میں جان بوجھ کر اٹنڈ نہیں کر رہی تھی۔ میں نے صورتحال جانے بغیر اپنی ناراضگی پر کمر باندھ لی۔ اگر مجھے تمہاری مجبوری کا علم ہوتا تو میں ایسا ہرگز نہ کرتی۔'' اس نے بڑی خوبصورتی سے صورتحال کی ذمے داری نعمان پر ڈال دی۔

''تم جانتی ہو شائنہ۔ میں تمہارے معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہو سکتا اس لئے پلیز..... مجھے کبھی غلط نہ سمجھنا۔ کوئی ایسی ہی بپتا آن پڑے جو مجھے تم سے دور کرنے کی طاقت رکھتی ہو تو اور بات ہے ورنہ.....''

''میں جانتی ہوں نعمان۔ تم بالکل معذرت خواہ نہ ہو۔ میں غلطی پر تھی۔ آئندہ احتیاط کروں گی۔''

''اوکے۔ اب بتاؤ۔ طبیعت کیسی ہے؟''

''بس چل رہا ہے۔'' اس نے بات ٹالی۔ ''شام کا کیا پروگرام ہے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ تم بولو۔ کوئی خاص بات!''

''نہیں۔ میں چاہتی تھی۔ چار پانچ بجے کے قریب کہیں ملتے۔''

''میں اگر فارغ ہوا تو تمہیں فون کروں گا شائنہ۔ وعدہ نہیں کر سکتا۔ صورتحال بے



یقین کن ہے اور میں بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ مگر ایک بات آج ہی کہہ دوں تاکہ وقت آنے پر تم کوئی بہانہ نہ بنا سکو۔''

''بہانہ۔ اور تم سے؟'' نعمان ہنسا۔ ''کیا اب بھی مجھ پر یقین نہیں ہے۔''

''میرا مطلب تھا سرکاری مصروفیات کے آڑے آنے کی بات نہ کرنا۔''

''تم کچھ کہو تو۔ بات کیا ہے؟''

''آج سے ٹھیک پانچویں دن' صبح آٹھ بجے سے باقی سارے دن کے لئے تم میری ایپوزل پر ہو گے۔''

''آج سے پانچویں دن۔ تاریخ کیا ہو گی اس دن؟''

''سترہ۔ اور دن ہو گا ہفتے کا۔''

''کہیں جانا ہے کیا؟ میرا مطلب ہے شہر سے باہر؟''

''نہیں۔ اس دن میں تمہیں بہت بڑا سرپرائز' بہت بڑا گفٹ دینے والی ہوں۔''

''کیسا سرپرائز۔ کیسا گفٹ؟'' نعمان اشتیاق سے بولا۔

''اگر بتا دیا تو سرپرائز کیا رہا نعمان؟'' مسکرا کر شائنہ نے کہا تو نعمان جھینپ گیا۔

''اوکے۔ میں یاد رکھوں گا۔''

''اور ایک بار پھر کہہ دوں۔ کوئی مصروفیت اس دن تمہارے اور میرے درمیان دیوار نہیں بن سکے گی۔ یہ وعدہ کرو۔''

''بڑی مشکل میں ڈال رہی ہو شائنہ۔ موجودہ صورتحال میں کوئی بھی وعدہ کرنا اور وہ بھی وقت سے پہلے' بے حد مشکل ہے۔ پھر بھی۔ میں پوری کوشش کروں گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ ضد پر اتر آئی۔ ''اگر تم وعدہ نہیں کرو گے تو میں.....''

''کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے مت نکالنا شائنہ۔'' ایک دم نعمان نے گھبرا کر کہا۔ ''میں تمہاری ناراضگی سہہ نہ پاؤں گا۔ میں نے کہا ناں میں پوری کوشش کروں گا۔ اس کے باوجود اگر تم وعدہ ہی لینے پر مصر ہو تو۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''یہ ہوئی ناں بات۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔ اس کا قہقہہ سن کر نعمان جیسے نہال ہو گیا۔

''بس یونہی ہنستی مسکراتی رہا کرو۔ تمہاری خوشی ہی میری سب سے بڑی آرزو ہے۔''

''میں جانتی ہوں نعمان۔ تم مجھ سے بہت پیار کرتے ہو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"پھر بھی اس طرح ستاتی ہو!"

"اس کے بغیر پیار میں استحکام نہیں آتا نعمان۔ یہ ستانا' چھیڑنا اور روٹھنا منانا ہی تو محبت کی اصل روح ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔ اچھا میں آف کر رہا ہوں۔ کوشش کروں گا شام کو فون کر سکوں۔ اور اگر کسی وقت فون نہ کر سکوں تو اسے اپنی ناراضگی کی وجہ نہ بنا لینا پلیز۔"

"تم نے بتا دیا۔ میں نے مان لیا۔ موجودہ صورتحال میں واقعی مجھے' تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ میں سمجھتی ہوں۔"

"شکریہ شائنہ۔ گڈ ڈے۔"

"گڈ ڈے جان!"

اس نے موبائل میز پر رکھا اور ایک توبہ شکن انگڑائی لے کر دوبارہ بستر میں گھس گئی۔ ایک بار پھر اسے تھکان اور نیند نے گھیر لیا تھا۔

●●●



●●●

ننھے نوید کو سلا کر عائشہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے سرخ کمبل میں اچھی طرح لپیٹا اور دائیں بائیں دو کشن رکھ کر وہ اپنے بستر کی طرف بڑھی جہاں محمود اس کا منتظر تھا۔ جونہی وہ بستر کے قریب پہنچی محمود نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچا اور سینے پر گرا لیا۔

"یا وحشت۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "آرام سے۔ کیا میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں؟"

"آدھ گھنٹے سے صبر کی سل سینے پر رکھے تم ماں بیٹے کی سرگوشیاں دیکھ رہا ہوں۔" محمود نے اسے بانہوں میں بھینچتے ہوئے کہا۔

"اولاد کو جنم دیا ہوتا تو پتہ ہوتا ناں۔ میں نوید کو سلائے بغیر تو نہیں آ سکتی تھی۔" عائشہ نے اس کے سینے پر بوسہ دیا۔

"اچھا بس اب۔ باتیں ختم۔" محمود نے اس کو اوپر کی جانب کھینچا۔

"اور کھیل شروع۔ ہے ناں!" وہ شرارت سے ہنسی۔

"ہاں۔" وہ پوری طرح آمادہ کار تھا۔

"پہلے آپ میری چند باتوں کا جواب دیں۔ اس چھیڑ خانی کے لئے تو پوری رات پڑی ہے۔" عائشہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"کیسی باتیں؟" محمود نے حیرت سے کہا۔ "کیا باتیں بعد میں نہیں ہو سکتیں؟"

"نہیں۔" وہ اس کے پہلو میں کمبل اوڑھتے ہوئے بولی۔ "بعد میں آپ کو صرف خراٹے لینا یاد رہتے ہیں۔ میں خوب جانتی ہوں آپ کی رگ رگ کو۔"

"یہ تو بڑی زیادتی ہے بھئی۔" محمود نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں آج تمہاری ہر بات کا جواب دے کر سوؤں گا۔"

"سوری۔" عائشہ نے اس کا بازو پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "کوئی وعدہ کرنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ضرورت نہیں۔ میں پہلے گفتگو کروں گی۔"

"اچھا۔" بادل نخواستہ محمود راضی ہو گیا۔ "فرمائیے جناب! کیا ضروری بات کرنا چاہتی ہیں آپ؟"

"یہ بتائیے۔ کیا ہمارا کراچی جانا بہت ضروری ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟" محمود نے اس کی طرف کروٹ لے لی۔

"میرا مطلب ہے' آپ کراچی جانے کا پروگرام کینسل کیوں نہیں کر دیتے؟" عاتکہ نے سیدھے سیدھے کہہ ڈالا۔

"عاتکہ۔ تم جانتی ہو یہ میری مرضی سے نہیں ہو رہا۔ ہیڈ آفس والوں کی ڈیمانڈ ہے کہ میں وہاں آؤں۔ اب اگر نوکری کرنی ہے تو ان کی مرضی پر چلنا ہو گا اور اگر نہیں کرنی تو تمہاری مرضی پر چل دیتا ہوں۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہی۔" عاتکہ نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔ "میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر آپ چاہیں تو کیا یہ تبادلہ رک نہیں سکتا؟"

"اگر میں چاہوں تو.....؟" محمود نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تو۔ رک سکتا ہے!" اس نے ذرا رک کر فقرہ پورا کیا۔

"تو پلیز۔ رکوا لیجئے اپنا تبادلہ۔ ہم یہاں اتنے خوش ہیں۔ وہاں جا کر نجانے کیسی صورتحال سے واسطہ پڑے۔"

"عاتکہ۔ تم جو کہنا چاہتی ہو' کھل کر کہو۔ پہیلیاں نہ بجھواؤ۔" محمود نے اچانک سنجیدگی اختیار کر لی۔ اسے عاتکہ کی بات سے معاملے کا کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا۔

"دیکھئے محمود۔ پروین اور نصیر کا مسئلہ آپ کے سامنے ہے۔ قدرتی طور پر حل ہو گیا' یہ الگ بات ہے مگر جس انداز میں اس نے پاؤں پھیلا لئے تھے وہ آپ پر بھی عیاں ہے اور میں تو اس کے ایک ایک پہلو سے واقف ہوں۔ یہاں ہم الگ تھلگ اور اپنی مرضی سے رہنے کے عادی ہو چکے ہیں مگر کراچی جا کر اگر ہمیں خالہ جان کے ساتھ رہنا پڑا تو....."

"نصیر اور پروین کا مسئلہ اور تھا عاتکہ۔ ہمارے درمیان ایسی کوئی الجھن موجود نہیں جو ہم خوفزدہ ہوں۔"

"الجھن صرف اولاد کے ہونے نہ ہونے ہی سے متعلق نہیں ہوتی محمود۔ ساس بہو کا جھگڑا ہر گھر کی زینت ہے۔ میں کمبائنڈ فیملی سسٹم کے خلاف نہیں ہوں مگر میں اس سسٹم میں رہ کر گزارا کر سکوں گی' مجھے اس میں شک ہے۔"



"ہم وہاں فرم کی طرف سے دی گئی رہائش گاہ کا استعمال کر سکتے ہیں۔" محمود نے بحث جاری رکھی۔

"میں اس صورتحال میں بھی ایک مشکل محسوس کرتی ہوں محمود!"

"وہ کیا؟"

"میرے والدین بھی تو کراچی ہی میں ہیں۔ پھر میں ان کی اور اپنے بہن بھائیوں کی آمدورفت میں الجھ جاؤں گی۔ میں آپ سے زیادہ اپنے خاندان والوں کو جانتی ہوں۔ آپ کو مختلف لوگوں کے لئے رنگ برنگی سفارشوں سے نمٹنا پڑے گا۔ کسی کا روزگار' کسی کا کیس' کسی کی گھریلو لڑائی' ہر جگہ کہیں مجھے اور کہیں آپ کو انوالو ہونا پڑے گا۔ ان سب بکواسیات سے کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم یہاں آرام سے رہیں۔"

"ہوں۔" محمود نے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "تو یہ بات ہے!"

"میری کسی بات کو غلط معنی نہ دیجئے گا محمود۔" عاتکہ نے اس کے گال پر ہاتھ رکھا۔ "میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری اور آپ کی زندگی کا سکون غارت نہ ہو جائے۔ میری تو چھوڑیئے' میری وجہ سے جو آپ پر گزرے گی' میں اس سے ڈرتی ہوں۔ ہم یہاں ہیں تو کسی کو ہم سے شکایت نہیں ہے۔ وہاں ہوں گے تو دفتر کھل جائیں گے شکووں کے۔ ہم سال میں دو مرتبہ وہاں جاتے ہیں۔ سب سے اچھی طرح ملتے ہیں۔ ہفتہ دو ہفتہ گزارتے ہیں اور لوٹ آتے ہیں۔ اسی روٹین کو قائم رہنے دیجئے۔ اسی میں ہماری پرسکون شادی شدہ زندگی کا لطف پنہاں ہے۔"

"بس بس۔ اب زیادہ مولوی نذیر احمد مت بنو۔ اتنے گاڑھے گاڑھے الفاظ میرے کانوں میں پھنس جاتے ہیں۔"

"تو پھر۔ کیا فیصلہ ہے؟"

"میں کوشش کرتا ہوں عاتکہ۔ امید تو ہے تبادلہ رک جائے گا۔ آگے جو اللہ کی مرضی!"

"آپ کوشش کریں گے تو یقیناً رک جائے گا۔" عاتکہ نے دبے دبے جوش اور مسرت سے کہا۔ "یہ مجھے یقین ہے۔ پھر ایک اور بات بھی ہے محمود۔"

"اب وہ بھی کہہ ڈالئے محترمہ!" محمود نے بیچارگی سے کہا۔

"نصیر اور پروین کے بغیر ہم کیا اکیلے نہیں پڑ جائیں گے؟"

"ہم تو اکیلے کیا پڑیں گے عاتکہ۔ وہ دونوں بالکل بے یارومددگار ہو کر رہ جائیں گے۔" محمود نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ "جس دن سے میرے تبادلے کی خبر نصیر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کان میں پڑی ہے وہ مرجھا کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ میں نے اس سے وعدہ بھی کیا ہے کہ میں کراچی جا کر سب سے پہلے اسی کو اپنے پاس بلانے کی کوشش کروں گا مگر وہ بجھا بجھا سا رہنے لگا ہے۔ یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔ پروین ہر دوسرے دن میرے پاس آ جاتی ہے یا فون پر ہی گھنٹہ گھنٹہ بھر باتیں کرتی رہتی ہے۔ میرے جانے کی بات پر بچوں کی طرح رونے لگتی ہے۔"

"وہ دونوں ہم پر بہت ڈی پنڈ کرتے ہیں عائشہ۔"

جواب میں عائشہ صرف "ہوں" کر کے رہ گئی۔ چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر جیسے محمود کو ہوش آ گیا۔

"اب کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں کھیلے بغیر ہی خراٹے لینے لگوں۔" اس نے اچانک عائشہ کو دبوچ لیا۔

"ارے ارے۔" وہ کسمساتے ہوئے ہنسی۔ "آرام سے۔ کیا دیوانگی ہے۔"

"کوئی دیوانگی نہیں۔ اسے پیار کہتے ہیں۔" محمود نے اسے بھینچتے ہوئے کہا۔

"لائٹ آف کر لیں۔ منا جاگ جائے گا۔" عائشہ نے اس کے زور آور ہونٹوں کے آگے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی پل محمود نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سوئچ دبا دیا۔ کمرے میں خوشبوؤں اور محبتوں بھرا اندھیرا دھیرے دھیرے یوں پر پھیلائے اترنے لگا جیسے ساون کی پہلی بارش کے قطرے پیاسی زمین کو سیراب کرنے کے لئے جھومتے ہوئے برسنے کے لئے چلے آ رہے ہوں۔

●●●

پانچ راتیں گزر چکی تھیں۔

آج چھٹی رات تھی جو شائنہ کو ایشور داس کے ساتھ گزارنا تھی اور یہ بات اس کے ذہن پر نقش ہو چکی تھی کہ وہ ایشور داس نہیں، ہنومان کے بیر کے ساتھ شب باشی کر رہی ہے۔

رات کے سات بجے تھے جب راہل کا فون آیا۔

"یس۔ شائنہ از ہیئر۔"

"شائنہ۔ چیف نے اگلا ٹارگٹ دے دیا ہے!"

"بولو۔" اس نے اعصاب میں تناؤ محسوس کیا۔

"پاکستان سے ایک انڈسٹریلسٹ ڈیلی گیشن چائنا جا رہا ہے۔"



"صنعتی وفد سے ہمارا کیا لینا دینا راہل؟" وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

"پہلے پوری بات تو سن لو۔" راہل نے بور ہو کر کہا۔

"اچھا بولو۔ بلکہ بولتے رہو۔ تمہاری بات ختم ہونے تک اب میں نہیں بولوں گی۔"

"اس وفد میں ایک صنعت کار کے روپ میں عبدالقادر بھٹی کے نام سے جو شخص شامل ہے وہ دراصل گورنمنٹ کا نمائندہ ہے جو ایک بے حد اہم سرحدی دفاعی سمجھوتے کے لئے وہاں جا رہا ہے۔ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرے گا جس میں یہ صنعتی وفد قیام کرے گا مگر انتہائی خفیہ طور پر چین کا نمائندہ اس سے آ کر ملے گا۔ سمجھوتے پر سائن ہوں گے اور دنیا بھر میں کسی کو یہ کانوں کان خبر نہ ہو گی کہ کارگل کی وادی کے ایک تاریک تر گوشے میں چین اور پاکستان کی مشترکہ فوجیں ہمارے لئے مصیبت کا باعث بننے والی ہیں۔ کارگل کا یہ علاقہ بظاہر خاموش مگر بہ باطن ہمارے لئے آگ، تباہی اور دھماکے اگلنے کا منبع بن جائے گا۔ اس مختصر سے علاقے کا سارا کنٹرول چائنیز افواج کے ہاتھ میں ہو گا۔ یہ علاقہ کون سا ہے، یہ ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آ سکا۔ اُس جگہ سے ہمارے علاقے تک زیرِ زمین بارودی سرنگیں بچھائی جائیں گی اور بھارتی فوجیں ایک اَن دیکھی موت کا شکار ہوتی چلی جائیں گی۔" راہل ایک پل رکا پھر دوبارہ بولنے لگا۔

"عبدالقادر بھٹی، وزارت دفاع میں ایک اہم عہدے پر فائز ہے۔ بے حد ایماندار اور محبِ وطن مشہور ہے۔ اس کی کوئی کمزوری ابھی تک ہمارے کارکنوں کی نظر میں نہیں آ سکی۔ اکیلا آدمی ہے۔ شادی نہیں کی۔ تنہا رہتا ہے۔"

راہل خاموش ہو گیا۔

"بس۔ تم اپنی بات ختم کر چکے یا کچھ اور باقی ہے؟" شائنہ نے دو تین لمحے انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

"نہیں۔ میں جو کہنا چاہتا تھا کہہ چکا۔"

"اب یہ بتاؤ کہ وفد کب جا رہا ہے؟"

"کل صبح بارہ بجے کی فلائٹ ٹو زیرو ایس کے تھری سے۔"

"اوہ۔" بے اختیار شائنہ کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "اور تم مجھے آج، یعنی صرف چودہ پندرہ گھنٹے پہلے یہ اطلاع دے رہے ہو۔"

"مجھے ابھی دس منٹ پہلے چیف سے ٹارگٹ موصول ہوا ہے شائنہ۔" راہل کی آواز میں تمسخر سا ابھرا۔ "اب چیف کو تم پر اعتماد ہی اس قدر ہے کہ وہ اس میں وقت کی کمی کو کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اہمیت ہی نہیں دیتا۔ اس کا خیال ہے تم ہتھیلی پر سرسوں جما سکتی ہو۔"

"راہل۔" شائنہ اس کے طنز پر آگ بگولہ ہوگئی۔ "اپنے لہجے پر قابو رکھو۔"

"کیا کچھ غلط کہہ دیا میں نے؟" ایک دم راہل کی آواز میں معصومیت گھل گئی۔

"میں تمہارے لہجے اور الفاظ کا سارا الٹ پھیر سمجھ رہی ہوں راہل۔" شائنہ کا لہجہ بہر تیز تھا۔ "مگر تم بے فکر رہو۔ چیف کو اس مرتبہ بھی مایوسی نہیں ہوگی۔"

"یعنی؟" راہل بوکھلا کر رہ گیا۔

"صرف عبدالقادر بھٹی کو اڑانا ہے یا پورے وفد کو؟" شائنہ نے اس کے سوالیہ لہجے کو اپنے سوال تلے روند دیا۔

"جیسا تم مناسب سمجھو۔ چیف کو صرف پازیٹو رزلٹ درکار ہے۔"

"عبدالقادر بھٹی کے گھر کا ایڈریس بولو۔" شائنہ نے تپائی پر پڑے رائٹنگ پیڈ کو قریب کیا اور بال پن تھام لیا۔

پھر دوسری طرف سے راہل نے جو ایڈریس بتایا اس نے پیڈ پر لکھ لیا۔

"اب ایک گھنٹے کے اندر مجھے یہ معلوم کر کے بتاؤ کہ عبدالقادر بھٹی صبح کتنے بجے گھر سے نکلے گا۔ کس راستے سے کہاں پہنچے گا اور وفد کے ساتھ کتنے بجے ایئرپورٹ پر نازل ہوگا۔"

"ایک منٹ۔ فون بند مت کرنا۔" راہل نے اس کے لہجے سے آنے والے لمحے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ "میں یہ سب معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ چیف نے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ جتنی دیر میں تم سے میری گفتگو ہوئی اس آدمی نے مطلوبہ معلومات مجھے پہنچا دیں۔ تم اگر نوٹ کرنا چاہو تو کر لو۔ میں بولتا ہوں۔"

"بولو۔" اس نے بائیں ہاتھ سے موبائل تھامے رکھا اور دائیں ہاتھ میں بال پن پکڑ کر لکھنے کے لئے تیار ہوگئی۔

"صبح نو بجے عبدالقادر بھٹی کے گھر جی ایچ کیو سے ایک آدمی دستاویزات کا بریف کیس لے کر پہنچے گا۔ عبدالقادر بھٹی اپنی ذاتی استعمال کی گاڑی میں ساڑھے دس بجے گھر سے نکلے گا۔ بریف کیس اس کے پاس ہوگا۔ وہ بجائے سیدھے راستے کے کار خود ڈرائیو کرتا ہوا بیس منٹ کا طویل چکر کاٹ کر ہائی وے کے راستے گیارہ بجے ایئرپورٹ پہنچے گا۔ وفد کے ساتھ وہ سوا گیارہ بجے جہاز میں سوار ہوگا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے جہاز بیجنگ کے لئے ٹیک آف کر جائے گا۔"

"مگر تم تو بارہ بجے کی فلائٹ کا ذکر کر رہے تھے؟" شائنہ چونکی۔



"تازہ ترین اطلاع یہی ہے کہ جہاز ساڑھے گیارہ بجے پرواز کرے گا اور میرا خیال ہے یہ احتیاط کسی بھی ممکنہ ناخوشگوار صورتحال یا دہشت گردی سے بچنے کے لئے کی گئی ہے تاکہ اگر کوئی بھی گروپ یا فرد عبدالقادر بھٹی کو نقصان پہنچانا چاہے تو وہ گیارہ بجے کے چکر میں رہے اور جہاز ساڑھے گیارہ بجے پرواز کرے۔ ٹائم کی تبدیلی بھی منصوبے کو ٹائیں ٹائیں فش کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔"

"ہوں۔" شائنہ نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے کوئی اچھا سکیمر ہے اس پلان کے پیچھے۔ بہرحال یہ بتاؤ کہ عبدالقادر بھٹی کو ایئرپورٹ تک بحفاظت پہنچانے کے لئے اس کے ارد گرد سیکورٹی کا کیا انتظام ہوگا؟"

"اس کی گاڑی سے سو گز آگے اور سو گز پیچھے دو کاریں مسلسل اس کی حفاظت کے لئے موجود رہیں گی۔ ان میں ملٹری کمانڈوز کے چھ چھ افراد ہوں گے۔ ایئرپورٹ کے باہر جب عبدالقادر بھٹی کار چھوڑے گا تو ان دونوں کاروں سے ملٹری کمانڈوز عام آدمیوں کے حلیے میں برآمد ہوں گے اور دور رہ کر پوری طرح اس پر نظر رکھیں گے۔ یہ نگرانی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک جہاز فلائی نہ کر جائے۔"

"ہوں۔" شائنہ نے ساری بات سمجھ لی۔ اس نے پیڈ پر ضروری نوٹس لے لئے تھے۔

"عبدالقادر بھٹی کیا اپنی اصل شکل وصورت میں جا رہا ہے؟" اچانک اس نے ایک عجیب سا سوال کر دیا۔

"نہیں۔ میک اپ کے ذریعے اس کا حلیہ وہ شخص تبدیل کر دے گا جو صبح اس کے پاس دستاویزات لے کر آئے گا۔"

"گڈ۔" بے ساختہ شائنہ کے لبوں سے نکلا۔ "یہ بہت اچھی اطلاع ہے۔"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟" راہل پوچھ بیٹھا۔

"یہ تمہارے کام کی بات نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ مزید کوئی اطلاع ہے تمہارے پاس یا پٹارہ خالی ہوگیا؟" وہ طنز سے بولی۔

"بس میرے پاس یہی خبریں تھیں۔" راہل شرمندہ شرمندہ سا بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے اگر کچھ انفارمیشن درکار ہوئی تو خود کال کروں گی۔ تم اب مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کہیں جا رہی ہو کیا؟" راہل نے بدلہ لینا چاہا۔

"ہاں۔ کوئی اعتراض؟" وہ ہونٹ بھینچ کر غرائی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"ہرگز نہیں۔ جب چیف کو کوئی اعتراض نہیں تو میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔ اوکے۔ گڈ نائٹ۔"

جواب میں شائنہ نے "گڈ نائٹ" یوں کہا جیسے راہل کے سر پر لٹھ مار رہی ہو۔ کنکشن آف کر کے اس نے پیڈ کو سامنے رکھ لیا اور اسے یوں گھورنے لگی جیسے ابھی اس میں سے عبدالقادر بھٹی برآمد ہوگا اور وہ اسے کچا چبا جائے گی۔

●●●

ایشور داس اور شائنہ تہ خانے سے کمرے میں آ چکے تھے۔

یہ چھٹی رات کی صبح تھی جس نے شائنہ کا انگ انگ توڑ کر رکھ دیا تھا۔

کمرے میں آ کر ایشور داس بستر کے کنارے پر ٹک گیا۔ حسب معمول وہ بھی خاصا تھکا تھکا تھا اور شائنہ کا حال تو مندا ہونا ہی تھا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا بے سود تھا۔

"میں شاور لے لوں ایشور داس جی!" اس نے چغہ بدن سے الگ کرنا چاہا۔

"رکو۔" ایشور داس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"ادھر آؤ۔ یہاں بیٹھو۔" ایشور داس نے اسے اپنے پاس بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ایشور داس جی۔ اب مجھ میں ہمت نہیں ہے۔" وہ کہتی ہوئی اس کی طرف چلی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" ایشور داس اس کے چہرے' بازوؤں اور سینے پر موجود خراشوں کو نگاہوں میں تولتے ہوئے بولا۔ "میں خود بے حد تھکا ہوا ہوں۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی۔ کیونکہ جب تم شاور لے کر آؤ گی میں سو چکا ہوں گا۔"

"جی۔ کہئے۔" وہ آگے بڑھی اور اس کے پاس ہی بستر پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔

ایشور داس نے رخ بدلا اور اوپر ہو کر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے شائنہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا۔

"آج چھٹی رات بھی تمام ہو گئی۔ اب صرف آخری رات باقی ہے اور اس کے بعد کیا ہونا ہے' کیا کرنا ہے' تمہیں یہ بتانا ضروری ہے۔"

"آپ کہئے۔ میں سن رہی ہوں۔" شائنہ کے بدن میں گدگدی سی ہوئی۔

"کل صبح جب تم میرے ساتھ تہ خانے سے یہاں آؤ گی تو شاور نہیں لو گی۔ اسی حالت میں یہاں سے رخصت ہو جاؤ گی۔ گھر جا کر بھی غسل نہیں کرو گی۔ رات آٹھ بجے سے پہلے پہلے تمہیں ہر صورت میں نعمان کا بستر بن جانا چاہیے۔ یہ بے حد ضروری ہے۔"

"میں سمجھ رہی ہوں ایشور داس جی۔" شائنہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں



مگر فوراً ہی اسے نظریں ہٹا لینا پڑیں۔ ایشور داس کی آنکھوں کی چمک کو برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ "مگر یہ خراشیں اور نشان جو میرے چہرے اور بدن پر ہوں گے ان کا کیا کروں گی؟"

"یہ کل صبح تمہارے جسم پر نہیں ہوں گے۔"

"اور یہ جو آپ نے رات آٹھ بجے تک کی پابندی لگائی ہے اس کے بارے میں کچھ وضاحت کر دیں تو....."

"یہ پابندی نہیں' حکم ہے شائنہ۔ اگر تم کل رات آٹھ بجے سے پہلے نعمان کے تصرف میں نہ آ سکیں تو سات راتوں کا یہ عمل خود تمہارے لئے عذاب بن جائے گا۔ آٹھ بجے کے بعد تمہارے پورے جسم پر آبلے نمودار ہونا شروع ہو جائیں گے۔ تمہارے جسم میں ایسی آگ دہکنے لگے گی جس کا کوئی توڑ نہیں ہے۔۔ ٹھیک پندرہ منٹ کے اندر اندر تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے گھاٹ اتر جاؤ گی۔"

"کیا؟" شائنہ خوف کے مارے اچھل پڑی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"میں نے جو کہا' حرف بحرف صحیح کہا۔ میں نے پہلے دن ہی تمہیں بتا نہیں دیا تھا کہ ساتویں رات گزارنے کے بعد اگلی صبح تمہیں نعمان کے لئے بچھ جانا ہوگا۔"

"کہا تھا مگر آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کر سکی تو میرا کیا حال ہوگا!" وہ لرزتی آواز میں بولی۔ اپنے حشر کا سن کر ہی وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگی تھی۔

"لیکن تمہیں اس میں دقت کیا ہے؟ کیا نعمان تمہارے لئے اب پہلے سے دس گنا زیادہ بے تاب نہیں ہے؟"

"ہے۔ بالکل ہے۔ لیکن اگر کسی مجبوری کے باعث میں بارہ گھنٹوں کے اندر اندر اس سے مل نہ سکی تو؟"

"تو جو ہوگا' میں نے تمہیں بتا دیا۔" ایشور داس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے ڈرا رہے ہیں ایشور داس جی!" وہ اسے بے اعتباری سے دیکھتے ہوئے بولی تو ایشور داس ہنس پڑا۔

"مجھے ڈرانے کی کیا ضرورت ہے شائنہ۔ میں تو تمہیں کھول کر ساری صورتحال سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"لیکن فرض کیجئے میں اگر مقررہ وقت میں یہ کام نہ کر سکی تو اس کا کوئی اپائے بھی تو ہوگا۔"

"ہاں۔ مگر وہ بے حد مشکل ہے شائنہ۔ اور میں اس کے لئے پیشگی ہامی بھرنے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



لئے تیار نہیں ہوں۔" ایشور داس نے معذرت سے کہا۔

"دیکھئے ایشور داس جی۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کی ہدایات پر حرف بحرف عمل کروں لیکن اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو بھگوان کے لئے اسے سنبھال لیجئے گا۔ میں آپ سے بنتی کرتی ہوں' میں زندگی بھر آپ کی داسی بن کر رہوں گی۔" وہ ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے جھک گئی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنی دردناک موت اور عبرتناک انجام کا خیال ہی اسے لرزائے دے رہا تھا۔

"گھبراؤ مت شائنہ۔" ایشور داس کو اس پر رحم آ گیا۔ "کیا نعمان شہر میں نہیں ہے؟"

"وہ یہیں ہے۔ میں تو ایک ممکنہ خدشے کا اظہار کر رہی ہوں۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" ایشور داس نے اس کے بندھے ہاتھ تھام کر کہا۔ "اور اگر کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو سورج غروب ہونے کے فوراً بعد یعنی آٹھ بجے سے پہلے پہلے مجھ تک پہنچ جانا۔ میں سنبھال لوں گا۔"

"شکریہ ایشور داس جی۔ شکریہ۔" وہ اس کے ہاتھوں کو بوسے دیتے ہوئے بولی۔ "آپ جتنی رقم کہیں گے میں پیش کر دوں گی۔ بس مجھ پر اپنی دیا رکھئے گا۔ میرا دھیان رکھئے گا۔ جو کام شروع کیا ہے اسے انجام تک اپنی نگرانی میں پہنچائیے گا۔" وہ پاگلوں کی طرح بولتی چلی گئی۔

"گھبراؤ نہیں شائنہ۔ میں تمہارا دھیان رکھوں گا۔ بے فکر رہو۔" ایشور داس نے اس کے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ پھر اس کو بازوؤں سے تھاما اور بستر پر گھسیٹ لیا۔

آدھ گھنٹے بعد جب شائنہ ایشور داس کو سکون کے حوالے کر کے باتھ روم کی طرف بڑھی تو اسے اس یقین نے گھیر رکھا تھا کہ رات بھر اس کے جسم کو نوچنے والا ایشور داس نہیں' ہنومان کا بیر ہی تھا۔ ایشور داس کی طاقت اور وحشت کا اندازہ اسے ابھی ہو چکا تھا جبکہ رات بھر وہ جس درندگی کا شکار رہی تھی ایشور داس اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔

شاور لے کر وہ باہر نکلی تو ایشور داس بے سدھ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اس نے کپڑے پہنے۔ سینڈل میں پاؤں ڈالتے ہوئے اس کی نظر دیوار گیر کلاک پر پڑی تو بری طرح چونکی۔ آٹھ بج رہے تھے اور عبدالقادر بھٹی کے گھر کا فاصلہ یہاں سے آدھ گھنٹے سے کم نہیں تھا۔ تیزی سے وہ باہر نکلی اور دروازہ بھیڑتے ہوئے تقریباً دوڑتی ہوئی سرخ گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

●●●



گذشتہ رات ایشور داس کے ہاں جانے سے پہلے شائنہ نے عبدالقادر بھٹی کی رہائش گاہ کا پوری طرح جائزہ لے لیا تھا۔ اس کا بنگلہ آفیسرز کالونی کی ابتداء ہی میں برلب سڑک واقع تھا۔ بنگلے کے بالکل سامنے ایک بڑا پارک تھا۔ دائیں طرف ایک وسیع و عریض گلی اور بائیں طرف سات گھر واقع تھے۔ ان سات گھروں کے بعد پھر ایک بڑی گلی تھی۔ سڑک پر رات کے وقت تو ٹریفک بہت کم تھی' اب دن کو کیا حال ہوتا یہ اسے اندازہ نہ تھا مگر خیال یہی تھا کہ آفیسرز کالونی جیسی نفیس آبادی میں شور اور افراتفری کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

مین روڈ سے کالونی میں داخلے کے لئے جو پختہ سڑک عبدالقادر بھٹی کے گھر کے سامنے سے ہو کر گزرتی تھی اس کی چوڑائی تقریباً تیس فٹ تھی۔ رہائشی حصے کے بالمقابل یعنی پارک والی سائڈ پر سفیدے کے درخت حدنظر تک لگے دکھائی دیتے تھے۔

شائنہ جب وہاں کا پوری طرح جائزہ لے کر لوٹی تو ذہن میں ایک پلان ترتیب دے چکی تھی۔ وہاں سے وہ سیدھی ایشور داس کے ہاں چلی گئی تھی اور اب گذشتہ رات کے سوچے ہوئے منصوبے کے مطابق وہ اپنی گاڑی کالونی سے تقریباً دو کلومیٹر دور ایک کمرشل بلڈنگ کی پارکنگ میں کھڑی کر کے ٹیکسی پر یہاں تک آئی تھی۔ ٹیکسی اس نے کالونی سے ایک فرلانگ ادھر ہی چھوڑ دی اور پیدل چل پڑی۔ اس کا پرس کندھے پر جھول رہا تھا جس کا وزن معمول سے کچھ زیادہ تھا۔

کالونی میں داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ حسب توقع وہاں ٹریفک اور عام لوگوں کے آنے جانے والی کوئی بات نہ تھی۔ کبھی کبھی کوئی گاڑی یا سکول وین گزر جاتی یا کوئی موٹر سائیکل سوار آتے جاتے دکھائی دے جاتا۔ پیدل چلنے والوں کی تعداد بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی۔

اس نے کالونی میں داخل ہوتے ہی ایک ایسے زیر تعمیر مکان کے احاطے میں قدم رکھ دیا جس کی کنسٹرکشن رکے شاید مہینہ بھر سے زیادہ ہو چکا تھا۔

اب کنسٹرکشن کیوں رکی؟ یہ اس کا مسئلہ نہ تھا۔ اس نے تو دل ہی دل میں بھگوان کا شکر ادا کیا کہ وہ اونچی نیچی زیر تعمیر دیواروں والا مکان اس کے لئے ایک ساتھی ثابت ہو رہا تھا۔

وہ ایک ایسی جگہ خود کو سمیٹ کر بیٹھ گئی جہاں اس کے سامنے تقریباً پانچ فٹ اونچی سنگل اینٹ کی دیوار کھڑی تھی۔ دیوار میں جگہ جگہ روزن موجود تھے جو شاید ڈیزائن کے لئے رکھے گئے تھے۔ یہاں سے وہ سڑک پر پوری طرح نگاہ رکھ سکتی تھی۔ دائیں بائیں اور سامنے۔ تین اطراف سے سڑک اس کی نظر میں تھی۔ اب اسے انتظار تھا اس گاڑی کا جس میں جے، ایچ کیو سے ایک سرکاری آدمی کو عبدالقادر بھٹی کے لئے دستاویزات لے کر آنا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اس نے وقت دیکھا صبح کے پونے نو ہو رہے تھے۔

ایک دم اس کے دماغ میں ایک خیال آیا اور وہ اپنی جگہ ساکت ہو کر رہ گئی۔

"وہ اس گاڑی کو کیسے پہچانے گی؟ اس کی تو کوئی نشانی اسے نہیں بتائی گئی تھی۔ نہ اس گاڑی کا نمبر اسے معلوم تھا۔"

اس کے سارے بدن میں تناؤ سا پیدا ہوا۔ رگیں پھول گئیں۔ ماتھے پر اس سرد موسم میں بھی پسینہ آ گیا اور آنکھوں کے آگے پتنگے سے ناچنے لگے۔

یہ اس سے کیا حماقت سرزد ہو گئی تھی۔ اسے راہل سے اس گاڑی کے بارے میں تفصیل تو پوچھنا چاہیے تھی۔

اس نے پرس کھولا۔ موبائل نکالا اور حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے راہل کا نمبر ملانے لگی۔ پرس اس نے اپنے پاس زمین پر رکھ لیا تھا۔

"ہیلو راہل۔" رابطہ قائم ہوتے ہی وہ بے تابی سے بولی۔ "بے وقوف۔ تم نے مجھے اس گاڑی کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں بتایا جو عبدالقادر بھٹی کے ہاں صبح نو بجے پہنچنے والی ہے!"

"شائنہ۔" راہل نے اس کے لہجے کا بُرا منائے بغیر اطمینان سے کہا۔ "تم نے پوچھا نہیں۔ میں نے بتایا نہیں۔ باتوں باتوں میں ذہن سے بھی نکل گیا۔ بہرحال۔ اب سن لو۔"

"جلدی بولو۔ وقت بہت کم رہ گیا ہے!" اس نے کالونی کے اندر آنے والے راستے پر نظریں جما دیں جہاں سے ایک سیاہ کار اندر داخل ہو رہی تھی۔

"کار کا رنگ سیاہ ہے۔" راہل نے کہا۔

شائنہ نے پرس سے ریوالور نکال کر دائیں ہاتھ میں تھام لیا۔

"نمبر۔ ٹرپل نائن فور۔"

شائنہ نے ریوالور کی نال روزن میں ٹکا دی۔

"ماڈل سوزوکی نائنٹی نائن۔"

سیاہ کار اس وقت شائنہ کے بالکل سامنے آ چکی تھی۔ اس نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھا دیا۔ سائلنسر لگے ریوالور سے "ٹھس" کی آواز ابھری۔

"اوور اینڈ آل۔" کہہ کر شائنہ نے موبائل آف کر دیا۔

گولی سیدھی سیاہ کار کے اگلے ٹائر سے ٹکرائی تھی۔ اچانک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی اس لئے وہ چند گز لہرانے کے بعد اس مکان سے تھوڑی آگے جا کر



بڑھی ترچھی ہو کر رک گئی جس میں شائنہ موجود تھی۔

خاموشی قائم رہی۔

مکان دور دور تھے۔ سکون سے اپنے اپنے کمروں میں دبکے لوگوں میں سے کسی نے باہر جھانک کر دیکھنے کی کوشش نہ کی کہ دھماکہ کیسا تھا اور کیوں ہوا؟

گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا اور تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک جواں سال آدمی باہر نکلا۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑا اور جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگا۔ جب کسی قسم کی کوئی آہٹ نہ ملی تو وہ کار کے اگلے پہیے کی طرف بڑھا۔ اب بھی وہ ادھر ادھر نظریں دوڑا رہا تھا۔ پھر اگلے پہیے کو پنکچر دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس لی اور ریوالور کو انگلیوں میں نچاتا ہوا گردوپیش کا ایک بار پھر غور سے جائزہ لینے لگا۔

پھر جونہی اس نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے ریوالور کوٹ کی جیب میں ڈالا۔ شائنہ کی انگلی کا دباؤ ریوالور کے ٹریگر پر دوبارہ بڑھ گیا۔ ٹھس۔ ٹھس کی غیر محسوس آواز کے ساتھ دو فائر ہوئے۔ پہلی گولی نے اس آدمی کے سر میں اور دوسری نے عین دل کے مقام پر روشندان بنا دیئے۔ وہ کراہ کر پلٹا' سنبھلنے کی کوشش میں لڑکھڑایا اور کار کے کھلے دروازے سے یوں اندر گرا کہ اس کی صرف ٹانگیں باہر رہ گئیں۔ شائنہ نے ادھر ادھر دیکھا' خوش قسمتی سے ابھی تک ادھر سے کسی گاڑی کا گزر نہیں ہوا تھا۔ وہ پرس اٹھا کر موبائل اس میں ڈالتے ہوئے اپنی کمین گاہ سے نکلی۔ ریوالور کو پرس کی آڑ میں رکھا اور دوڑتے ہوئے کار تک آئی۔ پہلی نظر ہی میں اس نے جان لیا کہ وہ آدمی دم توڑ چکا ہے۔

اس نے ریوالور کو پرس میں ڈالا۔ پرس کرسی کی پچھلی سیٹ پر پڑے بریف کیس کے پاس پھینکا۔ دوسری طرف سے ہو کر کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ کھینچ کھانچ کر اس آدمی کی لاش کو اندر کیا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آئی۔ اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ بن چکی تھی۔ اس نے گاڑی کو سٹارٹ کیا۔ گیئر بدلا اور لنگڑاتی ہوئی کار کو زیر تعمیر مکان کے عقبی حصے میں لے آئی۔ یہاں اس نے گاڑی کو اس طرح کھڑا کیا کہ سڑک پر آنے جانے والے کسی شخص کی نظر اس پر نہ پڑ سکتی تھی۔ اندر موجود سامان میں سے اس نے ترپال کا ایک بڑا ٹکڑا تلاش کر لیا جو شاید سامانِ تعمیر کو بارش وغیرہ سے بچانے کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس نے اپنا پرس اور بریف کیس نکال کر اس ترپال کو کار کے اوپر اس طرح ڈالا کہ گاڑی اس میں چھپ کر رہ گئی۔ اب پہلی نظر میں یوں لگتا تھا جیسے سیمنٹ کی بوریوں کو ترپال سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد اس نے ایک طرف شیڈ کے نیچے کھڑے ہو کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



بریف کیس کھولا۔ اس میں صرف ایک فائل موجود تھی۔ اس نے فائل کا سرسری جائزہ لیا۔ وہ ایک ٹاپ سیکرٹ ڈیفنس پیکٹ کی دستاویزات تھیں۔ فائل کو اس نے اپنی جیکٹ کی زپ کھول کر اندر ڈالا اور زپ کو دوبارہ سینے تک کھینچ دیا۔

بریف کیس کو اس نے کسی خفیہ خانے کی تلاش میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر اس میں سے اور کچھ نہ نکلا۔ تب بریف کیس کو اس نے پانی کے ڈرم میں ڈبویا اور باہر نکل آئی۔

رسٹ واچ پر گھڑی صبح کے آٹھ بج کر پچپن منٹ کا وقت دکھا رہی تھی۔ اس سارے کام میں اسے صرف دس منٹ لگے تھے۔

پرس کو کندھے پر لٹکاتے ہوئے اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور تیزی سے عبدالقادر بھٹی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئی جو یہاں سے پیدل چھ سات منٹ کی مسافت پر تھا۔ اس کے لئے اس نے سڑک کا مخالف راستہ اپنایا تھا۔ تاکہ کسی بھی مداخلت کی صورت میں خود کو محفوظ رکھ سکے......ٹھیک نو بجے وہ عبدالقادر بھٹی کے بنگلے کے سامنے سڑک کے دوسری طرف موجود تھی۔

●●●

بنگلے کے گیٹ پر شلوار قمیض میں ملبوس فوجی چوکیدار گن ہاتھوں میں تھامے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اسے رک کر سڑک کے دائیں بائیں نظریں دوڑاتے دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ وہ سڑک پار کر کے اسی کی طرف آنے کو ہے۔ اس نے گن کو مضبوطی سے تھام کر بڑی بھوکی نظروں سے سیاہ جیکٹ اور جین میں ملبوس شائنہ کی طرف دیکھا اور نسوار زدہ زبان مونچھوں تلے چھپے ہونٹوں پر پھیرنے لگا۔

شائنہ کا دایاں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھا اور ہاتھ میں ریوالور دبا ہوا تھا۔ بائیں کندھے پر پرس جھول رہا تھا جسے اس نے سٹریپ سے تھام بھی رکھا تھا۔

سڑک پار کرنے سے پہلے اس نے دائیں بائیں صرف یہ دیکھنے کے لئے نظریں دوڑائیں کہ کوئی گاڑی یا شخص نزدیک موجود تو نہیں مگر اتفاق سے نزدیک تو کیا دور دور تک کسی کا پتہ نہ تھا۔ اطمینان سے سڑک کراس کر کے وہ گن مین کے پاس آ رکی۔ ہونٹوں پر بڑی جان لیوا مسکراہٹ بکھیری۔ گن مین کے ہاتھوں میں گن کانپ کر رہ گئی۔

''کیا عبدالقادر بھٹی صاحب کا بنگلہ یہی ہے؟'' اس نے بڑے انداز سے پوچھا۔

''جی میم صاحب۔'' پٹھان چوکیدار کا حلق خشک ہو گیا۔

''کیا وہ اندر موجود ہیں؟'' شائنہ نے ایک بار پھر ارد گرد کا جائزہ لیا۔



''جی میم صاحب۔ آپ کون اے؟'' اس کے لہجے کی سختی قائم نہ رہ سکی۔

''میں کون ہوں یہ بعد میں بتاؤں گی لیکن جب وہ اندر ہیں تو تم باہر کیا کر رہے ہو؟'' کہتے ہوئے شائنہ نے جیب میں موجود ریوالور کی نوک اس کی طرف سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ گولی سیدھی چوکیدار کے دل کی طرف لپکی۔ ''او۔ ہ۔'' کی تکلیف بھری آواز کے ساتھ وہ لڑکھڑا کر پیچھے کو ہٹا اور گیٹ سے ٹکرا گیا۔ اسی وقت دوسری گولی نے اس کے سینے کو حوض بنا ڈالا۔ وہ اب کی مرتبہ آواز بھی نہ نکال سکا اور گن سینے پر رکھے یوں صاحب فراش ہو گیا جیسے اسی آرزو میں اب تک نسوار چبا رہا تھا۔

جلدی سے گیٹ کھول کر شائنہ نے اس کے مردہ جسم کو اندر گھسیٹا اور ایک طرف ڈال دیا۔ پھر گیٹ کو صرف بھیڑ دیا۔ اندر سے ارل لگانے سے اس نے پرہیز کیا۔

لان کو تیزی سے پار کرتے ہوئے وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھی اور بند دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ ڈال دیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس نے آہستہ سے دروازے کو دھکیلا۔ وہ بے آواز کھلتا چلا گیا۔ ایک جھٹکے سے وہ اندر داخل ہوئی اور ریوالور سیدھا کر لیا۔

کمرہ خالی تھا۔

یہ ڈرائنگ روم تھا۔ اس نے پرس کو بائیں ہاتھ سے سنبھالتے ہوئے دائیں ہاتھ میں ریوالور تھامے رکھا۔ ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ بائیں ہاتھ تھا جو شاید اندرونی حصے میں کھلتا تھا۔ وہ دبے قدموں سے اس طرف بڑھی۔ اسی وقت کسی کے قدموں کی آہٹ اندرونی دروازے کے پاس آتی سنائی دی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں وہ چھپ سکتی۔ لپک کر وہ بائیں طرف پڑے صوفے کے پیچھے دبک گئی۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کے اندر داخل ہو کر اس ادھیڑ عمر آدمی نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا۔ ''نو بجکر پانچ منٹ۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''کرنل لیٹ کیسے ہو گیا؟ وہ تو وقت کا بے حد پابند ہے۔''

''ہینڈز اپ۔'' اچانک شائنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس آدمی نے خوفزدہ انداز میں اچھل کر ہاتھ کھڑے کر دیئے اور ڈری ڈری نظروں سے شائنہ کی طرف دیکھنے لگا جو اس پر ریوالور تانے کھڑی اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ک۔ ک۔ کون ہو تم اور اندر کیسے آئیں؟'' وہ ہکلایا۔

''جیسے اب باہر چلی جاؤں گی۔'' شائنہ نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''ع ب۔ عبدالقادر بھٹی۔'' وہ اب بھی اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اگلا سوال پوچھنے کی شائنہ نے زحمت نہ کی۔ اس کے ریوالور سے یکے بعد دیگرے دو بے آواز فائر ہوئے جو عبدالقادر بھٹی کے ماتھے پر داغے گئے تھے۔ وہ ہلکی سی کراہ کے ساتھ لڑکھڑا کر پیچھے کو الٹ گیا۔ چند لمحے تڑپا اور قالین پر پڑا اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

شائنہ نے آگے بڑھ کر اس کی سانس چیک کی۔ آمدورفت مفقود دیکھ کر اس نے اطمینان سے سر ہلایا اور ریوالور کو دوبارہ لوڈ کرتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئی۔

چوکیدار کی لاش بدستور گیٹ کے پاس اندر کی طرف مڑی تڑی پڑی تھی۔ وہ تیز تیز قدموں سے گیٹ کی طرف چل دی۔ گھر میں اور کون تھا؟ اس نے چیک کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ سر پر سنہری بالوں کی وگ اور چہرے کے گرد پھولدار سکارف نے اس کا حلیہ اس حد تک بدل دیا تھا کہ آسانی سے اسے پہچان لینا ممکن نہ تھا۔ ریوالور جیکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ گیٹ کے پاس پہنچی۔ دھیرے سے باہر نکلی اور دائیں بائیں دیکھ کر تیز تیز قدموں سے سڑک پار کر گئی۔ اس کا رخ پارک کے اگلی گیٹ کی طرف تھا۔ پارک میں داخل ہو کر اس نے صرف ایک بار دائیں بائیں دیکھا پھر بڑے اطمینان سے پارک کے دوسرے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

تقریباً دو منٹ بعد وہ کالونی کے اکلوتے ٹیکسی سٹینڈ پر موجود تھی۔

"جی میڈم۔" ڈرائیور نے اس کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں چلوں؟"

"فریڈم سکوائر چلو۔" اس نے مختصراً کہا اور پچھلی سیٹ پر نیم دراز ہو گئی۔

ڈرائیور نے دروازہ بند کیا۔ اپنی سیٹ پر آیا اور انجن سٹارٹ کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد ٹیکسی فریڈم سکوائر کی طرف بھاگی جا رہی تھی جہاں ایک کمرشل بلڈنگ کے نیچے اس نے اپنی کار پارک کر رکھی تھی۔



● ● ●

فلیٹ پر آ کر سب سے پہلے اس نے راہل سے رابطہ قائم کیا۔ راہل اس کی کال کا منتظر تھا۔

"ہیلو۔ شائنہ۔ کیسا رہا؟"

"ٹارگٹ اچیوڈ۔" (TARGET ACHIEVED)

"اوہ۔" وہ خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ "کیا واقعی؟"

"تو کیا میں بکواس کر رہی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"دستاویزات؟" راہل نے فوراً بات بدلی۔

"میرے پاس موجود ہیں۔" اس نے پاس پڑی فائل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "چیف کو رپورٹ دو اور پوچھو اس فائل کا کیا کرنا ہے؟"

"اوکے۔ میں ابھی چیف سے بات کرتا ہوں۔ اور ہاں۔ کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟"

"ایسے کام اگر آسانی سے ہونے لگیں راہل، تو ہم لوگ کیا بھاڑ جھونکنے کے لئے رکھے جائیں گے؟"

"کیا بات ہے۔ آج تو مرچیں چبا رہی ہو؟" راہل نے سنجیدگی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

"سوال ہی ایسے اوٹ پٹانگ کر رہے ہو۔ بہرحال چیف کو فوراً رپورٹ دے کر دوبارہ مجھ سے رابطہ کرو۔ عبدالقادر بھٹی اور اس کے پاس سیکرٹ فائل لانے والا دونوں اوپر پہنچ چکے ہیں۔ یہ بھی چیف کو بتا دینا اور اس وقت ساڑھے دس بجے ہیں جبکہ عبدالقادر بھٹی کا ساڑھے گیارہ بجے فلائی کرنے والا تھا۔"

"اوکے شائنہ۔ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔" راہل نے کنکشن کاٹ دیا۔

شائنہ نے موبائل والا ہاتھ نیچے گرا لیا۔ اس کا تھکا ہوا دماغ تیزی سے سوچ کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



لنگڑے گھوڑے دوڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوچیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ آج رات بھر کی مشقت کے بعد اسے ایک پل آرام کا نہ ملا تھا۔ جسم تھا کہ بستر کی طلب میں بے حال ہو رہا تھا اور کام تھے کہ شیطان کی آنت کی طرح طویل ہوتے جا رہے تھے۔

چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو ان کی سرخی اور بڑھ چکی تھی۔ نیند کی شدت سے اس کا جسم اب لو بلڈ پریشر کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا تھا۔ اس نے بہت سوچا۔ بہت غور کیا اور بالآخر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نعمان کا نمبر ملایا۔ بیل جا رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ نعمان اس کے نمبر ملانے سے خفا ہوگا یا خوش؟ کیونکہ اس نے شائنہ کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ وہ خود انتہائی اہم مواقع کے علاوہ اس سے موبائل پر رابطہ نہ کرے۔ اسے جب بات کرنا ہوگی خود کرے گا جبکہ اس وقت اس سے بات کرنا بے حد ضروری تھا مگر لگتا تھا اس نے موبائل آف کر رکھا تھا۔ وہ بار بار ٹرائی کرتی رہی مگر پندرہ بیس منٹ کی کوشش کے بعد بھی رابطہ نہ ہو سکا۔ آخر تنگ آ کر اس نے کوشش ترک کر دی۔ اس کے تقریباً دو منٹ بعد راہل کی کال آ گئی۔

"یس۔ کیا رہا راہل؟" وہ بے تابی سے بولی۔

"چیف کو میں نے رپورٹ دے دی ہے شائنہ۔ تمہارے لئے شاباش اور میرے لئے انتظار کا پیغام ہے۔" راہل نے کہا۔

"انتظار..... کس بات کا؟"

"چیف نے دوبارہ شام کو بات کرنے کو کہا ہے۔ تب تک مجھے صرف انتظار کرنا ہے۔ حکم ہے کہ اپنی جگہ سے کہیں جاؤں نہیں۔"

"اور میں.....؟"

"تم آزاد ہو شائنہ۔ ہر پابندی سے آزاد۔ تمہارے لئے تو ادھر سے سب کشل منگل کی خبر ہے۔"

"او کے راہل۔ میں بند کر رہی ہوں اور ہاں۔ میں اب ذرا سونا چاہتی ہوں اگر کوئی بہت اہم بات نہ ہو تو پلیز کال مت کرنا۔ او کے۔"

"او کے۔" راہل نے اسے چھیڑے بغیر رابطہ ختم کر دیا۔

شائنہ نے موبائل آف کر کے تپائی پر ڈالا اور کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ ایک بار پھر اس کا جی چاہا کہ نعمان کو ٹرائی کرے مگر پھر نجانے کیوں وہ رک گئی۔ اسے خیال آیا کہ صبح نو بجے آج بھی نعمان نے اسے کنفلکٹ نہیں کیا۔ گذشتہ رات بھی اس کا فون نہیں آیا تھا۔ اس کا



ب تھا وہ بری طرح سے کہیں پھنسا ہوا ہے۔ ورنہ وہ کبھی اس سے وعدہ خلافی نہ کرتا اور کل نے شائنہ سے یہی کہا تھا کہ ان دنوں جو صورتحال چل رہی ہے اس میں اگر کہیں وہ اس طے شدہ وقت پر رابطہ نہ کر سکے تو اسے مائنڈ نہ کرے۔ یہ نازک صورتحال شائنہ ہی کی یا کردہ تھی جس میں نعمان گردن گردن پھنسا ہوا تھا۔ اگر اس بات کا علم نعمان کو ہو جاتا تو وہ ائنہ سے کیا سلوک کرتا' وہ اس بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکتی تھی۔ کیونکہ ابھی تک اسے ان کی حب الوطنی اور مذہب پرستی کے بارے میں کوئی خاص معلومات حاصل نہ ہو سکی ں۔

اس نے بستر پر نیم دراز ہو کر کمبل اوڑھ لیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ سونا چاہتی تھی مگر ب دم ہی اسے صورتحال کی سنگینی کا احساس اس قدر شدت سے ہوا کہ اس کی سوچوں کی تان یشورداس پر آ کر ٹوٹ گئی۔ اس کی باتیں یاد آتے ہی وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھی۔ اگر واقعی نان سے اس کی بروقت ملاقات نہ ہو سکی تو؟

اور اس "تو" کے بعد اس کے لئے کچھ بھی سوچنا ایک خوف اور دہشت کے سوا کوئی عنی نہ رکھتا تھا۔ اس نے غیر اضطراری طور پر ایک بار پھر موبائل اٹھایا اور نعمان کا نمبر نے پر کمر باندھ لی۔ ایک بار' دو بار' تین بار۔ مگر دس بار کی کوشش بھی کوئی رنگ نہ لائی۔ پتے ہاتھوں سے اس نے موبائل تپائی پر ڈالا اور کمبل میں سمٹ کر یوں لیٹ گئی جیسے کوئی بچہ ری سے بے حال ہو کر سمٹا پڑا ہو۔

بند آنکھوں سے بھی اسے ایشورداس' ہنومان اور آخر میں اپنا آبلہ آبلہ جسم دکھائی دے ا تھا۔ بار بار گھبرا کر وہ آنکھیں کھول دیتی مگر یہ مناظر تھے کہ اس کی جان ہی نہ چھوڑ رہے ے۔

دن کا ایک بج گیا مگر نیند اس سے روٹھی ہی رہی۔ تنگ آ کر اس نے کمبل ایک طرف یا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ نائٹی میں اس کا پرشباب بدن قیامت ڈھا رہا تھا مگر وہ ے حسن بلا خیز سے بے پروا یوں فرش کو روند رہی تھی جیسے وقت کی طنابیں کھینچے جا رہی ہو۔

"ہے ہنومان! ہے بجرنگ بلی!" بے اختیار وہ پکار اٹھی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ے پر رکھے اور گھٹنوں کے بل فرش پر گرتی چلی گئی۔ "مجھے راستہ دکھا۔ میری سہائتا کر۔ جے نومان۔ جے ہنومان۔" وہ بڑی دیر تک بڑبڑاتی رہی۔ حیرت انگیز طور پر چند لوں کے بعد وہ پرسکون ہوتی چلی گئی۔ وہ "جے ہنومان۔ جے بجرنگ بلی" کا جاپ کرتی ار آنکھیں بند کئے بڑبڑاتی رہی۔ نیند دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں اترتی چلی آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پھر بڑی مشکل سے بستر کا کونا پکڑ کر وہ اٹھی اور کمبل میں لپٹی یوں بے سدھ ہو کر پڑ گئی جیسے کوئی نشے باز سڑک پر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر گرا پڑا ہو۔

●●●

''ہوں۔'' ایشور داس نے چغہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تم اس سے رابطہ کرنے میں ناکام رہی ہو۔''

''جی ہاں۔ اور یہ سوچ سوچ کر میرا جی ہلکان ہو رہا ہے کہ اگر کل صبح میں اس سے نہ مل پائی تو کیا ہوگا؟''

''اس کا بڑا آسان حل ہے شائنہ۔ تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو۔'' ایشور داس نے اس کے نیم برہنہ سینے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا؟'' شائنہ نے جلدی سے پوچھا۔

''کل صبح یہاں سے تم سیدھی اس کے گھر چلی جاؤ۔ فون پر رابطہ نہ ہو سکنے کا بہانہ تمہارے پاس موجود ہے۔ بس اسی کے گھر میں اس کے بستر پر اس کی چادر بن کر بچھ جانا۔''

''اوہ۔ یہ تو میرے ذہن میں آیا ہی نہیں۔'' اسے ایک اطمینان کا سانس آیا۔ ''یہ تو سامنے کی بات تھی۔ میں یونہی گھبرا رہی تھی۔''

''پریشانی میں ایسا ہو جاتا ہے کہ سامنے کی چیز بھی انسان کی فکر اور نظر سے اوجھل رہتی ہے۔ بہرحال تم کل صبح یہ کر دیکھو۔''

''لیکن ایشور داس جی۔ اگر وہ گھر پر ہی نہ ملا تو؟''

''دیکھو شائنہ۔ وہ ہے تو شہر ہی میں۔ گھر آئے گا۔ صبح دیر سے آئے یا دوپہر کے بعد۔ رات آٹھ بجے تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔ خواہ مخواہ مفروضوں پر خود کو ہلکان مت کرو۔ چلو۔ جلدی کرو وقت گزر رہا ہے۔ آج آخری رات ہے۔ اور ہاں۔ وہ تصویر اٹھا لو۔ آج اس کی ضرورت پڑے گی۔''

ایشور داس نے سامنے ٹیبل پر پڑی نعمان ہاشم کی تصویر کی طرف اشارہ کیا جسے شائنہ نے بڑی مہارت سے چاروں طرف سے کاٹ کر ایک کاغذ پر اس طرح پیسٹ کر دیا تھا کہ اس کے اردگرد کے لوگوں کو کاٹ پھینکا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی بھی طرح ایشور داس کو یہ علم ہو سکے کہ نعمان دراصل سرکاری مشینری کا ایک اہم ترین اور حساس عہدے دار ہے۔

شائنہ نے کپڑے اتارے۔ چغہ پہنا۔ نعمان کی تصویر چغے کی جیب میں ڈالی اور ایشور داس کے ساتھ تہ خانے میں اتر گئی۔



ایشور داس نے حسب سابق اسے اپنے بائیں ہاتھ بٹھایا۔ کمرے کی لائٹس آف کیں۔ شمع جلائی۔ اگربتیاں سلگائیں اور آلتی پالتی مار کر جاپ کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کے سامنے رکھی طشتری میں اب صرف ایک لڈو اور ایک پان کا بیڑا رہ گیا تھا۔ نعمان کی تصویر اس نے پان کے بیڑے اور لڈو کے سہارے یوں کھڑی کر لی کہ اس کی نظروں کے عین سامنے رہے۔

آخری مرتبہ شائنہ کی طرف دیکھ کر اس نے ہنومان کے بت کی جانب نگاہ کی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جاپ شروع کر دیا۔ اب شائنہ کو اس کی بدلتی ہوئی حالت اور آواز کا زیر و بم خوفزدہ کرتا تھا نہ ہنومان کا بدلتا ہوا وجود۔ وہ ان چھ راتوں میں ان باتوں کی ایسی عادی ہو گئی تھی کہ اسے ایشور داس یا ہنومان کے بیر کا جسمانی لمس بھی اب ایک روٹین کی بات لگنے لگا تھا۔

پہلی رات کے بعد ہنومان کے چیلوں یعنی بندروں کی دوبارہ آمد نہ ہوئی تھی۔ اب ایشور داس کے تقریباً دو گھنٹے کے ورد کے بعد ہنومان کے بت میں حرکت پیدا ہوتی۔ وہ خود ظاہر ہوتا۔ ایشور داس سے دو چار فقروں کا تبادلہ کرتا۔ لڈو اور پان کا بیڑا نگلتا اور اس کا بیر ایشور داس کے جسم میں حلول کر جاتا۔ پھر رات بھر وہ شائنہ کو روندتا اور بس۔ مگر آج کی رات خاص تھی۔ یہ ساتویں رات تھی جس کے بعد شائنہ کو اپنے من کی مراد ملنے والی تھی۔

حسب سابق ایشور داس کو جب ورد کرتے ہوئے ڈیڑھ گھنٹے سے زائد ہو گیا تو شائنہ نے ایک عجیب بات محسوس کی۔ آج ایشور داس کے ساتھ اس کی زبان بھی چل رہی تھی۔ غیر محسوس انداز میں وہ خود بھی وہی الفاظ دہرا رہی تھی جن کا جاپ ایشور داس پچھلی چھ راتوں سے کر رہا تھا۔ یہ پندرہ بیس الفاظ کا جاپ اسے یوں ازبر ہو چکا تھا کہ وہ ایشور داس سے الگ بھی اس کا جاپ آسانی سے کر سکتی تھی۔ اس کے لئے اس نے چوری چوری کوشش بھی کی اور حیرت انگیز خوشی سے اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ بآسانی جاپ کر سکتی تھی۔ بے اختیار ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔ اس جاپ سے وہ کیا کام لے سکتی تھی' یہ تو اسے علم نہ تھا مگر اس جاپ سے وہ کوئی نہ کوئی کام لے ضرور سکتی تھی' یہ اسے یقین تھا۔

اس نے ذرا سا ذہن پر زور دیا تو اسے خیال آیا کہ وہ یہ جاپ تو تیسری رات ہی کو ازبر کر چکی تھی مگر ارادتاً چونکہ وہ اس کو دہراتی نہ تھی اس لئے اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ اس جاپ کو ذہن کے پردے پر نقش کر چکی ہے۔

وہ اپنے خیالوں میں ڈوبی مسکراتی نظروں سے ہنومان کے بت کو گھور رہی تھی کہ بت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



میں حرکت ہوئی۔ شمع کی لو بلند ہوئی۔ اندھیرا بڑھا اور ہنومان غرا اٹھا۔

"بس ایشور داس۔ تیرا عمل سویکار ہوا۔ تیرا جاپ پورا ہوا۔"

ایشور داس نے جواب میں تین بار "جے ہنومان۔ جے بجرنگ بلی" کا نعرہ لگایا۔ پھر پہلے لڈو اور اس کے بعد پان کا بیڑا ہنومان کے منہ میں پھینکا جسے اس نے مزے لے لے کر چبایا اور نگل گیا۔

"اب بول۔ کیا اچھیا ہے تیری؟" ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے شائنہ کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"اس منش کو اس ناری کے بس میں کرتا ہے بجرنگ بلی۔" ایشور داس نے نعمان کی تصویر اٹھا کر ہنومان کی طرف پلٹائی۔

جواب میں ہنومان نے کوئی بھی لفظ کہے بغیر اپنے منہ میں انگلی ڈال کر لعاب سے لتھیڑی اور تصویر کی طرف جھٹک دی۔ لڈو کی چاش اور پان کے کتھے سے رنگدار لعاب کی کئی چھینٹیں نعمان کی تصویر پر پڑیں اور تصویر ایک دم جل کر راکھ ہو گئی۔ ایشور داس تصویر کو خاموشی سے تھامے رہا۔ اسے آگ کی قطعاً پروا نہ تھی۔ تصویر ایک دو پل میں راکھ ہو کر فرش پر بکھر گئی۔

تب ایشور داس نے انگلیاں جھاڑ دیں۔

"اور کچھ؟" ہنومان نے ایشور داس کی طرف دیکھا۔

"بس بجرنگ بلی۔ اور کچھ نہیں۔" ایشور داس نے فرش پر ماتھا ٹیک دیا۔ بے اختیار شائنہ کا جی چاہا کہ وہ چیخ کر کہے کہ "بجرنگ بلی! نعمان کا کوئی پتہ نہیں۔ اسے ابھی میرے سامنے لاؤ۔ اسے میرے حوالے کرو"۔۔۔ مگر اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ اس نے لاکھ زور لگایا مگر ہونٹ وا نہ ہوئے۔ اس کے دل کی آواز دل ہی میں دب کر رہ گئی۔

"بس ایشور داس۔ ہم جاتے ہیں۔ آج کی رات آخری رات ہے اور یہ تیری ہے۔"

کہہ کر ہنومان نے ایشور داس کی طرف زور سے پھونک ماردی۔

کمرے میں جیسے بھونچال آ گیا۔ شمع بجھ گئی۔ اندھیرا نیم اجالے میں بدل گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر طرف بدروحیں ناچ رہی ہوں۔ بگولے شائنہ اور ایشور داس کے جسموں سے ٹکرا رہے تھے۔ تھپیڑے ان کو چھو رہے تھے۔ سوئیاں تھیں جو ان کے رگ و پے میں پیوست ہوئی جا رہی تھیں۔ اسی کیفیت میں ہنومان کا وجود دوبارہ بے حس و حرکت بُت میں تبدیل ہو گیا۔ "شائنہ۔" اچانک ایشور داس کی پھنسی پھنسی آواز ابھری۔ "سامنے آؤ۔"

بے اختیار شائنہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایشور داس کے سامنے آ بیٹھی۔ چغہ اس کے جسم



سے الگ ہوا اور ایشور داس نے اسے باہوں میں سمیٹ لیا۔ آج اس کے ہاتھ بازو، سینہ، کمر سب اس کے اپنے تھے۔ اس کی گرفت سخت ضرور تھی مگر اس میں اس حیوانیت کا شائبہ نہ تھا جو چھ راتوں سے شائنہ کے احساسات میں سرایت کر رہی تھی۔

ایشور داس نے اسے رات بھر بھنبھوڑا مگر اس پوری رات میں ایک بار بھی شائنہ اس مدہوشی اور خود سپردگی سے دوچار نہ ہوئی جو پچھلی چھ راتوں کا خاصا تھی۔ آج کی رات ہنومان کے بیر کی نہیں، ایشور داس کی تھی اور ایشور داس حیوان نہیں، انسان تھا!

صبح جب وہ دونوں غسل خانے سے نکل کر کمرے میں آئے تو شائنہ کے جسم پر کوئی خراش تھی نہ نیل کا کوئی نشان۔ جسم تھکا ہوا ضرور تھا مگر اس میں وہ لذت نہ تیر رہی تھی جو گذشتہ راتوں کے اختتام پر اسے نصیب ہوتی تھی۔

"صرف منہ ہاتھ دھو لو اور نعمان کی طرف روانہ ہو جاؤ شائنہ۔" ایشور داس نے لباس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کام جتنی جلدی کر لو اتنا ہی اچھا ہے۔"

شائنہ نے عجیب سی نظروں سے ایشور داس کی طرف دیکھا۔ لباس لے کر وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے ہلکا سا میک اپ کیا اور باہر نکل آئی۔

"اگر میں پہلے اسے موبائل پر ٹرائی کروں تو.....؟"

"حرج تو کوئی نہیں ہے مگر میرا خیال ہے تم اگر خود اسے جا کر ملو تو زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی اس کے لئے ایک سرپرائز ہو گا۔" ایشور داس نے کہا۔ اس کا مشورہ شائنہ کو اچھا لگا۔

"ٹھیک ہے ایشور داس جی۔ میں خود ہی چلتی ہوں۔" اس نے پرس کندھے پر لٹکاتے ہوئے جھک کر اس کے گھٹنے چھو لئے۔

"اگر ذرا بھی الجھن محسوس ہو تو مغرب کے فوراً بعد خود چلی آنا۔ اس سے زیادہ دیر نہ کرنا۔" ایشور داس نے اس کے رخساروں کو چھو کر کہا۔

"بہتر۔" وہ اس کے اکھڑے سانسوں سے ہوشیار ہو کر فوراً سیدھی ہو گئی۔ پھر پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ آج بھی اس نے بھیڑ دیا۔ گیٹ سے نکل کر جب وہ اپنی کار میں سوار ہوئی تو مین روڈ تک آتے آتے اس کے ذہن میں ایک ہی خیال اودھم مچا رہا تھا اور وہ یہ کہ پہلی چھ راتیں اور ساتویں رات آپس میں جو نمایاں فرق رکھتی تھیں اس کے بارے میں اس کا شک صحیح تھا۔ ساتویں رات اس کے ساتھ ہنومان کا بیر نہیں ایشور داس تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایشور داس بھی کوئی عام آدمی نہیں تھا۔ اس نے جو سلوک رات بھر شائنہ کے ساتھ کیا تھا، اگر وہ کسی اور عورت کے ساتھ کرتا تو وہ اسے برداشت کرنے کی کوشش میں کئی بار

مرنے کی حد تک اذیت سے گزرتی مگر وہ جن چھ حیوانی راتوں کو جھیل چکی تھی اس کے بعد ایشور داس کی وحشت تو بچوں کا کھیل لگتی تھی اسے۔ راستے میں دو مرتبہ اس نے موبائل پر نعمان سے رابطہ کرنے کا سوچا۔ پھر رک گئی۔ اسے ایشور داس کی سرپرائز والی بات اچھی لگی تھی۔ ٹھیک پونے آٹھ بجے اس نے گاڑی نعمان کی رہائش گاہ کے باہر روک دی اور نیچے اتر آئی۔

کوٹھی کے گیٹ پر دو سنتری پہرہ دے رہے تھے۔ وہ گاڑی لاک کر کے ان کی طرف بڑھی۔ دونوں سنتری اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر الرٹ ہو گئے۔ اس کا حسن جہاں سوز ایسے ہی دبدبے کا مالک تھا کہ ہر دیکھنے والا مرعوب ہو کر رہ جاتا تھا۔

''مسٹر نعمان ہاشم کی رہائش گاہ یہی ہے؟'' اس نے سنتریوں کے قریب جا کر قدم روک لئے۔

''یس میڈم۔'' ایک سنتری نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

''وہ موجود ہیں؟'' اس نے بڑے دلآویز انداز میں پوچھا۔

''جی نہیں۔''

ایک دھماکہ ہوا اور شائنہ کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔

''کہاں گئے ہیں؟''

''گاؤں چلے گئے۔''

دوسرا دھماکہ ہوا اور شائنہ کے چہرے پر زردی نے ڈیرا ڈال لیا۔

''کب؟'' اس کی آواز ڈوب گئی۔

''کسی خاص کام سے؟'' اس نے گیٹ کا سہارا لے لیا۔

''ان کی والدہ بے حد بیمار ہیں میڈم۔''

''کب لوٹیں گے؟'' وہ باقاعدہ روہانسی ہو گئی۔

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ اپنی والدہ کی صحت یابی سے پہلے شاید ہی واپس آئیں!'' سنتری نے اس کی حالت سے متاثر ہو کر کہا۔ ''میڈم۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''آں۔'' اس نے ماتھے پر آ جانے والے پسینے کو ہتھیلی سے صاف کیا۔ ''ہاں ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ پلٹی اور ڈولتے ہوئے قدموں سے گاڑی کی طرف چل دی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔ میں آپ کے لئے جوس یا پانی لاؤں میڈم؟'' سنتری لپک کر اس کے قریب چلا آیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''نہیں نہیں۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولی۔ ''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے کار کا دروازہ کھولا۔ ''میں ٹھیک ہوں۔''

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر گر سی پڑی۔ پھر حیرت زدہ سنتریوں نے دیکھا کہ اس کی گاڑی پونٹی کی رفتار سے روانہ ہو گئی۔ یوں جیسے کوئی سب کچھ ہار کر خودکشی کے لئے دریا کے پل کی جانب چل دیا ہو۔

●●●

وحشت بھرے خیالات کی بے ربط یلغار سے لدی پھندی شائنہ جب اپنے فلیٹ میں داخل ہوئی تو اس کا سارا بدن یوں لرز رہا تھا جیسے اسے لرزے کا بخار چڑھ آیا ہو۔ دروازہ اندر سے لاک کر کے وہ بمشکل بستر تک آئی۔ پرس کو کندھے سے اتار کر ایک طرف ڈالا اور ڈھیر ہو گئی۔

پندرہ بیس منٹ تک وہ بے سدھ پڑی رہی۔ دھیرے دھیرے اس کے حواس بیدار ہوئے۔ آنکھیں بوجھل ہونے کے باوجود اب وہ کھول سکتی تھی۔ جسم میں کپکپاہٹ اب بھی تھی ناقابلِ برداشت تھی۔ کتنی ہی دیر بالکل چت لیٹی وہ چھت کو بے مقصد گھورتی رہی۔

یہ مصیبت اس کی اپنی پالی ہوئی تھی جو کام سیدھے سادے ٹیکنیکل طریقے سے ہو سکتا تھا اسے وہ کالے جادو کے ذریعے کرنے کی آفت مول لے بیٹھی تھی۔ چیف نے صحیح کہا تھا کہ یہ وقت کا زیاں ہے مگر اب تو وہ خود اپنا آپ داؤ پر لگائے بیٹھی تھی۔ وہ کسے بتاتی کہ اگر آج نعمان سے اس کا وصال نہ ہوا تو وہ کس خوفناک عذاب کے ہاتھوں کسی خارش زدہ کتیا کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی۔

''نہیں نہیں۔'' وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ وحشت اس کے چہرے پر بال کھولے ناچ رہی تھی۔ ''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' خودکلامی کے انداز میں پاگلوں کی طرح بڑبڑاتے ہوئے اس نے پرس اپنی طرف کھینچا۔ اس میں سے موبائل نکالا اور تیزی سے نعمان کا نمبر ملانے لگی۔

تیسری ہی بیل پر رابطہ قائم ہو گیا۔ ایک دم اس کا اضطراب سمٹ کر خون کی سرخی میں ڈھل گیا۔ اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔ آنکھیں ابل پڑیں اور سارا بدن سائیں سائیں کرنے لگا۔

''ہیلو۔'' بے تابی سے اس نے نعمان کی آواز کے جواب میں کہا۔

''ہیلو شائنہ۔'' نعمان کی گھمبیر آواز ابھری۔

''نعمان۔ کہاں ہو تم؟ میں۔ میں۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شائنہ۔ صبح سے میں تمہیں ٹرائی کر رہا تھا۔ سات بجے تک مسلسل تمہیں کال کرتا رہا۔ بیل ہوتی رہی۔ تم نے ریسیو نہیں کیا۔ کہاں تھیں تم؟''

''میں۔ میں۔'' وہ پھر ہکلا کر رہ گئی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ ایشور داس نے اسے رات بھر روندنا تھا اس لئے وہ موبائل ساتھ لے کر اس کے ساتھ تہ خانے میں نہیں جا سکتی تھی۔ عمل میں مداخلتِ بے جا عمل کو بیکار کر دیتی۔

''ادھر امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ مجھے فوری طور پر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں آنا پڑا۔ میں تمہیں بتانا چاہتا تھا مگر تم سے رابطہ ہی نہ ہو سکا۔ پھر میں نے سوچا کہ جاتے ہوئے تمہارے فلیٹ سے ہوتا جاؤں۔ اگر تم موجود ہوئیں تو زبانی اطلاع کر دوں گا مگر اسی وقت دوبارہ گاؤں سے فون آ گیا کہ امی کی حالت مزید بگڑ گئی ہے۔ اس لئے میں سیدھا ادھر آ گیا۔''

''تو اس وقت تم کہاں ہو؟'' نعمان کی طویل بات کے دوران اس نے خود کو خاصی حد تک سنبھال لیا۔

''میں اس وقت گاؤں کے ہسپتال میں ہوں۔ امی پر لو بلڈ پریشر کا اٹیک ہوا ہے۔''

''اوہ۔'' اس نے اپنے دلی جذبات پر تصنع کا خول چڑھایا۔ ''اب اس وقت کیا حال ہے ان کا؟''

''آئی سی یو میں ہیں۔ بس دعا کرو شائنہ۔ میری امی کو کچھ نہ ہو۔ ان کے سر پر تو ہمارا گھر قائم ہے۔ ابو ان کے بغیر ایک پل نہیں کاٹ سکتے اور ہم ان کی موجودگی ہی سے باہمت ہیں۔''

''فکر نہ کرو نعمان۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ مگر کیا یہ بہتر نہیں کہ ان کو شہر کے کسی ہاسپٹل میں لایا جائے۔ گاؤں کے ہاسپٹل میں وہ سہولتیں تو میسر نہیں ہوں گی جو یہاں ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں شائنہ۔'' نعمان نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ ''ہمارے گاؤں کا ہاسپٹل کسی بھی بڑے ہاسپٹل سے کم نہیں۔ یہاں کا عملہ ایک دم اعلیٰ اور تجربہ کار ہے۔ علاج کی طرف سے میں قطعاً فکر مند نہیں ہوں' بلکہ شاید شہر سے بہتر ان کا علاج یہاں ہو سکتا ہے۔ میں تو ان کے بارے میں ویسے ہی پریشان ہو رہا ہوں۔''

''پریشان نہ ہو نعمان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تو آج صبح سرپرائز دینے تمہارے گھر چلی گئی وہاں سے پتہ چلا کہ تم گاؤں جا چکے ہو۔''

''ارے ہاں۔ آج تو تمہارا سرپرائز ڈے تھا شائنہ۔'' نعمان کو اچانک جیسے کچھ یاد آ



گیا۔ ''ویری سوری جان۔ میری وجہ سے تمہارا پروگرام اپ سیٹ ہو گیا۔''

''سنو نعمان۔'' جلدی سے اس نے فقرہ پکڑ لیا۔ ''اگر آج میرا پروگرام اپ سیٹ ہو گیا ناں تو بہت ظلم ہو جائے گا۔ میں کہیں کی نہ رہوں گی نعمان۔''

''ارے ارے۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ایسی کیا آفت ہے جو تم اس قدر پریشان ہو رہی ہو!'' نعمان نے جلدی سے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''نعمان۔ یہ دن میری زندگی کا اہم ترین دن ہے۔ آج بہرصورت مجھے تم سے ملنا ہے۔''

''مگر شائنہ۔ میں اس وقت شہر سے اسی کلومیٹر دور ہوں۔ امی کو اس حالت میں چھوڑ کر آ بھی نہیں سکتا۔''

''اسی ہزار کلومیٹر دور بھی ہوں تو میں تم سے ملنا چاہوں گی نعمان۔'' شائنہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''اگر تم شہر نہیں آ سکتے تو میں گاؤں آ رہی ہوں۔''

''یہاں؟'' حیرت سے نعمان نے کہا۔

''ہاں۔ تم مجھے ایڈریس سمجھاؤ۔'' اس نے ضد کے انداز میں کہا۔

''شائنہ۔ صورتحال ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں یہاں اس انداز میں اٹنڈ کر سکوں جو تمہارا حق ہے۔''

''تو پھر تم خود ایک دو گھنٹے کے لئے شہر آ جاؤ۔ تمہیں آنا ہو گا۔'' اس نے ضد اور التجا کو یکجا کر دیا۔

''شائنہ۔ میرا یہاں سے نکلنا بے حد مشکل ہے۔'' نعمان بیچارگی سے بولا۔

''نعمان۔ میری آج کی تم سے ملاقات پر ہماری آئندہ زندگی کا دارومدار ہے۔''

''شائنہ۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تمہاری بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ تم سے ملاقات اگر آج اس قدر ضروری ہے تو مجھے اس بارے میں مختصراً کچھ تو بتاؤ۔ اگر واقعی ایسی کوئی بات ہے جس کے لئے مجھے تم سے آج ضرور ملنا چاہیے تو میں کوئی راستہ نکال لوں گا۔''

''نعمان۔ میرا منگیتر لندن سے اچانک یہاں پہنچ گیا ہے اور میں نے اس سے جھوٹ بول دیا ہے کہ میں تم سے شادی کر چکی ہوں۔''

''تمہارا منگیتر؟'' نعمان حیرت سے بولا۔ ''یہ کہاں سے ٹپک پڑا؟''

''بس۔ یہ سب تو میں اب ملاقات پر ہی بتا سکتی ہوں۔'' اس نے ایک بہت بڑے جھوٹ کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"مگر اس کا تمہاری اور میری ملاقات سے کیا واسطہ؟" نعمان ابھی تک الجھا ہوا تھا۔

"نعمان۔ وہ بضد ہے کہ اگر میں نے شادی کی ہے تو وہ آج ہی تم سے ملے گا اور NEXT فلائٹ سے واپس لوٹ جائے گا۔"

"شائنہ۔ ایک تو تمہارا منگیتر اچانک پیدا ہو گیا جبکہ اس سے پہلے تم بالکل اکیلی تھیں۔ دوسرے وہ مجھ سے مل کر واپس چلا جانا چاہتا ہے۔ تیسرے میری تم سے ملاقات اس پس منظر میں تو طے ہی نہیں تھی۔ تم تو مجھے کوئی سرپرائز دینا چاہتی تھیں۔ میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔ تمہاری ایک بات کا دوسری سے کوئی ربط نہیں ہے۔ میں کیا سمجھوں اور کیا نہ سمجھوں؟"

"نعمان۔" اچانک اس کے لہجے میں عجیب سی تلخی ابھر آئی۔ "ایک بات بتاؤ۔"

"بولو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"تم کل تک مجھ سے جان دینے کی حد تک محبت کرتے تھے۔ آج تمہیں میری ہر بات مشکوک لگ رہی ہے۔ کیوں؟"

"تم نے باتیں ہی ایسی کی ہیں شائنہ کہ میں ذہنی طور پر الجھ کر رہ گیا ہوں۔ پھر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم نے اپنے اچانک جنم لینے والے منگیتر سے یہ جھوٹ کیوں بولا کہ تم مجھ سے شادی کر چکی ہو؟"

"خود کو اور تمہیں اس مصیبت سے بچانے کے لئے جو وہ اپنے ساتھ لئے پھر رہا ہے!"

"وہ کیا؟"

"میرے پاپا کی وصیت۔ جس کے مطابق میں تقریباً چھ کروڑ کی جائیداد کی مالک ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ میں اپنے منگیتر واصف سے شادی کر لوں۔ اور اگر میں اس سے شادی نہیں کرتی تو مجھے اپنی آدھی جائیداد اس کے نام کرنا پڑتی ہے۔"

"تو اس میں مشکل کیا ہے؟ آدھی جائیداد اس کے نام کر کے جان چھڑاؤ۔ ہم بہرحال آئندہ کچھ ہفتوں میں شادی کرنے ہی والے ہیں۔"

"وہ ایک معمولی سی شرط پر اپنا حصہ بھی میرے نام کرنے پر تیار ہے نعمان۔"

"کس شرط پر؟"

"کہ تم آج اس سے ایک بار مل لو۔ اسے یقین آ جائے کہ میں اور تم شادی کر چکے ہیں۔ بس۔ وہ اپنا حصہ لئے بغیر کاغذات میرے حوالے کر کے لوٹ جائے گا۔"

"عجیب بات ہے۔" نعمان بڑبڑایا۔ "سب کچھ میرے سر کے اوپر سے گزر رہا ہے۔"



"نعمان۔ بس دو گھنٹوں کی بات ہے۔ تم آ جاؤ۔ اس سے ملنے کے بعد میں خود تمہیں ں چھوڑ آؤں گی۔"

"شائنہ۔ کیا وہ ایک دو دن رک نہیں سکتا۔ تم اسے بتا سکتی ہو کہ میں کس مشکل میں ا ہوا ہوں۔"

"نہیں بتا سکتی۔ وہ پوچھے گا کہ تمہاری ساس ہاسپٹل میں ہے۔ تمہارا ہسبینڈ اپنی ماں پاس ہے تو تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"تو اب تم نے اسے کیا بتا دیا ہے؟"

"یہی کہ تم کسی سرکاری میٹنگ میں ہو۔ فارغ ہوتے ہی اس سے مل لو گے۔"

"تم اس سے یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ میں شہر سے باہر ہوں کسی اہم سرکاری کام کے لے میں!"

"کیسے کہہ دیتی۔ مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ تم گاؤں جا چکے ہو۔" یہاں شائنہ کا پلہ ری تھا۔ نعمان کو اس بات میں وزن نظر آیا۔

"بہرحال شائنہ۔ تین کروڑ کوئی ایسی بڑی رقم نہیں ہے جس کے لئے تم اتنا سر درد مول رہی ہو۔ جانے دو اسے۔ میرا سب کچھ کس کا ہے۔ تمہارا ہی تو ہے۔ اور تمہیں یہ روپے کی کب سے ہونے لگی؟"

"تم نہیں سمجھتے جان۔" شائنہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ "ایک چھوٹی سی کے لئے تین کروڑ کا نقصان کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔ یہ روپیہ بھی تو تمہارا ہی ہو گا۔ سے کیا شہد لگا کر چاٹوں گی۔"

"نہیں شائنہ۔ میں مرد ہوں۔ میرے روپے پر تمہارا حق ہے۔ تم اسے جیسے چاہو ل کرو۔ مگر تمہارے روپے پر میں نظر رکھوں یہ میری توہین ہے۔"

"تو پھر میرا روپیہ سمجھ کر ہی مجھے نقصان سے بچا لو جان! اگر تم دو گھنٹے سپیئر کر لو تو میں رتی ہو سکتی ہوں۔"

"وہ تو تم اس کے بغیر بھی ہو جاؤ گی شائنہ۔ چھ کروڑ پتی نہ سہی تین کروڑ پتی سہی۔"

"پلیز نعمان۔" وہ منت پر اتر آئی۔ "اگر تم نہیں آ سکتے تو مجھے اجازت دو کہ میں وہاں ل اور تمہیں خود شہر لے آؤں۔"

"تم واصف کو یہاں کیوں نہیں لے آتیں؟"

"جان۔ میں بتا چکی ہوں کہ میں نے اس سے کہہ رکھا ہے تم میٹنگ میں ہو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"اوہ شائنہ۔ تم نے مجھے عجیب مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔" وہ بیزاری سے بولا۔ "اچھا رکو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں کال بیک کرتا ہوں۔ ڈاکٹر ادھر آ رہا ہے۔ میں اس سے امی کے بارے میں بات کر لوں۔" پھر شائنہ کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے موبائل آف کر دیا۔

ہونٹ کاٹتے ہوئے شائنہ نے موبائل کان سے ہٹایا اور تپائی پر ڈال دیا۔ پھر وہ اٹھی اور بے تابی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نعمان کی اور اپنی جان ایک کر دیتی۔ بار بار اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں۔ رہ رہ کر اسے کبھی خود پر اور کبھی ایشورداس پر غصہ آ رہا تھا جس نے اسے اصل صورتحال سے صرف ایک روز پہلے آگاہ کیا تھا۔ اگر وہ پہلے ہی کھل کر اسے سب کچھ بتا دیتا تو وہ پیشگی کوئی بندوبست کر کے رکھتی۔

پھر اسے نعمان پر طیش آ گیا۔ ایک ہفتہ پہلے تک وہ اس کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کے شباب پر دانت لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے ایک بوسے کے لئے پہروں اس کے نخرے اٹھاتا تھا مگر۔ پھر اچانک ہی وہ مصروفیات کی کھائی میں یوں گرتا چلا گیا کہ سب عشق وشق بھولنے لگا۔

آخر میں اسے اپنے آپ پر تاؤ آ گیا۔ نہ وہ اوپر تلے وارداتیں کرتی اور نہ نعمان اس سے دور جاتا۔ وہ سرکاری ملازم تھا۔ ایک انتہائی ذمے دار عہدے پر تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی کرتا یا اس کے پیچھے پیچھے پھرتا۔ پھر آج تک اس نے اسے دو ہاتھ کے فاصلے پر رکھ چھوڑا تھا۔ اگر ایک بار بھی اسے گندم کا دانہ چکھ لینے دیا ہوتا تو شاید اس کا ذائقہ اسے کشاں کشاں اس کے پیچھے لگائے رکھتا۔

جہاں تک وارداتوں کا تعلق تھا اس کے لئے وہ خود کو الزام نہ دے سکتی تھی۔ وہ جس مقصد کے لئے اس ملک میں تین سال سے کام کر رہی تھی وہ یہی تھا۔ تباہی، بربادی اور قتل و غارت۔ دہشت گردی کے لئے اس نے اپنی جان داؤ پر لگا رکھی تھی۔ پھر وہ اپنے چیف اور ملک کے بڑوں کا حکم کیسے ٹال دیتی۔ ان کا کہا تو اسے ہر حال میں پورا کرنا ہی تھا۔ ایشورداس کے چکر میں پڑ کر اس نے غلطی کی تھی۔ اسے چاہیے تھا کہ اس سے بات کر کے سات راتوں کے بجائے کوئی مختصر عمل کرا لیتی۔ چاہے اس کے لئے اسے دس گنا قیمت پڑتی۔ روپیہ پیسہ اس کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔

مگر......

یہ سب گئے وقت کے نوحے تھے۔ ان کو اب گانے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو پھر بستر پر بیٹھ گئی۔ موبائل اٹھایا۔ وقت دیکھا نعمان سے بات ہوئے آدھ گھنٹہ



تھا۔ دن کے نو بج رہے تھے۔ اس نے سوچا اسے خود ہی کال کرے۔ ایک ایک پل اس کے لئے بے حد قیمتی تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ موبائل چیخ پڑا۔

تیزی سے اس نے سکرین پر نظر دوڑائی اور اس کا چہرہ بگڑ کر رہ گیا۔ رابیل کا فون تھا۔ اس نے ایک بار تو سوچا کہ کال اٹنڈ نہ کرے۔ مگر پھر یہ خیال کر کے کہ کوئی اہم کام یا پیغام نہ ہو، اس نے بٹن دبایا اور موبائل کان سے لگا لیا۔

"یس۔ شائنہ از ہیئر۔"

"رابیل بول رہا ہوں۔" رابیل کی آواز بے حد مضطرب تھی۔

"ہاں رابیل بولو۔" شائنہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"سب گڑبڑ ہو گیا شائنہ۔ سب غلط ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" وہ تیزی سے بولی۔ "کیا غلط ہو گیا۔"

"ہمارا کل کا مشن ایک دم فلاپ ہو گیا۔"

"کون سا مشن۔ کھل کر بولو۔" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کل والا مشن شائنہ۔ عبدالقادر بھٹی مشن!"

"کیا ہوا؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔

"سب ڈرامہ نکلا۔ سب ڈرامہ۔" رابیل بے ربط الفاظ بولے جا رہا تھا۔

"رابیل۔" شائنہ نے قدم روک کر ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے اپنے حواس درست کرو۔ پھر بات کرنا۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔"

"نہ نہ۔ ایسا نہ کرنا شائنہ۔ میری بات سنو۔ میں بتاتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ چند لمحے اپنے پھولے ہوئے سانس کو درست کرتا رہا۔ پھر گویا ہوا۔ "میں شروع سے بتاتا ہوں۔" رابیل اب حواس میں آ رہا تھا۔

"سنو۔ ہمیں جو انفارمیشن ملی وہ ہمارے مخبر کے حوالے سے بالکل درست تھی مگر اصل میں بالکل بوگس تھی۔ اس مرتبہ پاکستان ملٹری انٹیلی جنس والے ہمیں مات دے گئے شائنہ۔ انہوں نے ڈبل پلان ترتیب دیا تھا۔ ایک طرح سے وہ ہمیں ڈبل کراس کر گئے۔ تم سن رہی ہو؟"

"ہاں ہاں۔ کہتے رہو۔" شائنہ کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ رابیل کی بات کی تہہ تک پہنچنے کو تھی۔

"ہم اپنے مخبر کی انفارمیشن پر عمل کرتے رہے۔ تم نے اپنی دانست میں گوندل کو مارا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پھر عبدالقادر بھٹی کو اڑا کر فائل حاصل کر لی۔ مگر اصل میں ہوا یہ ہے کہ عبدالقادر بھٹی صنعتی وفد کے ساتھ جانے کے بجائے ایک رات پہلے ہی بیجنگ جا چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک غیر اہم آدمی اس کے روپ میں اس کے گھر پر موجود تھا جو تمہارے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگر ان کا پلان کامیاب ہو جاتا تو اس وقت تم ان کے اذیت خانے میں ہوتیں شائنہ۔ فائل میں جو پلان دستاویزات کی شکل میں ہے وہ بھی بوگس ہے۔ کارگل میں جو چینی اور پاکستانی افواج کا مشترکہ مشن انا ڈنس کیا گیا' وہ بھی بوگس معلومات پر مشتمل تھا۔ اصل پلان کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا۔ کارگل کے بارے میں ہے یا کشمیر کے بارے میں۔ افغانستان کے بارے میں ہے یا سیاچن کے بارے میں۔ کسی کو علم نہیں۔ چیف پاگل ہو رہا ہے۔ دہلی ہیڈ کوارٹر میں صبح سے ایک میٹنگ چل رہی ہے جس میں اسرائیلی نمائندے خصوصی شرکت کے لئے آئے بیٹھے ہیں۔ اب دیکھو وہاں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔"

"او..... ....." شائنہ کا دماغ ماؤف سا ہو گیا۔ اسے اپنے سر میں ہلکے ہلکے پٹاخے چھوٹتے محسوس ہو رہے تھے۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو گیا؟"

"یہ اس طرح ہو گیا شائنہ کہ ہمیں قدم قدم پر دھوکے میں رکھا گیا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے راہل۔۔ اگر تمہارا کہنا درست ہے تو میں اس قدر آسانی سے اپنے پلان میں کامیاب کیسے ہو گئی؟"

"اس کی کئی وجوہات ہیں شائنہ۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ احتیاط کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں نے اپنے آدمیوں کا ایک جال تمہارے اردگرد پھیلا رکھا تھا۔ انہوں نے ہر مقام پر تمہیں گھیر لینے اور گھیر کر مار دینے والے تمام لوگوں کو ایکشن میں آنے سے پہلے ہی اڑا دینے کا کام مسلسل اس طرح انجام دیا کہ ان کا کوئی آدمی تمہاری پرچھائیں بھی نہ چھو سکا اور تم پورے اطمینان سے بھٹی کے گھر تک جا پہنچیں۔"

"اوہ۔ تو یہ تم تھے جس کی وجہ سے میں اس قدر محفوظ انداز میں سب کچھ کر کے لوٹ آئی۔" شائنہ کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"ہاں۔ مگر سب بے سود رہا شائنہ۔ سب فضول ثابت ہوا۔ اور جانتی ہو وزارت دفاع کے آفس میں یہ ڈبل پلان ترتیب دینے والوں میں سرفہرست کون تھا؟"

"کون؟"

"تمہارا مجنوں۔"

"یعنی۔" شائنہ کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔



"ہاں۔ وہ نعمان ہاشم تھا شائنہ جس نے چار فوجی سکیمرز کے ساتھ مل کر یہ پلان ترتیب دیا اور ہمارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔"

"اوہ نو۔" اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اوہ یس شائنہ۔ وہ دیکھنے میں جتنا بھولا ہے اندر سے اسی قدر خطرناک ہے۔ کسی بھیڑیئے کی طرح خونخوار اور کسی چیتے کی طرح مکار۔"

"تمہیں اس انفارمیشن پر یقین ہے راہل؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔ یہ غلط ہو ہی نہیں سکتی!"

"جیسے سابقہ انفارمیشن بالکل درست تھی ویسے ہی۔ ہے ناں!" وہ طنز سے بولی۔

"وہ اور معاملہ تھا شائنہ۔ یہ مصدقہ خبر ہے!"

"تو اس کے لئے نعمان ہاشم کو بھگتنا پڑے گا راہل۔ تم فکر مت کرو۔ اسے میں چھٹی کا دودھ یاد نہ دلا دوں تو میرا نام شائنہ نہیں۔" وہ ہونٹ بھینچ کر غرائی۔

"او کے۔ جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ اور ہاں۔ چیف کا حکم ہے کہ وہ فائل ضائع کر دو جس کی اہمیت ایک ردی کاغذ سے زیادہ نہیں ہے۔"

"او کے۔" اس نے رابطہ کاٹ دیا۔

اب اس کے صبر کا بند ٹوٹ رہا تھا۔ اس نئی اطلاع نے اسے بالکل ہی آپے سے باہر کر دیا۔ اب نعمان سے اس کا وصال اتنا ہی ضروری تھا جتنا اس کے زندہ رہنے کے لئے سانس لینا۔

اس نے ایک پل کی دیر کئے بغیر نعمان کا نمبر ملایا۔ بیل ہوتی رہی مگر وہ اٹنڈ نہیں کر رہا تھا۔ غصے کے مارے اس کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ دل میں بگولے سے اٹھے۔ یہ بے اعتنائی۔ یہ بے رخی۔ یہ بے التفاتی۔ وہ ہونٹ بھینچے کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر وہ رابطہ کاٹنے کو تھی کہ دوسری طرف سے نعمان نے کال ریسیو کر لی۔

"ہیلو شائنہ۔" اس کی آواز ابھری۔

"یس جان۔" ایک دم شائنہ کا موڈ بدل گیا۔ اس کی آنکھیں' چہرے کے تاثرات اور دماغ کی سوچ اس کی آواز کا ساتھ نہ دے رہے تھے مگر وہ حیرت انگیز طور پر ہر کیفیت کو ہینڈل کر رہی تھی۔ "کیا ہوا۔ اتنی دیر لگا دی۔"

"امی کو ہوش آ گیا ہے شائنہ۔ ان کو آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کیا جا رہا تھا۔ اسی سلسلے میں مصروف تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''اوہ۔ یہ تو بہت اچھا ہوا نعمان!'' اس کی آواز میں مسرت چھلکی۔

''ہاں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں نے ان سے دو منٹ تک بات بھی کی ہے۔''

''گڈ نیوز۔ تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟''

''شائنہ۔ اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟'' وہ بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''کہو۔'' شائنہ کا دل دھڑک اٹھا۔

''تم یہاں آ جاؤ۔ امی تم سے ملنا چاہتی ہیں۔ کچھ دیر ان کے پاس رک کر پھر ہم شہر اکٹھے لوٹ چلیں گے۔''

''اوہ۔'' اس نے ایک طویل سانس لیا۔ ''میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں تم آنے سے انکار کرنے والے ہو۔''

''نہیں۔ میں نے ان سے بات کی ہے۔ وہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور شاید آج ہی ہمیں شادی کی اجازت بھی مل جائے جو محض رسمی کارروائی ہے کیونکہ میں انہیں اپنے اور تمہارے بارے میں بتا چکا ہوں۔''

''میں ابھی چلوں تو کتنی دیر میں تمہارے پاس پہنچ سکتی ہوں جان!'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''ایک گھنٹہ دس منٹ میں۔ اپنی گاڑی پر آؤ تو۔''

''اپنی گاڑی پر ہی آؤں گی جان۔ تم ایڈریس سمجھاؤ۔''

جواب میں نعمان نے اسے اپنے گاؤں کا راستہ سمجھا جو اس نے احتیاطاً لکھ بھی لیا۔

''اور اگر کوئی مشکل پیش آ جائے تو فون کر لینا۔ تم جہاں ہو گی میں وہاں سے آ کر تمہیں لے لوں گا۔''

''او کے جان۔'' اس نے خوشی سے قلقاری مارتے ہوئے کہا۔ ''ساڑھے نو ہوئے ہیں۔ میں گیارہ بجے تک تمہارے پاس ہوں گی۔''

''او کے۔ سی یو۔'' نعمان نے اس کی طرف موبائل بوسہ اچھالا۔

''سی یو۔'' اس نے جواباً Kiss روانہ کی اور موبائل آف کر دیا۔ کپڑے بدلنے میں اسے بمشکل پانچ منٹ لگے۔ ہلکا ہلکا میک اپ دوبارہ فریش کیا۔ پھر آئینے میں اپنا جائزہ لینے کے بعد اس نے ساڑھی کا پلو شانے پر درست کیا۔ پرس میں موبائل کے ساتھ خفیہ خانے میں چھوٹا سا سیاہ رنگ کا پسٹل رکھا اور روانگی کے لئے تیار ہو گئی۔

فلیٹ سے نکلنے سے پہلے اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ ایک پل سوچا پھر اس نے اپنے



خیال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ کمرے کے کونے میں پڑے سٹینڈ کی طرف بڑھ گئی جس پر فون سیٹ پڑا تھا۔ فلیٹ میں فون وہ بہت کم استعمال کرتی تھی۔ اس وقت نجانے کیا سوچ کر اس نے اسی پر بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایشور داس شاید سو رہا تھا۔ مسلسل چھٹی بار ڈائل کیا تو اس سے رابطہ قائم ہوا۔

''ہیلو۔'' اس کی بوجھل آواز ابھری۔

''ہیلو ایشور داس جی۔ میں ہوں شائنہ۔''

''ہاں..... آں۔ بولو شائنہ۔ کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے ناں؟'' وہ نیند کو جمائی کے ساتھ میں غوطہ دیتے ہوئے بولا۔

''ابھی تک تو خیریت والی کوئی بات نہیں ہے۔'' وہ بے دلی سے بولی۔

''مطلب؟'' وہ چونکا۔

''نعمان کی والدہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ وہ گاؤں چلا گیا ہے!''

''تو پھر؟'' وہ شاید سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

''بڑی مشکل سے میں نے اسے راضی کیا ہے کہ میں اسے گاؤں جا کر ملوں۔ اب میں جا رہی ہوں۔''

''کتنی دیر کا راستہ ہے؟''

''سوا گھنٹے کا۔''

''اور وہاں کیا تم لوگوں کو موقع مل جائے گا۔''

''نہیں اسے یہاں لے کر آؤں گی۔ اپنے فلیٹ پر۔''

''وقت بڑا نپا تلا ہے تمہارے پاس شائنہ۔ کوشش کرو اگر وہیں کوئی سچویشن بن جائے تو وہ بہتر ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں ایشور داس جی۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گی کہ ملنے والا کوئی پل ضائع نہ ہو۔''

''پھر بھی اگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تو شام کے فوراً بعد مجھ تک پہنچ جانا۔ میں نے کل کا دن اور رات صرف تمہارے لئے کوئی کام نہیں پکڑا۔ سُودے سے کہہ دیا ہے کہ سب کو ٹالی سے فارغ کر دے۔''

''شکریہ ایشور داس جی۔ مجھ پر دھیان رکھئے گا۔''

''بجرنگ بلی بھلی کرے گا شائنہ۔ تم نکلنے والی بات کرو۔'' ایشور داس نے اسے تسلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



دینے کے انداز میں کہا۔

"اور ایشور داس جی۔ اگر میں اسے کوئی نشہ آور شے پلا دوں جس میں جنسی اشتہا جگانے والے اجزاء شامل ہوں تو۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں۔"

"کوئی حرج نہیں۔ جس طرح بھی ہو تمہارا کام آج پورا ہونا چاہیے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ تو میں نکلتی ہوں۔" اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ تقریباً تیس سیکنڈ تک بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔ پھر اٹھی اور سامنے کچن میں چلی گئی۔

ایک مقفل دراز کھول کر اس میں سے ویاگرا کا پیکٹ نکالا۔ ایک گولی پیس کر سکواش کے جگ میں ملائی۔ جگ کو فریج میں رکھا اور کچن کا دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔ ویاگرا کے پیکٹ سے دو گولیاں نکال کر اس نے پرس کے چھوٹے خانے میں رکھیں۔ زپ بند کی اور پیکٹ ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں ڈال دیا۔

ٹھیک تین منٹ بعد وہ فلیٹ کو مقفل کر کے نیچے اتری۔ گاڑی میں بیٹھی۔ جس کاغذ پر نعمان کے گاؤں کا ایڈریس لکھا تھا اسے کھول کر سامنے ڈیش بورڈ میں رکھا۔ گاڑی کو سڑک پر لا کر اس نے کاغذ پر نظر ڈالی۔

"مدحت آباد۔ جی پیلس۔ ارسلان ہاسپٹل۔"

اس نے زیر لب دہرایا اور ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔

سامنے ڈیجیٹل واچ پر صبح کے دس بج کر تین منٹ ہو رہے تھے اور وہ ایک گھنٹہ دس منٹ کا فاصلہ ستاون منٹ میں طے کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

●●●



●●●

گیارہ بجنے میں ایک منٹ باقی تھا جب اس نے گاڑی ارسلان ہاسپٹل کے پارکنگ لاٹ میں روک دی۔

مدحت آباد کو گاؤں کہنا غلط تھا۔ وہ ایک چھوٹا موٹا شہر تھا جہاں ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں۔ ہاسپٹل اس گاؤں کی ابتداء میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس کی پرشکوہ عمارت اس کے جدید ترین ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

شائنہ ایک دم متاثر ہو جانے کے انداز میں گاڑی سے اتری۔ وہ تعریفی نظروں سے اردگرد کے علاقے اور ہاسپٹل کو دیکھ رہی تھی۔ ہاسپٹل کے سامنے سڑک پر مدحت آباد کا بورڈ لگا تھا۔ پکے راستے کے کنارے آویزاں تھا جو گاؤں کے اندر جا رہا تھا اور ایک پختہ سڑک پر مشتمل تھا۔

پرس کندھے سے لٹکاتے ہوئے اس نے گاڑی لاک کی۔ کی رنگ پرس میں ڈالا اور استقبالیہ کی طرف چل پڑی مگر چند قدم چل کر ہی اسے رک جانا پڑا۔ نعمان ہاشم باہر آ رہا تھا۔

اسے دیکھ کر وہ ایک پل کے لئے ٹھٹکا۔ پھر تیز تیز قدموں سے اس کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دم بڑی جاندار مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"ہیلو شائنہ!" وہ اس کے قریب آ کر رکا تو گرمجوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ہیلو۔" شائنہ نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔ جونہی دونوں کے ہاتھ آپس میں مس ہوئے نعمان نے چونک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا بات ہے؟ تم اس قدر سرد کیوں ہو رہی ہو؟" اس نے شائنہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں مسل کر چھوڑ دیا۔

"بس موسم ہی ایسا ہے؟" وہ مسکرائی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ آنے والے وقت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



خوفناک احساس نے اس کے خون کو رگوں میں منجمد کر رکھا ہے۔ نعمان کی بات پر اسے پھر ایشور داس کی تنبیہہ یاد آ گئی اور سارے بدن میں ٹھنڈی ٹھنڈی ایک پھریری سی دوڑ گئی۔

''آؤ۔ میں تمہیں گھر والوں سے ملاؤں۔'' نعمان پلٹ کر اندر کی جانب چلا۔

''نعمان۔ میری بات سنو!'' وہ لپک کر اس کے ساتھ آ ملی۔

''کہو۔'' وہ رک گیا۔

''ہمیں ابھی واپس جانا ہے۔ تمہیں یاد ہے ناں!''

''ہاں ہاں۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ذرا امی ابو کو تمہارا دیدار تو کرا لوں۔'' شرارت بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔ ''پھر اجازت لینے کی کوشش کروں گا۔''

''کوشش نہیں نعمان۔'' وہ اس کے ساتھ آگے چل پڑی۔ ''ہمیں بہرصورت ابھی شہر واپس جانا ہے۔''

''او کے بابا۔ او کے۔'' وہ اس کے اصرار پر جز بز سا ہو گیا۔ ''ابھی تو اندر چلو۔''

ہاسپٹل کے کاریڈور میں آتے ہی شائنہ کو یوں لگا جیسے وہ شہر کے کسی بہت بڑے جدید ہاسپٹل میں آ گئی ہو۔ نرسیں' وارڈ بوائے' ڈاکٹرز' لیڈی ڈاکٹرز' اسٹریچر ہر شے رواں دواں تھی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے سب کچھ دیکھتی ہوئی نعمان کا بازو تھامے چلتی رہی جسے ملنے والا ہر مریض' ہر تیمار دار اور ہاسپٹل کا ہر فرد زبان اور سر کے اشارے سے سلام کرنا شاید اپنا فرض جانتا تھا۔

کاریڈور سے بائیں مڑتے ہی نعمان رک گیا۔ شائنہ نے بھی قدم روک لئے۔ سامنے سے ایک ڈاکٹر اور دو لیڈی ڈاکٹرز چلی آ رہی تھیں۔

''ارے۔ تم کہاں سے آ رہے ہو بھائی؟'' ایک لیڈی ڈاکٹر نے نعمان کو دیکھتے ہی تیزی سے کہا۔ پھر اس کے ساتھ شائنہ کو دیکھ کر اس نے باقی کا فقرہ روک لیا۔ ''اور..... یہ کون ہیں؟'' وہ شائنہ کو عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ذرا دم تو لو مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحبہ!'' نعمان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''شائنہ۔ یہ میری باجی ہیں لیڈی ڈاکٹر سنبل۔ یہ ہمارے ہاسپٹل کی گائنا کالوجسٹ ہیں ڈاکٹر محمودہ اور یہ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر ارسلان۔ غلطی سے انہی کے نام پر یہ ہاسپٹل ہے۔ میرے سب سے بڑے بھائی خوش بخت بزنس ٹور پر دوبئی گئے ہوئے ہیں۔ میں ان سب سے چھوٹا ہوں اس لئے ان کے رعب کا شکار رہتا ہوں۔''

''ہیلو۔'' شائنہ نے مسکرا کر ان سب سے ہاتھ ملایا۔



''اوہ۔ تو یہ ہیں شائنہ!'' ارسلان نے دیدے نچائے۔

''جی۔'' نعمان نے ''جی'' کو کھینچتے ہوئے خاصا لمبا کر کے کہا۔ ''اب اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں ان کو امی کے پاس لے جاؤں۔''

''ضرور ضرور۔'' ان تینوں نے ایک طرف ہو کر ادب سے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ نعمان مسکراتے ہوئے شائنہ کو ساتھ لئے آگے بڑھا اور بائیں ہاتھ تیسرے دروازے سے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ شائنہ اس کے عقب میں تھی۔

''ارے ہنی۔ تو کہاں چلا گیا تھا۔'' اندر موجود ایک بارعب مگر ہنستے مسکراتے چہرے کے مالک شخص نے اس بیڈ کے پاس پڑی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا جس پر نعمان کی امی آنکھیں موندے لیٹی تھیں۔

''ہنی۔'' شائنہ نے زیرلب دہرایا۔ ''تو نعمان کو گھر والے ہنی کہہ کر بلاتے ہیں۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''ابو۔ میں ذرا باہر تک گیا تھا۔ شائنہ کو دیکھنے۔''

''اچھا اچھا۔'' ان کی نظر نعمان کے عقب سے برآمد ہوتی شائنہ پر پڑ گئی۔

''آؤ آؤ بیٹی۔'' وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھے۔

ان کے آخری فقرے پر نعمان کی والدہ نے آنکھیں کھول دیں۔ شائنہ نے مسکرا کر نعمان کے ابو کی جانب دیکھا اور غیر اختیاری طور پر سر جھکا لیا۔ وہ اسے شائنہ کی شرم و حیا کا اظہار سمجھ کر ہنس دیئے۔

''یہ میرے ابو ہیں شائنہ۔ احمد بھٹی۔ اور وہ میری امی ہیں مسز مدحت احمد۔'' نعمان نے اپنی والدہ کی طرف اشارہ کیا۔

شائنہ، احمد صاحب کے پاس سے گزر کر تین چار قدم آگے بڑھی اور مدحت بیگم کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ مگر یہ کیا؟ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ معدوم ہوتے ہوتے بالآخر بالکل ختم ہو گئی۔ مدحت بیگم اسے اس طرح مضطرب اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں جیسے انہوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ پھر..... ان کے لبوں سے ایک ڈری ڈری آواز نکلی اور سہم کر پیچھے سرکنے کی کوشش میں انہوں نے جیسے بازو پھیلا کر شائنہ کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

''ہنی۔ ہن..... ی.....'' ان کے ہونٹوں سے سرگوشی سی آزاد ہوئی اور وہ غش کھا گئیں۔

''امی۔ امی۔'' نعمان تیزی سے آگے بڑھا اور ان پر جھک گیا۔ شائنہ ہجک کر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



طرف ہوگئی۔ احمد صاحب لپک کر بیڈ کے قریب آئے۔

"ابو۔ آپ امی کو دیکھئے میں سنبل کو بلاتا ہوں۔" وہ بدحواس سا ہو کر پلٹا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ حالانکہ وہ کال بیل دبا کر نرس کو طلب کر سکتا تھا مگر والدہ کی اچانک بگڑتی حالت نے اسے گڑبڑا کر رکھ دیا تھا۔ احمد صاحب اپنی بیگم کو پکارے جا رہے تھے۔ انہوں نے اسے کسی معصوم بچے کی طرح باہوں میں بھر لیا اور اس کے سر' بازوؤں اور ہاتھوں پر مساج کرنے کے انداز میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔ اور شائنہ..... اس کے دماغ میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اس نے بڑے واضح انداز میں محسوس کیا تھا کہ مدحت بیگم اسے دیکھ کر خوفزدہ ہوئی تھیں اور ان کے اس غش کھا جانے کی ذمے دار وہی تھی۔ ایسا کیوں ہوا؟ وہ کچھ نہ سمجھ پا رہی تھی۔ پھر اس نے خود کو کمرے کے ایک کونے میں سمیٹ لیا۔ گھبرائی ہوئی ڈاکٹر سنبل' ڈاکٹر ارسلان اور ایک لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ نعمان کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

●●●

شائنہ' ڈاکٹر سنبل کے کمرے میں بیٹھی اضطراب سے پہلو بدل رہی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کبھی اپنی رسٹ واچ اور کبھی دیوار گیر کلاک پر رقص کر رہی تھیں جہاں دن کے دو بجنے جا رہے تھے۔

نعمان معذرت کرتے ہوئے اسے خود اس کمرے تک چھوڑ گیا تھا۔ مدحت بیگم کو ایک بجے تک تو ہوش نہیں آیا تھا۔ ان کا بی پی مسلسل گر رہا تھا اور اس حالت میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

خیریت یہ ہوئی کہ مدحت بیگم کے شائنہ سے خوفزدہ ہونے کی حالت کو اس کے علاوہ کسی نے دیکھا نہ محسوس کیا تھا۔ احمد صاحب دو تین بار اسے دیکھنے آ چکے تھے۔ چائے اور خشک میوہ جات کے برتن ابھی تک اس کے سامنے میز پر پڑے تھے جن سے وہ بادل نخواستہ دل بہلا رہی تھی۔ احمد صاحب جب بھی آئے اسے تسلی دے کر' اس سے معذرت کر کے گئے کہ وہ اسے ٹھیک طرح اٹینڈ نہیں کر سکے۔ جواب میں وہ سوائے مدحت بیگم کی خیریت دریافت کرنے کے اور کیا کرتی۔ سو وہ ایسا کرنے کے بعد پھر اضطراب کی وادیوں میں محو سفر ہو جاتی۔ سنبل اس دوران صرف ایک بار آئی تھی اور وہ بھی اس سے معذرت خواہانہ لہجے میں صورتحال کی سنگینی کا تذکرہ کرنے کے بعد لوٹ گئی تھی۔

سوا دو بجے تو اس کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اسے ایک دم صورت حال پر طیش سا آ گیا۔ یہ سب کیا دھرا اس کا اپنا تھا مگر اس وقت اسے سب سے زیادہ غصہ ایشور داس پر آ رہا تھا۔ اس نے اگر ابتداء میں اسے اس مصیبت سے آگاہ کر دیا ہوتا جو ایک دہشت ناک انجام کی صورت



میں اس کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی تو وہ اس کا کوئی نہ کوئی سدِ باب کر کے رکھتی مگر اب؟ وہ غصے میں ہونٹ کاٹنے کے سوا کچھ نہ کر سکتی تھی۔ بے بسی اس حد تک اس پر سوار ہوئی کہ اس کا جی چاہا وہ اپنی بوٹیاں نوچ لے یا پھر ریوالور کی نوک پر نعمان کو یہاں سے لے جائے۔

اسی وقت میز پر رکھے اس کے موبائل نے انگڑائی لی۔ بیل کی آواز سن کر وہ خوفزدگی کے عالم میں اچھل پڑی۔ پھر موبائل پر نظر پڑتے ہی اس کا اٹکا ہوا سانس جاری ہو گیا۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے موبائل اٹھایا۔ رابل لائن پر تھا۔

"یس۔" اس نے آواز دبا کر کہا اور رخ دروازے کی طرف کر لیا تاکہ اندر آنے والے کسی بھی فرد کو بآسانی دیکھ سکے۔

"شائنہ۔ چیف کا میسج ہے۔" رابل نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"ہاں۔ بولو۔" وہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"رات نو بجے وہ انٹرنیٹ پر تم سے بات کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اور کچھ۔" اس نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

"بس۔ اور کچھ نہیں۔"

"او کے۔" اس نے موبائل آف کرنا چاہا۔ پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔ "سنو رابل۔" ایک دم وہ تیزی سے بولی۔ "مجھے شاید تمہاری ضرورت پڑ جائے۔ جہاں بھی جاؤ' موبائل آن رکھنا۔"

"خیریت لیڈی؟" وہ شائنہ کے لہجے میں بے چینی کو بھانپ گیا۔

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔ ابھی تک!" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔

"خیریت لگتی تو نہیں۔" رابل کا لہجہ مزید خیز ہو گیا۔

"میں بڑی الجھن میں ہوں رابل۔ تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بہرحال تم کسی بھی ایمرجنسی کے لئے تیار رہنا۔"

"ایمرجنسی؟ کیسی ایمرجنسی؟" رابل چونکا۔

"بتاؤں گی۔ فی الحال تم اتنا سمجھ لو کہ پردیپ اور تمہیں شاید ایک آدمی کو اغوا کرنا پڑے۔"

"کسے؟"

"نعمان ہاشم کو۔" اس نے آواز مزید دبا لی۔

"مگر کیوں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"میں نے کہا ناں تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بہرحال تم فون کا انتظار کرنا۔ اگر میں نے تین بجے تک تم سے رابطہ نہ کیا تو تم اور پردیپ ضروری تیاری کے ساتھ مدحت آباد کے ارسلان ہاسپٹل پہنچ جانا۔ پتہ نوٹ کرلو۔"

"مجھے معلوم ہے اس ہاسپٹل کا وقوعہ۔ مگر اس کا نعمان سے کیا تعلق؟"

"یہ ہاسپٹل اس کے باپ نے بنوایا ہے۔ میں اس وقت یہیں موجود ہوں۔"

"اوہ۔ معاملہ تو خاصا سیریس لگتا ہے مگر اس اغوا کا پلان کب اور کس نے بنایا شائنہ؟ چیف نے تو اس کا کوئی....."

"یہ میرا ذاتی کام ہے راحل اور تم جانتے ہو ہمارے ہر ذاتی کام کا تعلق بھی ہمارے فرض سے ہوتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن....."

"ساری ذمہ داری میری ہے راحل۔ تم اس کے لئے کسی کو جوابدہ نہیں ہو۔" شائنہ کے لہجے میں تیزی آگئی۔ "چیف سے میں رات کو خود بات کرلوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تین بجے پردیپ کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔"

"اور تم لوگ ٹھیک چار بجے ہاسپٹل کے باہر موجود ہو گے۔"

"او کے۔"

"اوور اینڈ آل۔" شائنہ نے موبائل آف کر دیا۔ سکرین پر ڈھائی بجے کا وقت اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ چکراتے ہوئے بگولے کی طرح مدحت بیگم کے کمرے میں جا دھمکے مگر یہ اس کے لئے مضر بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ اسے ان کی غشی سے پہلے کی حالت یاد آگئی۔ وہ خود کو سمجھا نہ سکی کہ وہ اس سے خوفزدہ کیوں ہو گئی تھیں۔ ہاتھوں کو آپس میں جکڑتے ہوئے اس نے فرش کو روندنا شروع کر دیا۔ وہ اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ اور جو کر سکتی تھی اس کے بارے میں اس کا دماغ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے غور کر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر تین بجے تک نعمان اس کے ساتھ شہر کے لئے روانہ نہ ہوا تو چار بجے وہ راحل اور پردیپ کی مدد سے اسے اغوا کر لے جائے گی۔ اس کا انجام کچھ بھی ہوتا۔ اسے اپنی زندگی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔ اور پھر ایشور داس کے کہنے کے مطابق مقررہ وقت کے اندر اندر اس کا صرف ایک بار نعمان سے ملاپ ہو جانا ضروری تھا۔ پھر اس کے بعد تو وہ اس کا بندہ بے دام ہو جاتا۔ ساری دنیا کو



صرف اس کی آنکھوں سے دیکھنے اور سمجھنے پر مجبور ہو جاتا۔

●●●

پونے دو بجے تھے جب مدحت بیگم کو ہوش آیا۔

"مدحت۔ مدحت۔" احمد صاحب اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لئے بیٹھے دیوانہ وار اسے دیکھے جا رہے تھے۔

انہوں نے احمد صاحب کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ پھر اپنے بیڈ کے اردگرد کھڑے ارسلان، سنبل اور آخر میں نعمان پر ان کی آنکھیں ٹھہر سی گئیں۔ چند لمحے وہ اسے تکتی رہیں۔ دھیرے سے انہوں نے احمد صاحب کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ پھر ان کے بازو وا ہو گئے۔ نعمان، جو انہیں کو دیکھ رہا تھا، ایک دم آگے بڑھا۔ بیڈ کی پٹی پر بیٹھا اور سسکتا ہوا ان کے سینے سے لگ گیا۔ مدحت بیگم نے اسے یوں بازوؤں میں بھینچ لیا جیسے اسے ساری دنیا کی بلاؤں سے محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔

"ہنی۔ ہنی۔" وہ اس کا سر منہ چوم رہی تھیں اور ان کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہے جا رہے تھے۔

سنبل نے اپنے ابو کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اسے بازو میں سمیٹ لیا۔ وہ ان کے پہلو سے لگی آنکھیں خشک کرنے لگی۔

"یا اللہ۔ تیرا شکر ہے۔" بے اختیار احمد صاحب کے لبوں سے نکلا۔

"ابو۔ خود کو سنبھالئے۔ آپ تو امی سے زیادہ ڈول جاتے ہیں۔" سنبل نے باپ کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔

"بس بیٹی۔ تم جانتی ہی ہو۔" وہ جھینپ سے گئے۔ "اور یہ تمہاری ماں تو کسی دن میرا کباڑہ کر کے رہے گی۔" ایک دم انہوں نے سارا ملبہ مدحت بیگم پر ڈال دیا۔

"وہ..... وہ کہاں ہے؟" نعمان کو مدحت بیگم نے خود سے الگ کیا۔

"کون۔ شائنہ؟" نعمان نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔" ان کا چہرہ پھر زرد پڑ گیا۔

"وہ سنبل کے کمرے میں ہے۔ مگر امی، اچانک آپ کو ہو کیا گیا تھا؟" نعمان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"سنبل اسے وہیں روکو۔ وہ ابھی ادھر نہ آنے پائے۔"

"جی۔ میں ابھی اسے دیکھ کر آتی ہوں۔" سنبل نے کہا اور پلٹ کر باہر نکل گئی۔ یہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وقت تھا جب وہ شائستہ سے مل کر اسے تسلی دے کر پانچ منٹ بعد لوٹ آئی۔

"کمرے کا دروازہ بند کر دو۔" اس نے واپس آ کر قدم اندر رکھا تو مدحت بیگم نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"جی امی۔" اس نے دروازہ بند کرنے سے پہلے باہر موجود ایک میل نرس کو آواز دی۔

"یس میڈم۔" وہ قریب آ کر بولا۔

"کوئی اندر نہ آنے پائے۔ یہیں موجود رہنا۔" سنبل نے اسے حکم دیا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ بند کر لیا۔ جب وہ مدحت بیگم کے بیڈ کے قریب پہنچی تو ارسلان کرسی پر' احمد صاحب بیڈ کے سرہانے اور نعمان بیڈ کی پٹی پر مدحت بیگم کا ہاتھ تھامے پہلے سے بیٹھے تھے۔ اس نے ارسلان کی کرسی کے پیچھے پر جگہ بنالی اور ماں کے چہرے کو تکنے لگی جہاں عجیب سا اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔

"میری بات غور سے سنو بہنی۔" انہوں نے اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کل' ایک دم جو میرا بی پی LOW ہوا تو اس کی وجہ ایک ایسا خواب تھا جس کے بارے میں اب بھی سوچتی ہوں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

سنبل' ارسلان اور احمد صاحب چونک کر پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کو ابھی تک مدحت بیگم کی اچانک بیماری کی وجہ معلوم نہیں تھی جو وہ اب بیان کرنے جا رہی تھیں۔

"میں نے پرسوں رات خواب میں دیکھا کہ تم۔ میرے بیٹے بہنی' تم ایک دلدل کے کنارے بے لباس پڑے ہو۔ ایک لنگور تم پر بار بار تھوک رہا ہے اور ایک کیتا تمہارا جسم بھنبھوڑ رہی ہے۔ وہ تمہارے سینے پر بار بار حملہ آور ہوتی ہے جیسے تمہارا دل سینے سے نکال لینا چاہتی ہو اور بالآخر اس نے تمہارے سینے میں اتنا بڑا شگاف کر لیا جس سے نیچے اندر ڈال کر وہ تمہارا دل نوچ لے۔ پھر جونہی اس نے اپنا پنجہ تمہارے سینے کی طرف بڑھایا میں چیخ کر اس پر جھپٹ پڑی۔ میرے جھپٹتے ہی وہ خونخوار انداز میں اپنے بڑے بڑے نوکیلے اور خون آلود دانت نکوستے ہوئے پلٹ کر مجھ پر غرائی اور تب میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کسی کیتا کا نہیں۔ وہ۔ وہ۔ ایک انسانی چہرہ تھا۔" مدحت بیگم کے ہاتھوں میں بھنچا ہوا نعمان کا ہاتھ درد کرنے لگا۔ ان کے لرزتے ہوئے ہاتھوں کی گرفت اتنی ہی سخت ہو گئی تھی۔ آواز میں تھرتھراہٹ عود کر آئی۔ آنکھیں خوف بھری نمی سے لبالب ہو گئیں۔ وہ تصور میں اب بھی جیسے اپنا خواب عکس در عکس دیکھ رہی تھیں۔



"ایک ایسا چہرہ۔ جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر آج۔ آج....." وہ ہکلا کر رہ گئیں۔

"آج کیا امی۔ بولئے۔ رکئے مت۔ بولئے۔" نعمان ان پر جھک گیا۔ بے چینی سے وہ اور سنبل اسی طرح بے حال ہو رہے تھے جیسے ارسلان اور احمد صاحب۔

"آج بیٹے۔ میں نے وہ چہرہ اپنے سامنے دیکھ لیا۔ جیتا جاگتا۔ زندہ۔"

"کہاں۔ کب۔ بولئے امی۔ کس کا چہرہ تھا وہ؟" نعمان نے ان کو والہانہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم میری بات کا یقین کرو گے بیٹا؟" مدحت بیگم نے اسے دیکھ کر عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"اسی طرح امی جیسے مجھے قرآن کی آیات پر یقین ہے۔ آپ جو کہیں گی سچ ہو گا۔ اب کہئے وقت ضائع نہ کیجئے۔"

"وہ چہرہ۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ "شائستہ کا تھا بہنی۔" آنکھوں کے گوشوں سے آنسو بہ نکلے۔

"امی....." نعمان کے لبوں سے حیرت زدہ سرگوشی آزاد ہوئی۔

"ہاں بیٹا۔ وہ اسی لڑکی کا چہرہ تھا جسے تم شائستہ کے نام سے ہمیں ملوانے کے لئے لائے ہو!" ان کی آواز لرز رہی تھی۔

"مدحت۔" احمد صاحب اٹھ کر اس کے سامنے آ بیٹھے۔ "تمہیں یقین ہے جو تم کہہ رہی ہو وہی درست ہے۔ میرا مطلب ہے' خواب میں دیکھا ہوا....."

"ہر ہر منظر میرے دل پر نقش ہے باؤ جی۔" مدحت بیگم نے آنکھیں کھول کر احمد صاحب پر گاڑ دیں۔ "خواب ایسا تھا کہ میں سہہ نہ پائی۔ اپنی اولاد کے بارے میں ایسا خوفناک منظر دیکھ کر کوئی ماں کیسے سہہ پائے گی۔ میرے حواس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ سے ذکر کرنے کا وقت ہی نہ ملا کہ میں تو غشی کے عالم میں تھی۔ ہوش آیا تو نعمان آ چکا تھا۔ دل کو ڈھارس ہو گئی کہ میرے جگر کا ٹکڑا خیریت سے ہے۔ سوچا' آپ سے اکیلے میں بات کروں گی۔ مگر جونہی میں نے اس لڑکی شائستہ کو دیکھا' میرے حواس پھر مختل ہو گئے۔ میں سچ کہتی ہوں باؤ جی۔ وہ لڑکی ضرور کوئی بد بلا ہے۔ کوئی عفریت ہے جو میرے بہنی کے پیچھے پڑی ہے بہنی۔ میرے بیٹے۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں اس لڑکی سے تمہارا رشتہ نہ کرنے کے لئے یہ سب کہہ رہی ہوں۔" مدحت بیگم نے ایک دم احمد صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مجھے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



باؤ جی کی قسم ہنی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"امی۔ امی۔" نعمان تڑپ کر ماں سے لپٹ گیا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ کیا میں نے کبھی آپ کی بات پر شک کیا۔ انکار کیا؟"

"پھر بھی بیٹے۔"

"کچھ مت کہئے امی۔ کچھ مت کہئے۔" وہ بلک پڑا۔ "آپ پر ایسی لاکھوں شائنہ قربان۔ مجھے ایسی خوشی سے کیا لینا جس میں آپ کی رضامندی شامل نہ ہو۔ اور جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں اس کے بعد تو مجھے اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

مدحت بیگم نے اسے پھر بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اس کے سر پر بوسے دینے لگیں۔

چند منٹ لگ گئے ان سب کو سنبھلتے ہوئے۔ صورتحال اتنی عجیب اور ناقابلِ یقین سی تھی کہ ان کو فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔

جب سب لوگ پرسکون ہو کر بیٹھ گئے تو مدحت بیگم نے بھی خود کو باہمت محسوس کیا۔ وہ دو تکیئے کمر کے پیچھے رکھ کر نیم دراز ہو بیٹھیں۔ نعمان اب بھی ان کے پاس بیڈ پر بیٹھا تھا۔ احمد صاحب، سنبل اور ارسلان نے کرسیاں سنبھال لی تھیں۔

"جہاں تک تمہارے خواب کا تعلق ہے مدحت۔ میں پوری طرح پُر یقین ہوں کہ اس لڑکی شائنہ کا کسی ایسے عامل اور عمل سے ضرور واسطہ ہے جو کالے علم سے تعلق رکھتا ہے۔" احمد صاحب نے انگلیوں پر کوئی حساب کرتے ہوئے دھیرے سے کہا تو سب لوگ چونکے۔ احمد صاحب بعض پراسرار علوم میں خاصی دسترس رکھتے تھے اور روحانیات میں بھی ان کو ناقابلِ یقین حد تک دخل تھا۔

"آپ کہنا چاہتے ہیں کہ اس نے نعمان پر کوئی وار کیا ہے یا کرایا ہے؟" مدحت بیگم نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ ہنی کو اپنے بس میں کرنے کے لئے کالے علم کا سہارا لیا ہے اس نے۔"

"مگر ابو۔ میں تو اس سے شادی کرنے جا رہا تھا۔ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" نعمان اچنبھے سے بولا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا مگر بیٹے تم اس کے بارے میں کتنا جانتے ہو؟"

"اس کے بارے میں ضروری چھان بین کے بعد جو پتہ چلا وہ یہ ہے ابو کہ اس کے ماں باپ مدتوں پہلے مر چکے ہیں۔ ایک چچا ہے جو لندن میں رہتا ہے۔ سیلف میڈ لڑکی ہے۔ ایک فلیٹ اور چند لاکھ روپے کے بینک بیلنس کی مالک ہے۔ کردار کی بے داغ ہے اور بس۔"



اس سے زیادہ....." اچانک نعمان کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو کہو۔ رکو نہیں۔ جو بھی تمہارے علم میں ہے کہہ ڈالو۔" احمد صاحب نے اسے غور سے دیکھا۔

"ابو۔ آج وہ مجھے کوئی سرپرائز دینے والی تھی مگر امی کی طبیعت خراب ہو جانے کے باعث میں یہاں چلا آیا۔ صبح سے وہ مجھے بار بار فون کر کے مجبور کر رہی تھی کہ میں صرف دو گھنٹے کے لئے شہر چلا آؤں۔ جب میں نے آخری بار بھی معذرت کی تو وہ خود چلی آئی اور اب بھی اسی بات پر مصر ہے کہ میں اس کے ساتھ گھنٹے بھر کے لئے ہی سہی شہر چلوں۔ وہاں اس کا کوئی کزن آیا ہوا ہے۔" نعمان نے چند فقروں میں اب تک کی معلومہ صورتحال کہہ ڈالی۔

"میں نہیں سمجھتا کہ اس کی باتوں میں کوئی سچائی ہو گی۔ اس کی ایک بات دوسری سے میل نہیں کھاتی بیٹے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ شہر مت جاؤ۔"

"اس کے ساتھ تو میں نہیں جاؤں گا ابو مگر شہر تو مجھے جانا ہی ہے۔ آج نہیں تو کل۔ دہشت گردوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے اس کے پیشِ نظر مجھے ہر وقت اپنی ڈیوٹی پر موجود رہنا چاہیے۔" نعمان نے سنجیدگی سے کہا۔

"اپنی ڈیوٹی ضرور کرو بیٹے مگر اس لڑکی کے ساتھ جتنی جلدی ہو سکے اپنا تعلق ختم کر دو۔" احمد صاحب نے اپنے گلے سے ایک کالی ڈوری اتار کر نعمان کے گلے میں ڈال کر اسے قمیض کے اندر کر دیا۔

"باؤ جی۔ یہ تو....." مدحت نے اضطراب سے کہا۔

"اولاد کی حفاظت سے بڑھ کر نہیں ہے میری زندگی۔ تم بے فکر رہو۔" احمد صاحب نے مدحت کا ہاتھ تھپکا۔ "تم ہو ناں میرے لئے دعا کرنے کے واسطے۔ میرے مرحوم والدین کی اور تمہاری دعائیں میرے لئے بہت بڑا حصار ہیں۔ اور ہنی۔ بیٹے! اس ڈوری کو کسی بھی حالت میں گلے سے نہ اتارنا۔ ناپاکی کی حالت میں بھی نہیں۔"

"جی ابو۔" نعمان نے سر ہلا کر باپ کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ اسے لگا جیسے باپ نے اپنا آپ اس کے گرد حصار کے طور پر کھڑا کر دیا ہو۔

"مگر آپ کیسے جان گئے کہ اس لڑکی نے ہمارے بیٹے پر کوئی کالے علم کا عمل کرایا ہے؟" مدحت بیگم نے پوچھا۔

"تم نے جو خواب دیکھا۔" احمد صاحب نے مدحت بیگم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اس میں ہر چیز بڑی وضاحت سے اپنا آپ بیان کر رہی ہے۔ تم نے ہنی کو بے لباس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



دیکھا دلدل کے کنارے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی ایسی مصیبت کا شکار ہونے جا رہا تھا جس میں پھنسنے کے بعد وہ کبھی اس سے نکل نہ سکتا۔ دلدل سے کبھی کوئی زندہ نہیں نکل پاتا۔ دوسرے تم نے ایک لنگور کو دیکھا جو ہنی پر تھوک رہا ہے۔ وہ لنگور نہیں، ہنومان ہے جس نے ہنی کو اپنی لعنت میں گرفتار کرنے کے لئے اس پر تھوکا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہنی پر کالے علم کا وار کرنے والا ہنومان کا پجاری ہے اور اسی کی مدد سے وہ ہنی پر سفلی علم کا وار کر رہا ہے۔ تیسرے تم نے ایک کتیا کو دیکھا جو ہنی کو بھنبھوڑ رہی ہے۔ کتا یا کتیا، جنس، شہوت اور زنا کی نشانی ہے مدحت۔ ناجائز تعلقات کی علامت ہوتی ہے۔ اس کتیا کا چہرہ تم نے شائنہ کی شکل میں دیکھا۔ مطلب یہ ہوا کہ عمل کرنے والا اگر ہنومان کا پجاری ہے تو عمل کرانے والی شائنہ ہے اور عمل کرایا گیا ہے اس لئے کہ ہنی کا دل بس میں کرلیا جائے۔ تم نے بتایا ناں کہ کتیا نے ہنی کے دل کو نوچ لینا چاہا تھا۔ مگر عین وقت پر تم ہنی کو بچانے کے لئے کتیا پر جھپٹ پڑیں۔ وہ جھپٹنا اور ہنی کو بچالینا یہ ہے مدحت کہ تم نے آج ہنی کو شائنہ کے ساتھ شہر جانے سے روک لیا۔ اسے بچالیا۔ اگر وہ اس کے بلاوے پر شہر چلا جاتا تو اب تک وہ انہونی ہوگئی ہوتی جس کو تم نے خواب میں دیکھ لیا تھا۔''

''اف میرے خدا۔'' مدحت بیگم نے لرز کر کہا۔ ''نجانے کیا ہونے والا ہے؟''

''اب کچھ نہیں ہوگا۔'' احمد صاحب نے اسے دلاسہ دیا۔ 'ہنی۔'' وہ اچانک نعمان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''تمہاری ماں کا کوئی خواب کبھی جھوٹا نہیں ہوا' یہ تو میرے علم میں ہے مگر آج اس نے آنے والے وقت کی کتاب سے تمہاری حفاظت کی جو تحریر چرا لی ہے اس نے مجھے ایک بار پھر یقین دلا دیا کہ مامتا سے بڑی کوئی طاقت اللہ نے کسی بھی انسان کی پناہ گاہ کے طور پر پیدا نہیں کی۔ یہ مامتا ہی کا کرشمہ ہے بیٹے کہ اس نے ایک انہونی کو ہونے سے پہلے جان لیا۔''

''جی ابو۔'' نعمان نے ماں کے ہاتھوں کو چوم لیا۔ ''میں جانتا ہوں امی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں۔''

''پیار تو ہم اپنے خوش بخت سے کرتے ہیں بھائی!'' سنبل نے اچانک دخل دیا تو سب لوگ چونک پڑے۔ ''وہ اگر یہاں ہوتے تو شائنہ کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے۔''

''ہاں۔ احمد صاحب کا لہجہ فخریہ ہوگیا۔ ''میرا وہ بھولا بیٹا اتنا ہی جذباتی ہے کہ ہم میں سے کسی کے لئے کسی کی بھی جان لے سکتا ہے۔''

''اللہ اسے اپنی امان میں رکھے۔'' مدحت بیگم کے لہجے میں ڈھیروں پیار اُمڈ آیا۔



آنکھوں میں چراغ سے جل اٹھے۔ خوش بخت ان کا سب سے بڑا سب سے لاڈلا بیٹا تھا جو اس وقت ان کے پاس نہ ہوتے ہوئے بھی ان سب کے دلوں میں دھڑک رہا تھا۔

''مگر ابو۔ اب کرنا کیا ہے؟ وہ تو ڈولی لئے آئے بیٹھی ہے ہنی صاحب کو لے جانے کے لئے۔'' ارسلان نے پہلی بار زبان کھولی تو سب لوگ اس کے لہجے پر مسکرا دیئے۔ وہ ایسی ہی کھلکھلاتی بات کرتا تھا جب بھی زبان کھولتا تھا۔ پل بھر کے لئے ساری پریشانی اڑن چھو ہو گئی۔

''کسی بھی بہانے سے اسے رخصت کر دو بیٹے۔'' احمد صاحب نے ہنی کی طرف دیکھا۔ ''تم ایک دو دن بعد چلے جانا یا کم از کم اس کے ساتھ نہ جاؤ۔''

''مجھے کوئی بہانہ سوچ لینے دیجئے۔'' نعمان نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہانے کی کیا ضرورت ہے ہنی صاحب۔'' ارسلان نے شرارت سے مدحت بیگم کی طرف دیکھا۔ ''امی کو ڈرام ہی لگانا ہے دوبارہ اتنا غشل ہو جائیں۔ تم کہہ دو کہ امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' بات مکمل کر کے اس نے گردن ایک طرف ڈال دی تو سب لوگوں کی ہنسی نکل گئی۔

''پورے بدمعاش ہو تم۔'' احمد صاحب نے اسے ہنستے ہوئے دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے اب تک میں ڈرامہ کر رہی تھی۔'' مدحت بیگم نے اسے گھور کر مصنوعی غصے سے دیکھا۔

''یہ میں نے کب کہا امی!'' ارسلان نے جلدی سے کہا مگر اس کی مسکراہٹ اب بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ ''میں تو آئندہ کے لئے سجیشن دے رہا ہوں۔''

''یہی ٹھیک ہے۔'' نعمان نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں ابھی اس سے جا کر بات کرتا ہوں۔''

''ذرا رکو۔'' احمد صاحب نے کرسی چھوڑ دی۔ ''میں ایک بار اس کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ میری واپسی تک تم یہیں ٹھہرو۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

''اس طرف کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' مدحت بیگم نے ان کو عقبی باغیچے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر پوچھا۔

''میں اسے چھپ کر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کہتے ہی وہ دروازے سے نکل گئے۔

کمرے میں خاموشی نے سوچوں کی چادر اوڑھ لی۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❀❀❀

تین بجنے میں پانچ منٹ تھے جب شائنہ نے فیصلے کی آخری سطر مکمل کر لی۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر موبائل پر رابل کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔ رابل! میں بول رہی ہوں شائنہ۔"

"یس شائنہ۔ کیا پروگرام ہے؟"

"تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔ اور سنو۔ یہ بتا دو کس گاڑی میں آ رہے ہو؟"

"سیاہ کرولا میں!"

"ٹھیک ہے۔ سیاہ کرولا۔ بہرحال جب تم ہاسپٹل کے سامنے پہنچو تو مجھے تین بار بیل کر دینا۔ نعمان کے ساتھ میں ہاسپٹل سے نکلوں گی۔ تم اسے قابو کر کے چل دینا۔ میں بعد میں اپنی گاڑی پر آؤں گی۔ پورا انتظام کر کے آنا۔ نعمان کو سفر میں بے ہوش رہنا چاہیے۔"

"اسے لے کر کہاں جانا ہے؟"

"گڑھی شاہ دین میں ایشور داس کے گھر۔"

"اسی کالے علم والے عامل کے ہاں؟" رابل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ جانتے ہو اسے؟"

"سارا شہر جانتا ہے۔ میں بھی تو شہر ہی میں رہتا ہوں۔ مگر نعمان ہاشم کو وہاں لے جانا میری سمجھ میں نہیں آیا؟"

"آ جائے گا۔ فی الحال تم تفصیل میں نہ جاؤ۔ جتنا کہا ہے اتنا ہی کرو۔"

"او کے۔ میں پردیپ کے ساتھ آ رہا ہوں۔"

"اور سنو۔ یہاں سے ایک سے سوا گھنٹے کے وقفے میں تمہیں ایشور داس کے گھر پہنچ جانا چاہیے۔"

"یعنی زیادہ سے زیادہ سوا پانچ بجے تک!"



"ہاں۔"

"او کے۔ مگر وہ ہمیں پہچانے گا کیسے؟"

"میں اسے ابھی فون کر رہی ہوں۔ تم بے فکر ہو کر چلے جانا۔ نعمان کو اس طرح اندر جانا جیسے کسی مریض کو لائے ہو۔"

"اب اتنا بھی گاؤدی نہ سمجھو میڈم شائنہ۔ آج تک کیا اس ملک میں بھاڑ جھونکنے کا کرتا رہا ہوں میں؟" رابل نے اس کی بات کا برا مانتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اتنے ہی عقلمند ہوتے رابل تو اسفند یار کو اڑانے کا ٹارگٹ میری بجائے تم ACHIEV کرتے۔ بہرحال۔ اوور اینڈ آل۔" کہتے ہوئے شائنہ نے رابطہ کاٹ دیا۔

جانتی تھی اس نے رابل کی دم پر پاؤں رکھ دیا ہے اور اب وہ بھونکے گا ضرور۔ کاٹ نہیں سکتا کہ موبائل پر یہ سہولت میسر نہیں تھی۔

ایک بار اس نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ باہر کاریڈور میں ہاسپٹل کا آ جا رہا تھا۔ مریض اور ان کے لواحقین رواں دواں تھے۔ کمرے کے اندر کبھی کبھی کوئی انک لیتا تھا اور بس۔ اس نے سگنل کلیئر کرنے کے لئے کرسی کمرے کی بائیں باغ میں کھلنے کھڑکی کے پاس کر لی تھی اور باغ میں اس وقت کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ اس لئے وہ آواز رہی سہی' مگر خاصی آزادی سے گفتگو کر رہی تھی۔

ایشور داس کا نمبر ملانے میں اسے تین چار منٹ لگ گئے۔ وہ شاید کسی سے بات کر رہا جونہی اس سے رابطہ ہوا' وہ بول پڑی۔

"ہیلو۔ ایشور داس جی۔ میں ہوں شائنہ!"

"ارے۔ تم کہاں ہو شائنہ بی بی۔ کام ہو گیا کیا؟" ایشور داس نے چھوٹتے ہی ا۔

"ابھی تک تو نہیں ایشور داس جی۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"ابھی تک نہیں۔ تو پھر کب کرو گی۔ تین تو بج چکے۔ آخر وقت کیا ہے؟" ایشور داس رہ ہو گیا۔

"وقت صرف یہ ہے کہ نعمان کی ماں بیمار ہے۔ وہ اس کے بستر سے لگا بیٹھا ہے۔"

"اوہ۔" ایشور داس تشویش سے بولا۔ "یہ تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"ایشور داس جی۔ میں ایک بار پھر پوچھ رہی ہوں' کوئی اور راستہ نہیں ہے کیا؟...... یا از کم وقت ہی بڑھ جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''نہیں شائنہ۔ کوئی صورت نہیں۔ اس معاملے میں مجھے بھی مجبور ہی سمجھو۔''

''تو پھر ایک انتہائی قدم اٹھانا پڑے گا مجھے ایشور داس جی۔ اور اس کے لئے مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔''

''بولو۔ میں جو کر سکا' ضرور کروں گا۔''

''اس کا جو معاوضہ آپ چاہیں گے میں ادا کر دوں گی۔ بس' انکار نہ کیجئے گا۔''

''تم بولو تو؟''

''میں نعمان کو زبردستی لے کر آ رہی ہوں۔ آپ کے ہاں!'' اس نے آواز مزید دبالی۔

''یعنی اغوا؟'' ایشور داس جیسے اچھل پڑا۔

''جی ہاں۔ اور کوئی صورت نہیں ہے۔' شائنہ نے جلدی سے کہا۔

''مگر میرے ہاں کیوں؟ اسے اپنے فلیٹ پر لے جاؤ۔''

''مجھے صرف گھنٹے دو گھنٹے کے لئے آپ کا کمرہ درکار ہوگا ایشور داس جی۔ میں نے کہا ناں۔ اس کے لئے میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ دوں گی۔''

''بھڑوا لگتا ہوں میں تمہیں؟'' ایشور داس کا لہجہ سرد ہو گیا۔

''ایسی بات نہیں ہے ایشور داس جی۔ میں اسے اپنے فلیٹ پر لے جانے کا رسک نہیں لے سکتی۔ وہ بڑا کمرشل ایریا ہے۔ کسی کی نظروں میں آ گیا تو سارا معاملہ چوپٹ ہو جائے گا۔ آپ کے پاس میرے آدمی اسے مریض کی صورت لے کر آئیں گے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی۔''

''میں نے اپنے بستر پر کبھی کسی دوسرے کو موج نہیں کرنے دی شائنہ۔ یہ دلالی مجھے نہیں آتی۔''

''ایشور داس جی۔ پلیز۔'' شائنہ کے چہرے پر سرسوں بکھر گئی۔ لہجہ ملتجیانہ ہو گیا اور آواز میں بھکاریوں کی سی تھرتھراہٹ در آئی۔ ''آپ جانتے ہیں' یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر وہ خوشی سے میرے ساتھ چل پڑتا تو ایسا موقع ہی نہ آتا مگر صورتحال ایسی ہے کہ مجھے لگ رہا ہے یہ رسک مجھے لینا ہی پڑے گا۔ سوا گیارہ بجے سے سوا تین ہو گئے اور وہ ماں کے کمرے میں بیٹھا اس کے تلوے سہلا رہا ہے۔ اب اس حالت میں وہ میرے ساتھ بخوشی جانے پر راضی نہیں ہوگا۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں۔''

''سب سمجھ رہا ہوں۔ مگر تم نے جو اپنے آدمیوں کا ذکر کیا ہے تو مجھے سوچنا پڑ گیا ہے کہ تم چیز کیا ہو؟''



''میں بہت معمولی لڑکی ہوں ایشور داس جی۔'' شائنہ کی آنکھوں میں بڑی خوفناک چمک لہرائی مگر لہجہ بھک منگوں جیسا ہی رہا۔ ''بس نعمان کو حاصل کرنے کے لئے دیوانی ہو رہی ہوں کہ وہ میری کسی بات سے انکار نہ کرے۔''

''ہوں۔'' ایشور داس نے ہنکارا بھرا۔ ''اس کا معاوضہ مال کی صورت میں نہیں ہوگا۔''

''تو۔''

''تم خود سمجھدار ہو۔'' ایشور داس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''میں زندگی بھر کے لئے حاضر ہوں ایشور داس جی۔'' وہ وقت ضائع کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔ ''بلکہ میری چند سہیلیاں بھی ہیں۔''

''تو پھر لے آؤ اسے۔ کتنی دیر میں پہنچو گی؟''

''تقریباً دو سوا دو گھنٹے میں۔ آٹھ بجے تک تو مہلت ہے ناں میرے پاس۔''

''ہاں ہاں۔ بالکل ہے۔ اس کا مطلب ہے تم ساڑھے پانچ تک پہنچو گی؟''

''جی ہاں۔'' وہ ایک دم کھل اٹھی۔

''اور وہ تمہارے ساتھ ہوگا؟''

''جی نہیں۔ وہ دوسری گاڑی میں ہوگا۔ سیاہ کرولا ہے جس میں میرے آدمی اسے لے کر آئیں گے۔ بس میں ان کے آگے پیچھے ہی خود بھی پہنچ جاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ تمہارے لئے یہ بھی سہی۔ تم چیز ہی ایسی نمکین ہو شائنہ کہ میں نے زندگی کا ایک بڑا اصول تم پر قربان کر دیا۔''

''میں زندگی بھر داسی بن کر رہوں گی ایشور داس جی!'' اس نے ممنونیت سے کہا۔

پھر ادھر سے رابطہ منقطع ہو گیا تو اس نے ایک سکون آمیز سانس لے کر موبائل آف کر دیا۔ بڑے اطمینان بھرے انداز میں اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ دزدیدہ انداز میں اس نے دروازے کی طرف دیکھا جو اَب بھی چوپٹ کھلا تھا مگر کوئی اندر آنے والا نہیں تھا۔ اس کے دونوں کام حسب منشا ہو گئے تھے۔ یہ احساس اسے سکون دے رہا تھا۔ پائیں باغ سے سرد ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس کے بالوں کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ اس نے مزہ لیتے ہوئے زلفوں کو سنوارا اور کرسی پر پھیل گئی۔

اگر وہ ذرا دیر پہلے کرسی چھوڑ کر باغ میں جھانک لیتی تو شاید اس کا اطمینان اس پر بجلی بن کر گرتا جہاں باغ میں کھلنے والی کھڑکی کے ساتھ باہر کی جانب احمد صاحب کسی پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑے اس کی دونوں فون کالز کا ایک ایک لفظ سن چکے تھے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اب اس کے کرسی پر پھیل جانے کے بعد وہ دبے پاؤں مگر ہوا کے بے قرار جھونکے کی طرح واپس مدحت بیگم کے کمرے کی جانب رواں تھے۔ ان کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ دہشت گرد۔ اسفند یار۔ راہل۔ پردیپ اور ایشورداس۔ ایشورداس۔ ایشورداس۔ ان دھماکوں نے انہیں کمرے تک جاتے جاتے ایسا بے حال کر دیا کہ جب وہ اندر داخل ہوئے تو لڑکھڑا کر رہ گئے۔

●●●

''کیا ہوا ابو؟ خیریت تو ہے؟'' سنبل' ارسلان اور نعمان اپنی جگہ سے اٹھ کر احمد صاحب کی طرف لپکے۔

''باؤ جی۔ آپ ٹھیک تو ہیں؟'' مدحت بیگم نے بستر سے اترنے کی کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم آرام سے لیٹی رہو۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مدحت بیگم کو روک دیا۔ پھر بچوں کے ساتھ لگے لگے کرسی تک آئے اور اس پر ڈھیر ہو گئے۔

''میرے اللہ۔ رحم کر میرے مالک۔'' انہوں نے تھکے تھکے انداز میں ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور آنکھیں موند لیں۔

''ابو۔ ابو۔'' سنبل ان کے کندھے دبانے لگی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے سائے پھیلتے جا رہے تھے۔

''باؤ جی۔'' مدحت بیگم نے احمد صاحب کا ہاتھ تھام لیا اور غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ نعمان اور ارسلان ان کے سامنے کھڑے بڑی متوحش نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''ہنی۔'' اچانک احمد صاحب نے آنکھیں کھولیں اور نعمان کو کلائی سے تھام کر بستر پر بٹھا دیا۔ ''میری بات غور سے سنو بیٹے۔ وقت بہت کم اور نازک ہے۔ اس لئے تفصیلات میں نہ میں جاؤں گا نہ تم جانا۔''

''کہئے ابو۔ میں سن رہا ہوں۔'' نعمان ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''یہ لڑکی..... شائنہ۔'' احمد صاحب نے بڑے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''کوئی عام لڑکی نہیں' ایک دہشت گرد ہے بیٹے!''

''کیا؟'' وہ سب اچھل پڑے۔ نعمان کے چہرے پر تو ایک دم زردی پھیل گئی جیسے اس کے جسم سے سارا خون کھینچ لیا گیا ہو۔

''ہاں بیٹے۔ اس کے ساتھیوں میں سے دو کے نام تو میں سن کر آ رہا ہوں۔ راہل اور



پردیپ۔''

اور..... دس منٹ لگ گئے احمد صاحب کو ساری صورتحال ان کے گوش گزار کرتے ہوئے۔ پھر جب وہ خاموش ہوئے تو ہر چہرہ ستا ہوا تھا۔ ہر دل کی دھڑکن سُست پڑ چکی تھی اور ہر دماغ اندیشہ گھر بنا ہوا تھا۔

''یہ وقت زیادہ سوچنے کا نہیں ہے بیٹے۔'' احمد صاحب نے نعمان کو سر جھکائے دیکھا تو بولے۔ ''یہ عمل کا وقت ہے۔ اسفند یار ایرانی کو ان لوگوں نے اڑایا ہے تو اس سے پہلے یا بعد کی وارداتوں سے بھی ان کا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہو گا۔''

''وہ تو ظاہر ہے ابو۔ سرے سے سرا تو مل ہی جائے گا مگر میں تو یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہا ہوں کہ ایک عورت کے ہاتھوں میں اس حد تک بیوقوف بن رہا تھا جس کے بارے میں مجھے سوچتے ہوئے بھی شرم آ رہی ہے۔''

''تم اسے جان کا روگ مت بناؤ بیٹے۔ جادو ٹونے اور کالے علم کو ہندو دھرم میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ گروہ بڑے منظم طریقے سے کام کر رہا ہے۔ لگتا ہے برسوں سے یہ لوگ یہاں اپنی جڑیں مضبوط کئے بیٹھے ہیں۔ یہ لڑکی بھی ہندو ہے اور اس کے ساتھی بھی۔ مقامی غداروں کے بغیر یہ لوگ پنپ نہیں سکتے اور تم پر کالے جادو کے وار کا مطلب اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس لڑکی کے ایک فقرے کا مفہوم یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ کار سرکار میں تمہاری کلیدی حیثیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے تمہیں اپنے بس میں کر کے آخر دم تک تم سے سرکاری راز حاصل کرنے کے لئے کالے جادو کا سہارا لے رہی ہے۔ کالے اور سفلی علم کا شکار شخص اپنے بس میں کر لینے والے کا بندہ بے دام اور غلام محض ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر لفظ حکم سمجھ کر مان لینے کے سوا اسے کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس کی سمجھ' عقل' سوچ' شعور سب مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کے لئے اس نے گڑھی شاہ دین کے کسی عامل ایشورداس کا سہارا لیا اور یقیناً وہ ہنومان کا پجاری ہو گا۔ اس کا اشارہ تمہاری ماں کے خواب میں ملتا ہے۔''

''مجھے فوری طور پر انتہائی قدم اٹھانا ہو گا ابو۔'' نعمان اٹھ کھڑا ہوا۔

''ذرا ٹھہرو۔'' احمد صاحب نے اسے روکا۔ ''میں جانتا ہوں اپنے فرائض کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ اپنی ڈیوٹی تمہیں کیسے کرنی ہے تم خوب جانتے ہو۔ مگر میرے ذہن میں ایک معمولی سا منصوبہ ہے!''

''وہ کیا ابو؟'' نعمان نے رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔

اور..... بے حد مدہم آواز میں احمد صاحب نے جو چند فقراتی پلان اس کے سامنے رکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وہ ایسا آسان اور مکمل تھا کہ نعمان نے بے اختیار احمد صاحب کے ہاتھ چوم لئے۔

''بس بس۔ میرے باؤ جی کو نظر نہ لگا دینا۔'' مدحت بیگم نے احمد صاحب کے شانے سے سر ٹکاتے ہوئے بے حد محبت سے کہا اور مسکرا دیں۔ کمرے میں عجیب سا سکون اور اطمینان اتر رہا تھا اور یہ تو طے ہے کہ کبھی کبھی سکون کی تہہ میں بے شمار طوفان کروٹیں لے رہے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی طوفان انگڑائیاں لینے کو تھا جس کے بارے میں اگر شائستہ کو بھنک بھی پڑ جاتی تو وہ ارسلان ہاسپٹل کو تہہ و بالا کر دیتی۔

●●●

جی ٹی روڈ سے مدحت آباد کو مڑنے والی پختہ سڑک بغیر کسی ٹرن کے ارسلان ہاسپٹل کے سامنے سے گزرتی تھی۔ سڑک کے بائیں طرف پچاس گز دور ارسلان ہاسپٹل تھا اور دائیں طرف مدحت آباد کی طرف جانے والی ذیلی سڑک مڑتی تھی جو گاؤں کے چوپال تک مختلف چھوٹے بڑے راستوں کو دائیں بائیں کنکھیوں سے دیکھتی چلی جاتی تھی۔

راہل نے سیاہ کرولا کو جی ٹی روڈ سے مدحت آباد کی طرف جانے والی تارکول کی سیاہ سڑک پر موڑا تو اس کی گھڑی میں پونے چار ہوئے تھے۔ ابھی پندرہ بیس منٹ کا سفر باقی تھا۔ پردیپ اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ونڈ سکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

دائیں بائیں ہریالی' کھیت اور ان میں کام کرتے لوگ آنکھوں کو بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ سڑک کے دائیں بائیں جو چھ سات فٹ چوڑا کچا راستہ تھا اس پر کبھی کبھی کوئی سائیکل سوار یا پیدل مرد' عورت اور بچہ نظر پڑتا۔ ویسے ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔

اچانک راہل کو بریک پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دینا پڑا۔ ایک دم ہی دائیں طرف کے کھیتوں سے ایک بھینس اور اس کے عقب میں درجن بھر بھیڑ بکریاں برآمد ہوئیں اور سڑک پر گاڑی کے آگے آگے بھاگنے لگیں۔ ممکن نہ تھا کہ راہل ان کو کراس کر کے آگے بڑھ جاتا۔ بھنا کر اس نے اس طرف دیکھا جہاں سے یہ مصیبت برآمد ہوئی تھی۔ دو تین جوان آدمی ہاتھوں میں لاٹھیاں تھامے بھینس اور بکریوں کے پیچھے بھاگے اور ان کو سڑک سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ تو سڑک پر پھیل کر یوں چلی جا رہی تھیں کہ سارا راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

چیونٹی کی رفتار سے کار کو چلاتے ہوئے راہل نے کوشش کی کہ کچے راستے سے نکل جائے مگر اچانک ہی وہاں بھی تین چار سائیکل سوار دائیں بائیں نمودار ہو گئے تھے جو اپنی دھن میں مگن چلے جا رہے تھے۔ راہل نے ہارن دیا۔ ایک بار۔ دو بار۔ تین بار۔ پھر مسلسل اس نے پاں پاں کا شور مچا دیا مگر اسے راستہ ملنا تھا نہ ملا۔ اس نے گھبرا کر وقت دیکھا۔ چار بجنے



ں صرف تین منٹ باقی رہ گئے تھے اور اس طرح سفر کرتے ہوئے تو وہ پانچ بجے تک بھی رسلان ہاسپٹل نہ پہنچ سکتا تھا۔ تنگ آ کر اس نے گاڑی کو ذرا تیز رفتاری سے آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ ایک بھیڑ اس کے بمپر سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

طیش کے عالم میں ایک لاٹھی بردار اس کی کھڑکی کے قریب چلا آیا۔

''کیوں باؤ۔ ہمارے جانور کو گاڑی کے نیچے دے گا کیا؟'' اس نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''تو ہٹاؤ ان کو آگے سے۔'' راہل جھلا کر بولا۔ ''میں کیا رات تک ان کے پیچھے پیچھے ہٹا رہوں گا؟''

''انسان ہوتے تو میری بات سن لیتے' مان لیتے۔'' دیہاتی نے بڑے ناصحانہ انداز میں جواب دیا۔ ''اب ان بے زبان جانوروں کو کون سمجھائے بابو۔ یہ تو مرضی سے ہی ہٹیں گے اور ویسے بھی اگلے موڑ تک کی بات ہے۔ یہ بائیں طرف اپنے ڈیرے میں چلی جائیں گی تم آرام سے نکل جانا۔''

''اگلا موڑ۔ وہ کتنی دور ہے؟'' راہل نے رواروی میں پوچھ لیا۔

''ہے کوئی دو تین کھیت۔''

''دو تین کھیت کا کیا مطلب؟'' راہل کچھ بھی نہ سمجھا۔

''دو تین کھیت کا مطلب ہے دو تین میل۔'' پردیپ نے اسے بتایا تو راہل کا ایک دم رہ چڑھ گیا۔

''پاگل سمجھا ہے کیا؟'' وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ ''ہٹاؤ ان کو آگے سے ورنہ میں گاڑی ان کے اوپر سے گزار دوں گا۔'' چند گز آگے جاتی بھینسوں اور بکریوں کی طرف اشارہ کر کے راہل نے تیز لہجے میں کہا۔

''باوا کا راج ہے کیا' جو اوپر سے گزار دے گا۔'' لاٹھی بردار نے نتھنے پھلاتے ہوئے آگے ہو کر کہا۔ ''میں یہ لاٹھی تیری ناسوں میں نہ گھسیڑ دوں گا۔''

''تیری تو ایسی کی تیسی۔'' راہل نے غصے سے آگ بگولہ ہوتے ہوئے جواباً چلا کر کہا۔ پھر تیزی سے اس نے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا کہ ریوالور نکال سکے۔ تبھی لاٹھی بردار نے اپنی دھمکی پر عمل کرنے کی غرض سے اچانک لاٹھی کھڑکی سے اندر گھسیڑتے ہوئے پوری زور سے اسے حرکت دی کہ لاٹھی کا لوہے کی موٹھ والا سرا راہل کی کنپٹی پر ٹھک کی آواز سے لگ گیا۔ پردیپ اس صورت حال کو ابھی پوری طرح سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ اس کی طرف والی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کھڑکی سے بھی ایک ایسی ہی لاٹھی اندر آئی اور اس کی کنپٹی کو چٹخا گئی۔ دوسرا دیہاتی اس طرف کب آیا یہ اسے تب بھی معلوم نہ ہو سکا جب دوسری اور پھر تیسری بار بھی لاٹھی اس کے سر پر برسی۔ لہولہان چہروں اور زخم زخم سروں کے ساتھ راہل اور پردیپ کو آخری لمحات میں بس اتنا یاد رہا کہ کار کے دروازے کھول کر ان دونوں کو گھسیٹ کر باہر سڑک پر پٹخ دیا گیا۔ پھر لاٹھیاں ان پر اولوں کی طرح برسنے لگیں' یہ دیکھے بغیر کہ نشانہ جسم کا کون سا حصہ بن رہا ہے۔ جب ان کے دماغ اندھیرے کی چادر میں پناہ لے رہے تھے تب ایک دبنگ آواز ابھری۔

''بس کرو۔ جان سے نہیں مارنا انہیں!''

یہ آواز ان کے لئے اتنی ہی اجنبی تھی جتنے وہ اس آواز والے کے لئے۔ دماغ پر زور دینا چاہا تو دماغ نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سڑک پر لہولہان جسموں کے ساتھ بے حس و حرکت ہو گئے۔

''ان کو سڑک کے ایک طرف ڈالو۔ ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ ابھی انسپکٹر بابر آتا ہی ہو گا۔ باقی کام وہ خود کر لے گا۔'' اجنبی آواز پھر ابھری۔

لاٹھی برداروں نے ''یس سر'' کہتے ہوئے احمد صاحب کے حکم کی تعمیل کی۔ راہل اور پردیپ کے کپڑے اتار لئے گئے جسم پر صرف زیر جامے رہنے دیئے گئے۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو ایک طرف ڈال دیا گیا۔ گاڑی کی سیٹوں کو صاف کر کے وہ لوگ احمد صاحب کے سامنے آ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ ایک آدمی نے راہل کا موبائل احمد صاحب کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے جیب میں ڈال لیا۔ پھر اپنا بائل نکالا اور ایک نمبر ملایا۔

''یس پاپا۔ ہنی از ہیئر۔ کیا رہا؟'' دوسری طرف سے نعمان کی آواز ابھری۔ بے چین اور مضطرب۔

''سب ٹھیک ہو گیا۔ ہم دس منٹ بعد ہاسپٹل کے باہر پہنچ رہے ہیں۔ سیاہ کرولا میں!''

''او کے پاپا۔'' نعمان کا لہجہ جوش سے بھر گیا۔

''وش یو گڈ لک بیٹا۔'' احمد صاحب نے موبائل آف کر دیا۔

اسی وقت مدحت آباد کی طرف سے ایک پولیس جیپ آتی دکھائی دی۔

''لو بھئی۔ انسپکٹر بابر آ گیا۔'' انہوں نے موبائل جیب میں ڈال لیا۔ ''رفیق' وہاب! چلو گاڑی میں بیٹھو۔ رفیق تم ڈرائیو کرو گے۔'' احمد صاحب نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھ کر کہا جو چند لمحے پہلے لاٹھی بردار تھے اور اب راہل اور پردیپ کے کپڑے پہنے کھڑے تھے۔



رفیق نے پی کیپ راہل ہی کی طرح آنکھوں پر جھکا لی تھی جس سے اس کا چہرہ تھوڑی دور سے بھی پہچاننا ممکن نہ تھا۔ اسی وقت جیپ ان کے قریب آ کر رکی۔ ایک انسپکٹر اور چار سپاہی کود کر باہر نکلے۔

''بابر سنبھالو ان کو۔ میں چلتا ہوں۔'' احمد صاحب نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''او کے تایا ابو۔'' انسپکٹر بابر نے سر خم کرتے ہوئے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے اور خارش زدہ کتوں کی طرح راہل اور پردیپ کو گھسیٹتے ہوئے جیپ میں ڈالنے لگے۔ رفیق نے احمد صاحب کے گاڑی میں بیٹھتے ہی ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ انسپکٹر بابر اپنے سپاہیوں اور باقی کے دو لاٹھی برداروں کو جیپ میں سوار کر کے واپس مدحت آباد پولیس چوکی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اسے راہل اور پردیپ سے ڈرائنگ روم میں ملاقات کرنا تھی۔

●●●

ساڑھے تین بجے تھے جب شائنہ نے راہل سے موبائل پر رابطہ کیا۔ وہ اس وقت مدحت آباد سے پچیس تیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ پردیپ اس کے ہمراہ تھا۔ صورتحال پوری طرح اطمینان بخش تھی۔

''اب تم مجھ سے رابطہ نہ کرنا۔ پلان پر اسی طرح عمل کرنا جیسے میں نے بتایا ہے۔ ضرورت ہوئی تو میں خود بات کر لوں گی۔ ٹھیک چار بج کر دس منٹ پر میں نعمان کے ساتھ ہاسپٹل سے باہر نکلوں گی آگے تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔''

''ایک سجیشن ہے شائنہ' اگر تم مانو تو کہوں؟''

''کہو۔'' شائنہ نے دروازے کی طرف نگاہ دوڑائی۔

''کسی طرح اسے اکیلے باہر آنے دو۔ تم ساتھ ہوئیں تو شک تم پر بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''کوشش کروں گی۔'' اس نے آواز دبا کر لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن اگر ایسا نہ ہو سکا تو پرواہ نہ کرنا۔ مجھے بہرحال آج یہ کام تکمیل تک پہنچانا ہے۔''

''او کے۔'' راہل نے رابطہ کاٹ دیا۔

اس نے موبائل میز پر رکھا۔ ٹھیک اسی وقت نعمان دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی اور تھکن کے آثار ظاہر تھے۔

''بڑے اچھے مہمان نواز ہو تم؟'' وہ مسکراتی ہوئی کرسی سے اٹھ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''سوری شائنہ۔'' وہ اس کے قریب آ کر اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''امی کی طبیعت سنبھل ہی نہیں رہی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ تم میرے پاس ہوتیں اور میں تمہیں اٹنڈ نہ کرتا۔'' اس کی نظریں معنی خیز انداز میں شائنہ کے سراپے پر تیر گئیں۔

''تم نے میرا سارا پروگرام چوپٹ کر دیا نعمان۔'' وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔ ''میں تمہیں جو سرپرائز دینا چاہتی تھی اس کا اب کہیں نام و نشان بھی نہیں رہا۔''

''میں پھر معذرت خواہ ہوں شائنہ۔'' نعمان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''بس امی کو ہوش آ لے۔ ہم شہر کی طرف نکل چلیں گے۔''

''اب تو نہ بھی جائیں تو کیا فرق پڑے گا۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''اور تمہارا So called منگیتر۔ اس کا کیا ہوگا؟'' نعمان نے اس کے شانے دبا کر ہاتھ ہٹا لیا۔

''بھاڑ میں جائے وہ بھی۔'' وہ بے حد بیزاری سے بولی۔ ''تم یہ بتاؤ اب آنٹی کی حالت کیسی ہے؟''

''ابھی تک غشی کے عالم میں ہیں۔ ان کا بی پی مسلسل Low ہے۔''

''یہ تو اچھی علامت نہیں ہے۔''

''سنبل اور دوسرے ڈاکٹر کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے!'' نعمان نے فکرمندی سے کہا۔ ''ارے ہاں۔ تم نے سوائے چائے کے کچھ بھی کھایا پیا نہیں ہوگا اب تک!''

''مہمان ہوں۔ جو ملا اسی پر گزارہ کر لیا۔'' وہ طنز سے بولی۔

''سوری شائنہ۔ میں ابھی تمہارے کھانے پینے کا کچھ کرتا ہوں۔''

''سنو نعمان۔ مجھے کچھ خاص بھوک نہیں ہے۔ اگر کچھ ہلکا پھلکا مل سکے تو ٹھیک ہے ورنہ میں اب واپس جانا چاہوں گی۔'' اس نے رسٹ واچ پر نگاہ کی۔

''میں کنٹین سے کچھ منگواتا ہوں اور یہ اکیلے جانے کی بات مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ خواہ رات کے کسی پہر ہی کیوں نہ جائیں۔'' وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

رات کے تصور ہی سے شائنہ کا سارا جسم تھرا کر رہ گیا۔ پونے چار ہو رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ بعد راہل پہنچنے والا تھا۔ اس کے آنے کے بعد اسے کسی بہانے نعمان کو ہاسپٹل سے باہر لے جانا تھا۔ مگر کس طرح؟ اس کا دماغ ٹامک ٹوئیاں مارنے لگا۔

نعمان چند لمحوں ہی میں لوٹ آیا۔ اس کے تین چار منٹ بعد ایک ویٹر نما آدمی چائے



ساتھ پیٹیز اور شامی کباب ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوا۔ ''اس وقت تو یہی میسر ہے ۔ مکمل دعوت پھر کسی وقت پر ادھار رہی۔ آجاؤ۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔'' نعمان نے ٹرے میز پر رکھوا کر ملازم کو چلتا کر دیا۔

شائنہ نے دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالی۔ چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ وہ جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ تب تک نعمان اس کے لئے چائے کا کپ تیار کر چکا تھا۔ دو شامی اور پیٹیز کے ساتھ چائے کا ایک کپ ختم کرتے کرتے اسے دس منٹ لگ گئے۔ نعمان نے چائے پر اکتفا کیا۔

''نعمان۔ صبح سے یہاں بیٹھے بیٹھے میں اکتا گئی ہوں۔ چہل قدمی کے لئے ذرا باہر نہ چلا'' ٹشو پیپر سے ہونٹ تھپک کر اس نے نعمان کی طرف دیکھا۔

''ضرور۔ آؤ چلیں۔'' وہ جیسے خود بھی اسی بات پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

دونوں آگے پیچھے باہر نکلے۔ نعمان نے ایک نرس کو روک کر کہا۔

''میں باہر تک جا رہا ہوں۔ ڈاکٹر سنبل سے کہنا اگر ضرورت ہو تو مجھے موبائل پر کنٹیکٹ کریں۔''

''جی۔ میں ادھر ہی جا رہی ہوں سر۔ ان سے کہہ دوں گی۔'' نرس نے خوش اخلاقی سے کہا اور سفید قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ گئی۔

وہ دونوں ہاسپٹل سے باہر آئے۔ مین گیٹ تک آتے آتے شائنہ نے بڑے غیر محسوس انداز میں سامنے سڑک پر دیکھا اور اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

بند شیشوں کے ساتھ سیاہ کرولا شہر کی طرف رخ کئے جیسے اسی کے اشارے کی منتظر تھی۔

''ارے یہ گاڑی کس کی ہے اور وہاں کیوں کھڑی ہے؟'' نعمان نے چونک کر کار کی طرف دیکھا۔

''ہوگی کسی کی۔ تم کیوں چونک پڑے؟'' شائنہ نے لاپرواہی سے کہا۔

''یہ گاڑی اس علاقے کی نہیں ہے شائنہ۔ شاید کوئی ایمرجنسی کیس ہو یا کوئی ابو کے دوستوں میں سے ہو۔ تم ذرا رکو۔ میں ان سے مل کر آتا ہوں کہ ابو یہیں ہیں۔ گاؤں جائیں تو ان سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔''

پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر نعمان تیز تیز قدموں سے سڑک کی طرف بڑھ گیا۔ غیر محسوس انداز میں شائنہ گیٹ کے اندر چلی آئی۔ اب وہ کار سے تقریباً پچاس گز دور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تھی۔ اس نے ارد گرد اور پیچھے دیکھا۔ کوئی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ویسے بھی ہاسپٹل لوگوں کا کوئی قابلِ ذکر رش ابھی تک تو دیکھنے میں نہ آیا تھا۔

اس نے جائزہ مکمل کیا اور دوبارہ باہر دیکھا۔ نعمان کار کے قریب جا پہنچا تھا۔ پھر دم ہی کار کا پچھلا دروازہ کھلا اور کسی نے نعمان کا ہاتھ پکڑ کر اسے جھٹکے سے اندر کھینچ لیا۔ کے ساتھ ہی کار حرکت میں آ گئی۔ نعمان کو جس نے بھی اندر کھینچا تھا وہ کوئی خاصا طاقتور ا ہوگا جو وہ غڑاپ سے اندر جا رہا تھا۔ کار تقریباً بیس گز دور گئی تب پچھلا دروازہ بند ہوا۔

شائنہ کے تنے ہوئے اعصاب نے ایک دم اپنا آپ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پھیلتی سرخی نے تپش کا دامن جھٹک دیا۔ ایک بار پھر اس نے دائیں بائیں اور پھر سڑک پر دوڑائی۔ سب کچھ بے حد آسانی اور خاموشی سے ہو گیا تھا۔ نعمان نے اس کا کام خود ہی قدر سہل کر دیا تھا کہ وہ چند لمحوں میں پرسکون ہو گئی۔ اس کی بے تاب نظریں کار کی ٹیل لا پر جمی رہیں جب تک وہ اسے دکھائی دیتی رہی۔ پھر جب کار ایک نقطے کی صورت اختیار کا تو وہ آہستہ سے پلٹی، پارکنگ لاٹ میں آئی، اپنی گاڑی میں بیٹھی اور اسے ہاسپٹل کے گیٹ نکالتی چلی گئی۔

اسے قطعاً خبر نہ ہوئی کہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے مدحت بیگم اور سنبل یہ کارروائی بت بنی کھڑی دیکھ رہی تھیں۔ باوجود اس کے کہ سارا پلان ان کے علم میں تھا کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے اور ہونٹوں پر دعائیں مچل رہی تھیں۔ ڈاکٹر ار کمرے میں بے تابی سے ٹہل رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا موبائل بار بار اس کی آنکھ کے سامنے آ جا رہا تھا۔ پھر جونہی اس کی بیل گونجی اس نے بٹن دبا کر اسے کان سے لگا لیا۔

”یس پاپا۔ ارسلان بول رہا ہوں۔“

”وہ روانہ ہو گئی کیا؟“ احمد صاحب نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

”جی پاپا۔ ابھی ایک منٹ پہلے!“

”او کے۔ ماں کو تسلی دینا کہ فکر نہ کرے۔ صرف دعا کرے۔ ہم بالکل خیریت ہیں۔“

”یس پاپا۔“

رابطہ ”اللہ حافظ“ کی آواز کے ساتھ کٹ گیا تو وہ مدحت بیگم اور سنبل کی طرف جو ساری گفتگو سن چکی تھیں۔ مدحت بیگم تھکے تھکے انداز میں بستر پر بیٹھ گئیں۔ سنبل ان شانے دبانے لگی اور انہوں نے سر جھکا کر آنکھیں موند لیں۔ ان کے ہونٹ مسلسل کو



رف تھے جو ظاہر ہے اپنے باؤ جی اور ہنی کے لئے اللہ کے حضور دعا گو تھے۔

● ● ●

شائنہ کا پلان اس کے خیال میں مکمل طور پر کامیاب رہا تھا۔ وہ آدھا فاصلہ طے کر چکی ونے پانچ ہو رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ پانچ بیس تک وہ ایشورداس کے گھر پہنچ جاتی کے بعد۔ اس کے بعد کے لمحات کے تصور نے ایک بار پھر اسے ٹینس کر دیا۔ ویاگرا کی ں اس کے پرس میں موجود تھیں جو کسی بھی انسان کو وحشی بنانے کے لئے ضرورت سے ں مگر کیا وہ نعمان کو رام کر پائے گی؟ وہ اپنے اس طرح اغوا کو آسانی سے تو قبول نہیں گا اور ایسی حالت میں وہ کیا اس سے وصال کے لئے خود کو تیار کر سکے گا؟ اگر ایسا نہ ہو

سوال پر سوال تھا جو اس کے دماغ میں کھلبلی مچا رہا تھا۔ اس نے آخری حربے کے طور پر ہاتھ تو ڈال دیا تھا مگر اب اس کے بعد کی صورتحال پر جتنا وہ غور کرتی جا رہی تھی مالہ اتنا ہی گھمبیر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ آخر نعمان اپنے اغوا اور اس کے بعد شائنہ کی ی کو کس خانے میں فٹ کرے گا؟ کل تک وہ اسے ایک دو بوسوں سے آگے نہ بڑھنے آج وہ اس کے لئے سراپا بستر بن جائے گی تو وہ اسے کس طرح بغیر کسی ہچکچاہٹ کر لے گا؟ ویاگرا اس کے بدن میں آگ لگا ہی دے تو کیا ضروری ہے کہ وہ اس بھانے پر تیار بھی ہو جائے؟

ر جھٹک کر اس نے خیالات کی یورش سے نجات حاصل کرنا چاہی۔ جو ہونا تھا وہ ہو اب اسے اپنی ظاہری اور پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے آنے والے ے اپنے لئے زندگی کی نوید کشید کرنا تھی ورنہ ایشورداس کے کہنے کے مطابق وہ خارش ی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کے لئے ...... اور اس سے آگے اس کے خیالات کا بانک ٹوٹ گیا۔ اس کے موبائل پر ٹوں ٹوں کا راگ چھڑ گیا تھا۔ اس نے رفتار کم ہوئے موبائل ڈیش بورڈ سے اٹھایا اور اس پر نظر دوڑائی۔ راحل اسے ایس ایم ایس کر

”ایس ایم ایس کیوں؟ راحل براہ راست بات کیوں نہیں کر رہا؟“ اس نے سوچتے رین پر نظر دوڑائی۔

”میں اس وقت جہانگیر پورہ بائی پاس پر ہوں۔“ راحل الفاظ کی زبانی بتا رہا تھا۔ کہ لگا ہوا ہے اس لئے مجھے راستہ بدل کر آنا پڑے گا۔ زبانی بات اس لئے نہیں کر رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کہ کہیں نعمان ہاشم کے کان میں کوئی ایسی بات نہ پڑ جائے جو ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔ ویسے تو وہ بے ہوش ہے مگر احتیاط ضروری ہے۔ تم بھی اگر مجھ سے کوئی بات کرنا چاہو ایس ایم ایس کو ذریعہ بناؤ۔"

"تم کتنی دیر میں ایشور داس کے گھر پہنچو گے؟" اس نے رابل کی بات ختم ہونے لکھا۔

"آدھ گھنٹہ طے شدہ وقت سے زیادہ لگے گا۔" رابل نے جواب میں تحریر کیا۔ "تا تم بے فکر رہو۔ میں جس حد تک ہو سکا' جلدی سے جلدی ایشور داس کے گھر پہنچ جاؤں گا۔"

"او کے۔ میں وہیں تمہارا انتظار کروں گی کیونکہ تم سے پہلے پہنچ جاؤں گی۔ تم وق بالکل ضائع مت کرنا۔ میں بار بار کہہ رہی ہوں رابل۔ آج سب کچھ صرف وقت ہی ہے" اس نے اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔ او کے۔" سکرین آف ہو گئی۔ مضطربانہ انداز میں موبائل بنا کے اس نے ساتھ والی سیٹ پر ڈالا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اس کے دماغ میں بگو سے اڑ رہے تھے۔ بار بار اس کے راستے میں کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی تھی۔ آج کے پاس وقت نہیں تھا اور وقت اس سے کھیل رہا تھا۔ اس کھیل میں اگر اسے مات ہو تو؟ بے اختیار اس نے زور زور سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیا ونڈ سکرین سے پار تارکول کی سڑک کار کے پہیوں تلے سے یوں کھسکتی چلی جا رہی جس طرح اس کے ہاتھوں سے وقت ریت کی طرح پھسلتا چلا جا رہا تھا۔

●●●

"پاپا۔ آپ ایشور داس کے گھر شائنہ کے بعد کیوں پہنچنا چاہتے ہیں؟" نعمان احمد صاحب کی طرف دیکھا جو رابل کے موبائل پر شائنہ سے ایس ایم ایس کے تحت گفتگو کے ابھی ابھی فارغ ہوئے تھے۔

"ہم اپنے وقت پر وہاں پہنچیں گے بیٹے۔ یہ تو صرف شائنہ کو ذہنی طور پر ڈ کرنے کی ایک چال تھی مگر ہم سیدھے ایشور داس کے ہاں نہیں جائیں گے۔"

"تو پھر؟"

"اس کے محلے میں میری ایک پرانی ملازمہ رہتی ہے' اس کے ہاں چلیں ایشور داس کو وہاں بلوایا جائے' میں ایسا کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس سے فائدہ؟"



"تم اس بات کو چھوڑو۔ پہلے یہ کرو کہ جس ناکے سے ہم گزر آئے ہیں وہاں کے پولیس انسپکٹر کو فون کرو کہ شائنہ کو کم از کم آدھ گھنٹہ لیٹ کر کے وہاں سے فری کرے۔"

نعمان نے بحث کرنے کے بجائے اپنا موبائل نکالا اور فاروق نگر پولیس چوکی کا نمبر تلاش کرنے لگا۔ ایک منٹ بعد اس نے نمبر ملایا اور ناکے پر موجود انسپکٹر کا نمبر مانگا۔ محرر نے اس کا نام اور عہدہ سنتے ہی شاید کرسی چھوڑ دی تھی۔ اس کی ہکلاہٹ اور بدحواسی سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا۔ اس سے نمبر لے کر نعمان نے انسپکٹر نادر سے رابطہ کیا جو ناکے پر موجود تھا۔ وہ بھی نعمان کا نام اور عہدہ سن کر گڑبڑا گیا۔

"یس سر۔" اس کے ایڑیاں بجانے کی آواز موبائل پر ابھری۔ "کیا حکم ہے؟"

"انسپکٹر نادر۔ چند منٹ بعد مدحت آباد کی طرف سے آنے والی ایک سفید ہنڈا اکارڈ ناکے پر پہنچے گی۔ اسے کم از کم آدھ گھنٹہ تک وہاں روکنے کے بعد فری کرنا ہے۔ اور غور سے سنو، کوئی بد اخلاقی یا غیر شائستہ حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ مقصد صرف اس کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا ہے۔ وہ بے حد نازک مزاج لیڈی ہے۔"

"یس سر۔" انسپکٹر نادر نے مستعدی سے کہا۔ "اس کے لئے مجھے کوئی خاص کوشش نہیں کرنا پڑے گی سر۔ ناکے پر دس بارہ گاڑیاں اس وقت بھی چیکنگ کے لئے رکی ہوئی ہیں۔ میں صرف اپنی چیکنگ سپیڈ SLOW کر رہا ہوں۔ آپ اگر اس گاڑی کا نمبر بتا دیتے تو مجھے آسانی ہو جاتی!"

جواب میں نعمان نے شائنہ کی گاڑی کا نمبر دہرایا جسے انسپکٹر نادر نے شاید لکھ لیا۔

"اور کوئی حکم سر؟"

"نہیں۔ ویل اینڈ گڈ۔" نعمان نے موبائل آف کر کے احمد صاحب کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح یہ علم ہو جائے کہ ایشور داس اور شائنہ کے آپس میں ملاقات نہ ہونے پر صورت حال کیا ہو سکتی ہے؟ وہ کون سی خاص بات ہے جس کے لئے وہ اتنا تردد کر رہی ہے اور جس کی خاطر اس نے تمہیں اغوا کر لینے کا انتہائی قدم اٹھایا۔"

"اور آپ کا خیال ہے کہ ایشور داس یہ بات آپ کو آسانی سے بتا دے گا؟"

"آسانی سے نہ مشکل سے۔ وہ کسی قیمت پر ہمیں نہیں بتائے گا۔ یہ اس کا کاروباری راز ہے اور ایسے لوگ مر جانے کی حد تک اپنے بھید بھاؤ کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں اس کی شخصیت میں کوئی روزن تلاش کرنا چاہتا ہوں اور عیدو اس سلسلے میں ہماری کچھ نہ کچھ مدد ضرور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کر سکتی ہے' یہ مجھے لگ رہا ہے!''

''عیدو۔ یہ کون ہے؟'' نعمان چونکا۔

''بتایا تو ہے میری ایک اس وقت کی ملازمہ ہے جب ہم شہر میں رہا کرتے تھے اور تم ٹریننگ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھے!'' پھر انہوں نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''رفیق۔ یہاں سے دائیں لے لو۔ یہ شارٹ کٹ ہے۔ ہمارا دس منٹ کا راستہ کم ہو جائے گا۔ اس سڑک کے اختتام پر بائیں طرف موڑ لینا۔ وہ سڑک سیدھی گڑھی شاہ دین کے اندر جاتی ہے۔''

جواب میں رفیق نے دھیرے سے ''یس سر'' کہا اور گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے دائیں طرف موڑ دیا۔

تقریباً بارہ منٹ بعد گڑھی شاہ دین عیدو کے مکان کے باہر گاڑی رکی تو احمد صاحب نے رفیق کو اتر کر عیدو کا پتہ کرنے کے لئے کہا۔ رفیق گاڑی سے نکلا۔ عیدو کے مکان کے باہر دروازے پر رکا۔ پھر اس کا ہاتھ اٹھا اور ڈور بیل پر اس کی انگلی دب گئی۔

❁❁❁



❁❁❁

عیدو نہال ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے گھر آنے والے مہمانوں کی خاطر داری میں کس طرح اپنی جان ہار دے۔ احمد صاحب اس کے بُرے وقت کے محسن تھے۔ اس کے لئے انہوں نے سائبان مہیا کیا تھا۔ اس کے سر پر جو چھت تھی وہ انہی کی فراہم کردہ تھی۔ یہ بات وہ جانتی تھی' اس کا شوہر یا اس کا خدا۔ اور یہ ایسی بات نہ تھی کہ عیدو اسے آسانی سے فراموش کر دیتی۔ اس کی خاطر مدارات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو احمد صاحب کے لئے مشکل ہو جاتی۔ وقت بے حد کم اور نازک تھا۔ اس لئے انہوں نے عیدو کو روک دیا۔ صرف سادہ چائے کی اجازت دی اور اسے سامنے بٹھا لیا۔ عیدو بار بار نعمان کی طرف دیکھتی اور خوشی کے چراغ اس کی آنکھوں میں جل اٹھتے۔ وہ اس کے محسن کا بیٹا تھا اور جب سے اسے پتہ چلا تھا وہ سرکار دربار میں کیسے اہم عہدے پر ہے' اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

چائے کے آنے تک احمد صاحب نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ عیدو کا شوہر ابھی لوٹا نہ تھا اور باقی گھر والوں کو اس نے احمد صاحب کے کہنے پر اندر آنے سے روک دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی آمد چہ چا بن جائے۔

''عیدو۔ میں ایک کام سے تمہارے پاس آیا ہوں۔'' احمد صاحب نے تمہید باندھنا ضروری نہ سمجھا۔

''میں قربان صاحب جی۔ آپ حکم کریں۔ میں جو کر سکی اس کے لئے حاضر ہوں۔'' عیدو نے فدویانہ انداز میں کہا مگر اس انداز میں کہیں خوشامد اور چاپلوسی کی جھلک نہ تھی۔ وہ دل کی زبان بول رہی تھی۔

''عیدو۔ تمہارے اردگرد کہیں ایک عامل رہتا ہے۔ ایشور داس!''

''ہاں جی۔'' وہ فوراً بولی۔ ''کالے علم کا ماسٹر ہے وہ۔ مگر صاحب جی' آپ کو اس سے کیا کام آن پڑا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"مجھے اس سے کوئی کام نہیں ہے عیدو۔" احمد صاحب نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے کم سے کم الفاظ میں یہ بتاؤ کہ وہ شے کیا ہے؟"

"ایک پڑھا لکھا انسان تھا صاحب جی!" عیدو کے لہجے میں دکھ اتر آیا۔ اس نے ہاتھ گود میں رکھ لئے اور یوں بولنے لگی جیسے استاد کو سبق سنا رہی ہو۔ "بے روزگاری نے اس کی کمر اس وقت بالکل توڑ دی جب اس کی ماں فاقوں سے مر گئی صاحب جی۔ وہ ڈگریاں لئے گھومتا رہا۔ منتیں کرتا رہا۔ لوگوں کی سفارشیں ڈھونڈتا رہا مگر اسے نوکری نہ ملی۔ مذہب کا عیسائی ہے جی۔ یہ بات بھی اس کے آڑے آتی رہی۔ پھر جس روز اس کی ماں مری' اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے ڈگریاں آگ میں جھونک دیں اور اس اُلٹے راستے پر چل پڑا جسے لوگ کفر' جادو اور کالے علم کا راستہ کہتے ہیں۔ پھر دنوں میں وہ مالا مال ہو گیا۔ لاکھوں میں کھیلتا ہے اب۔ روپے کے بغیر کسی سے بات کرنا بھی جرم سمجھتا ہے۔ ہنومان کا پجاری بننے کے بعد نیکی اس سے یوں دور ہوتی چلی گئی جیسے بُرے دن اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے مگر۔۔۔ آج بھی ایک بات ایسی ہے صاحب جی جس کے لئے وہ سب کچھ ایک طرف رکھ کر رات اور دن دیکھے بغیر گھر سے نکل آتا ہے!"

"وہ کیا عیدو؟" احمد صاحب نے پوچھا۔ وہ ذہن میں ایشور داس کی شخصیت کا تجزیہ کر رہے تھے اور عیدو کی آخری بات شاید اس تجزیے کو کوئی نیا رنگ دے دیتی۔

"کسی کی ماں دکھ میں ہو صاحب جی' اسے وہ سہہ نہیں پاتا۔ جان مانگو تو شاید اس سے بھی انکار نہ کرے۔ اس میں وہ کسی دھرم' کسی مذہب کا لحاظ نہیں رکھتا۔ ماں' ماں ہوتی ہے' بس یہی اس کا ایمان ہے صاحب جی۔ اگر ایمان نام کی کوئی شے اس کے حصے میں باقی رہ گئی ہے تو وہ یہی ہے۔ روپیہ' وقت' گاڑی' گھر' ہر شے اس رشتے کے لئے وہ یوں حاضر کر دیتا ہے کہ اس بدلحاظ ایشور داس پر حیرت ہوتی ہے جو کاروبار کے وقت لوگوں کے سامنے گدی پر بیٹھتا ہے۔"

"بس عیدو۔ سر امل گیا!" احمد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔ "یہ بتاؤ تم اس سے کوئی واسطہ رکھتی ہو؟"

"جی صاحب جی۔" عیدو نے خجل سی ہو کر کہا۔ "میری بہت عزت کرتا ہے۔ میں اکثر مریض اس تک پہنچاتی ہوں!"

"مریض؟" احمد صاحب نے اسے چونک کر دیکھا۔

"ضرورت مند جی۔" عیدو خجل سی ہو گئی۔ "اپنے کام کا وہ پکا اور کھرا ہے صاحب



جی۔ اس کی بات پتھر پر لکیر ہوتی ہے۔ نہ ماشہ ادھر نہ رتی ادھر۔ آج جعلساز تو بہت ہیں جی' اس جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے والے کم ہی ہیں۔ لوگ اسے منہ مانگا روپیہ دے کر کام کراتے ہیں اور اس میں وہ کوئی چھل فریب نہیں کرتا۔ جو کام نہیں کرنا وہ اس سے کوئی کرا نہیں سکتا اور جو اس نے ہاتھ میں لے لیا اسے قدرت روکے تو روکے ورنہ تو وہ کام ہونے کا وقت بھی بتا دیتا ہے جی۔"

"ہوں۔" احمد صاحب نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ نعمان خاموشی سے ساری باتیں سن رہا تھا جبکہ رفیق اور وہاب باہر گاڑی میں تھے۔ احمد صاحب نے ان کو اندر لانا مناسب نہ سمجھا تھا۔

"عیدو۔ اب آتے ہیں اصل بات کی طرف۔" احمد صاحب نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ "اور یہ بات میں تم سے اس لئے کھل کر کہہ رہا ہوں کہ میں جانتا ہوں تمہارا سینہ اندھے کنویں کی طرح راز دار ہے۔"

"آپ کہہ دیجئے صاحب جی' جو بھی بات ہے۔ عیدو نے آپ کا نمک بھی کھایا ہے اور احسان فراموش بھی نہیں ہے۔ یہ چھت....."

"بس عیدو۔ یہ بھی ایک بھید ہے۔ راز ہے۔ اسے سینے میں دفن رہنے دو اور غور سے سنو کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔" احمد صاحب نے پل بھر کو سانس لیا پھر گویا ہوئے۔

"عیدو۔ ایشور داس سے کسی لڑکی نے میرے بیٹے نعمان پر جادو کرایا ہے!"

"کیا صاحب جی؟" وہ اچھل پڑی۔ "ان پر؟" وہ حیرت سے نعمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ اس کے ہر انداز سے بے اعتباری مترشح تھی۔

"ہاں عیدو۔ وہ اسے اپنے بس میں کرنا چاہتی ہے۔"

"اور اس کے لئے آپ ایشور داس سے ملنا چاہتے ہیں کہ وہ نعمان بابو پر سے اپنا جادو ختم کر دے۔"

"کیا ایسا ممکن ہے عیدو؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی صاحب جی۔" عیدو مضطرب انداز میں بولی۔ "آج تک ایسا کوئی واقعہ میرے علم میں آیا نہیں کہ ایشور داس نے اپنے ہی وار کی کاٹ پلٹ کی ہو۔"

"مگر آج یہ ہونا چاہیے عیدو۔ نعمان میرا بیٹا ہے۔" احمد صاحب جذباتی ہو گئے۔

"مجھے حکم کیجئے صاحب جی۔" عیدو نے احمد صاحب کی طرف دیکھا۔ "مجھے کیا کرنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہے؟ میں جان لڑا دوں گی مگر اپنے ہنی بابو پر آنچ نہ آنے دوں گی۔ مگر صاحب جی۔ یہ تو سچ ہے ناں کہ اس حرامزادی نے وار ایشور داس ہی سے کرایا ہے؟"

"سو فیصد سچ ہے۔ میں نے خود اس کی زبان سے سنا ہے۔" احمد صاحب نے جواب دیا۔ "اور اب تمہیں یہ کرنا ہے کہ کسی طرح ایشور داس کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ نعمان کو اپنے شکنجے سے آزاد کر دے اور اس سلسلے میں سب سے ضروری بات یہ ہے کہ وقت بے حد کم ہے۔ وہ لڑکی اپنی دانست میں نعمان کو اغوا کرا چکی ہے اور اس کے خیال میں اس کے کارندے اسے لے کر تھوڑی دیر تک ایشور داس کے گھر پہنچنے والے ہوں گے جبکہ وہ خود تقریباً بیس منٹ بعد ایشور داس کے ہاں پہنچے گی۔"

"ایسا خطرناک معاملہ ہے کیا؟" عیدو صورتحال نہ سمجھ سکی مگر اس کی نزاکت کو پا گئی۔

"تو کیا میں ایشور داس سے جا کر بات کروں جی؟"

"نہیں۔" احمد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں تم اسے یہاں بلواؤ۔ میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہاں؟" عیدو سوچ میں پڑ گئی۔

"کیوں؟ کیا اس کا یہاں آنا ممکن نہیں؟" احمد صاحب نے پوچھا۔

"میں کوشش کرتی ہوں صاحب جی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آپ اطمینان سے بیٹھئے۔ میں چند منٹ میں واپس آتی ہوں۔"

اسی وقت ایک بارہ تیرہ سال کا بچہ صاف ستھرے ٹرے میں چائے اور بسکٹ رکھے اندر داخل ہوا۔ عیدو نے جلدی سے چائے کے برتن ان باپ بیٹے کے سامنے میز پر سجائے اور یہ کہتے ہوئے چل دی۔

"صاحب جی۔ آپ کے چائے پینے تک میں لوٹ آؤں گی جی!"

"عیدو۔ وقت بہت کم ہے!" احمد صاحب کہے بغیر نہ رہ سکے۔

"فکر نہ کریں صاحب جی۔ اللہ بہتر کرے گا۔" وہ دروازے سے نکل گئی۔

احمد صاحب نے نعمان کی طرف دیکھا جو انہی کی طرف متوجہ تھا۔

"چائے بناؤ یار! شدت سے اس کی طلب ہو رہی ہے۔" انہوں نے کہا اور نعمان نے ہاتھ چائے دانی کی طرف بڑھا دیا۔

❁❁❁

ایشور داس نے گدی چھوڑی اور فرش پر کھڑے ہو کر ایک زوردار انگڑائی لی۔



سورج غروب ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے اور یہ وقت اس کے مشغلِ مے نوشی کا تھا۔ کوئی بہت ایمرجنسی کا کام ہوتا تو وہ غروب کے بعد کرتا تھا ورنہ وہ بچ جانے والے "گاہکوں" کو اگلے دن کا کہہ کر رخصت کر دیتا اور خود ساغر و مینا کی محفل سجا لیتا۔

آج اسے صرف شائنہ کا انتظار کرنا تھا جس کے کارندے ابھی تک نعمان کو لے کر نہ پہنچے تھے۔ اسی بات کے مدِنظر اس نے آج وقت سے پہلے ہی لوگوں کو چلتا کر دیا اور اب بدن ٹوٹنے کی کیفیت اسے شراب کے جام کی طرف مائل کر رہی تھی۔

"سودے۔" اس نے آواز دی۔ دوسری آواز پر سودا اندر چلا آیا۔

"دیکھ۔ ابھی وہ شائنہ بی بی کے بھیجے ہوئے دو تین آدمی ایک مریض کو لے کر آئیں گے۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھانا اور مریض کو میرے بیڈ روم میں لے جانا۔ پھر شائنہ بی بی آئے تو اسے میرے پاس تہ خانے میں بھیج دینا۔"

سودا ساری بات سمجھ کر اثبات میں سر ہلاتا لوٹ گیا تو اس نے طاق پر پردہ ہٹا کر شراب کی بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ایشور داس جی۔" اچانک ایک آواز سن کر وہ رک گیا۔ سیدھا ہو کر اس نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے عیدو مائی اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے پردہ پھر برابر کر دیا اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آؤ عیدو مائی۔ خیریت تو ہے۔ تم اس وقت....."

"ایشور داس جی۔" وہ اس کے قریب آ کر رک گئی۔ وہ بے حد سنجیدہ ہو رہی تھی۔ "ایک کام آن پڑا ہے آپ سے!"

"اب تو میں گدی سے اٹھ چکا ہوں عیدو مائی۔" وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "صبح کچھ کریں گے۔"

"نہیں ایشور داس جی۔" عیدو نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "کام ایسا ہے کہ صبح تک انتظار ممکن نہیں۔"

"ایسی کیا بپتا آن پڑی عیدو مائی۔" وہ بیزاری سے بولا۔ "تم جانتی ہو میں گدی سے اٹھ جاؤں تو....."

"سب جانتی ہوں میں ایشور داس جی۔ مگر کبھی کبھی کوئی ایمرجنسی بھی ہو جاتی ہے۔"

"بات کیا ہے؟ کھل کر کہو۔" وہ عیدو کے لہجے کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"آپ کو میرے گھر تک چلنا پڑے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"خیریت ہے ناں!" وہ فکر مند سا ہو گیا۔ "گھر میں سب ٹھیک تو ہے۔"

"آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔ وہ بڑی افراتفری میں اور بہت دور سے آئے ہیں!"

"کون لوگ ہیں؟" وہ پھر جیسے ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "جو یہاں نہیں آ سکتے!"

"آ سکتے ہیں مگر ایک بار آپ کو میرے ہاں چلنا ہوگا۔ میں بڑے مان سے آئی ہوں۔ بہت خدمت کی ہے میں نے آپ کی!"

"خدمت کو چھوڑو عیدو مائی۔ میں نے کبھی تم سے کوئی کام مفت نہیں کرایا۔ تم جو گاہک لائیں اس کی فیس سے میں نے تمہیں تمہارا حصہ دیا۔"

"سب درست ہے ایشور داس جی۔ مگر اس وقت معاملہ میری انا کا ہے۔"

"آخر وہ کون لوگ ہیں جو یہاں آنے سے گریزاں ہیں۔ کیا بہت عزت دار ہیں یا بہت آن والے ہیں؟"

"عزت والے بھی ہیں اور آن والے بھی۔ مگر اس وقت ضرورت مند ہیں!"

"ضرورت مند ہیں تو ان کو یہاں لے آؤ۔ تم جانتی ہو میں عام طور پر کسی کے ہاں نہیں جاتا!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ایشور داس جی۔" اچانک عیدو کا لہجہ بدل گیا۔ "ہر بات کاروبار کے پلڑے میں نہیں رکھنی چاہیے۔"

"دیکھو عیدو مائی۔" وہ تلخی سے بولا۔

"مائی بھی کہتے ہو اور اس کا مطلب بھی نہیں سمجھتے!" عیدو آپ سے تم پر اتر آئی۔

"یعنی۔" ایشور داس اس کے بدلے ہوئے لہجے پر چونک اٹھا۔

"مائی کا مطلب ساری دنیا میں "ماں" کے معنوں میں لیا جاتا ہے ایشور داس۔ میں اب تک تمہیں آپ آپ کہہ کر رام کرتی رہی مگر تم اپنی گدی کے زعم میں نرم ہو ہی نہیں رہے۔ اب بولو۔ اپنی زبان سے جسے تم دس بار مائی کہہ چکے ہو اس ماں کے ساتھ چل رہے ہو یا نہیں؟"

"میری کمزور رگ سے واقف ہو عیدو مائی!" ایک دم ایشور داس موم ہو گیا۔ "جانتی ہو میں ماں کے آگے بھیڑ ہو جاتا ہوں۔"

"دیر نہ کرو ایشور داس جی۔" عیدو مضطرب ہو گئی۔ "وقت بہت کم ہے اور......"

"لگتا ہے واقعی کوئی ایمرجنسی ہے۔" ایشور داس نے الگنی سے کرتا اتار کر پہنتے ہوئے کہا۔ "چلو عیدو مائی۔ مگر یہ ایشور داس جی کہو گی تو میں پھر تھانیدار ہو جاؤں گا۔ خالی ایشور داس



کہو تا کہ میں ایک ماں کے ساتھ چل پڑوں۔"

"تم ہزاروں برس جیو ایشور داس!" عیدو کا لہجہ بھرا گیا۔

"اب چلو۔ کوئی اور نہ ٹپک پڑے۔" ایشور داس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور دونوں آگے پیچھے کمرے سے نکل گئے۔

✿✿✿

"لیجئے صاحب جی۔ میں ایشور داس کو لے آئی۔" عیدو نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو احمد صاحب چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ نعمان کمرے میں موجود نہیں تھا۔ عیدو کے پیچھے ایشور داس اندر داخل ہوا۔

"ایشور داس۔" اس نے احمد صاحب کو بغور دیکھتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"احمد بھٹی۔" جواب میں احمد صاحب نے مختصراً بتایا اور اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

"بیٹھئے۔" انہوں نے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ایشور داس آرام سے بیٹھ گیا۔

"منی بابو کدھر گئے صاحب جی؟" عیدو نے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہیں ہے۔ ابھی آ جاتا ہے۔" احمد صاحب نے عیدو کی جانب نظریں اٹھائیں۔ وہ مزید کچھ پوچھے بغیر اندرونی حصے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ان دونوں کو شاید اکیلے میں بات کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

"رکو عیدو۔ یہیں رکو۔ بات تمہارے سامنے کرنی ہے مجھے۔" احمد صاحب نے کہا تو عیدو خاموشی سے آ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"ایشور داس جی۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے اور بات بہت نازک۔" احمد صاحب نے ایشور داس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ۔ آپ مجھ سے بڑے ہیں۔ مجھے آپ آپ کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔ تم کہہ کر بات کریں گے تو مجھے اچھا لگے گا۔" ایشور داس احمد صاحب کی بات روک کر بولا۔

احمد صاحب نے اسے بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"کیا یہ احترام تم ہر بڑے کے لئے روا رکھتے ہو ایشور داس؟" انہوں نے 'آپ' کی دیوار ختم کر دی۔

"جی نہیں۔ بس آپ جیسا کوئی دل کو اچھا لگ جائے تو صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔ آپ مجھے دوسروں سے کچھ الگ اور نتھرے ہوئے محسوس ہوئے ہیں۔" وہ احمد صاحب کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"ہوں۔" احمد صاحب نے اسے اسی انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم بھی اتنے مَیلے نہیں ہو ایشور داس' جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔"

"آپ وقت کی کمی کا ذکر کر رہے تھے۔" ایشور داس نے ایک دم بات پلٹ دی۔

"ہاں۔" احمد صاحب نے بھی اصل موضوع کا رُخ کیا۔ "پہلے یہ بتاؤ ایشور داس کہ میں تم پر کس حد تک اعتماد کر سکتا ہوں؟"

"جس کے بعد کوئی حد باقی نہ رہے۔" وہ تڑاخ سے بولا۔ "میرا سینہ ایسے ایسے رازوں کا گڑھ ہے احمد صاحب کہ خود میں اس کے اندر جھانکنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"گڈ۔" احمد صاحب نے سر اثبات میں ہلایا۔ "اس کے باوجود میں چاہوں گا کہ تم مجھے مکمل رازداری کا یقین دلاؤ۔ بات ہی ایسی ہے کہ میں کسی صورت بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"آپ کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں؟"

"تم اگر میرے چند سوالوں کا جواب سچ سچ دے دو تو میں کھل کر بات کر سکوں گا۔"

"پوچھئے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولا۔

"ایشور داس۔ میں نے سنا ہے تم ماں کی بہت عزت کرتے ہو؟"

"جی ہاں۔" اس نے احمد صاحب کی طرف دیکھا۔

"اور اس کے لئے تم دھن' دولت' گھر بار کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔"

"یہ بھی درست ہے!"

"ایسا کیوں کرتے ہو تم؟ میرا مطلب ہے جس قسم کے کاروبار میں تم ملوث ہو اس میں جذبات اور رشتوں کے احترام کی جگہ کہیں نہیں ہوتی۔ پھر تم اس رشتے کو کس حوالے سے اور کیوں نبھاتے ہو؟"

"احمد صاحب!" ایشور داس کے سیاہ چہرے پر سنجیدگی کے سائے مزید گہرے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں دیپ سے جل اٹھے۔ "ماں رشتہ نہیں ہوتی۔ کسی کی بھی ہو' ماں صرف ماں ہوتی ہے۔ وہ جو اولاد کے لئے اپنا تن من تیاگ دیتی ہے۔ وہ جو اولاد کے لئے خدا سے بھی دو کڑوے بول' بول جاتی ہے۔ وہ جو مرتے وقت بھی اولاد کے کندھے پر قبرستان جانے کی آرزو رکھتی ہے۔ وہ جو بعض اوقات اولاد کو جنم دینے کے عمل سے گزر کر خود جان ہار جاتی ہے مگر اولاد کو زندگی بخش جاتی ہے۔ وہ' جس کی پردہ داری آپ کے خدا نے خود فرمائی ہے' اس ماں کی اگر میں عزت نہ کروں تو میری ماں مجھے معاف کیسے کرے گی احمد صاحب؟"



ایشور داس بولتا چلا جا رہا تھا اور احمد صاحب اور عیدو صرف سن رہے تھے۔ لگتا تھا آج مدتوں بعد اسے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع ملا تھا اور وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔ اس کی آواز کا اتار چڑھاؤ اس کے اندر ابلتے جذبات کے طوفان کا پتہ دے رہا تھا۔

"احمد صاحب! میں وہ بدنصیب ہوں جو اپنی ماں کے لئے کوئی سکھ مہیا نہ کر سکا۔ اسے دو وقت کی روٹی اور دوا کے نام پر ایک روپے کی دو گولیاں فراہم نہ کر سکا مگر..... بھوک اور بیماری کے ہاتھوں دم توڑتے ہوئے بھی میری ماں نے مجھے دعا دی۔ مجھ سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ اولاد کا فرض نہ نبھا سکنے پر مجھے ناراضگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ بلکہ یہ کہا۔ "ایشور داس! بیٹا گھبرانا نہیں۔ ایک دن تو ضرور کامیاب ہو گا۔ پھر تو کسی بھی بیمار اور بھوکی ماں کی سیوا کر کے مجھ سکھ پہنچاتے رہنا۔ میں جانتی ہوں تو نے میرے لئے بہت کوشش کی مگر نصیب میں نہ ہو تو انسان سکھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے نہیں مل پاتا بیٹے۔ تو جیتا رہے۔ تو سکھی رہے۔ یسوع مسیح تیری مدد کرے بیٹا۔" ایشور داس کی آواز بھیگ گئی۔ ٹوٹ سی گئی۔ "احمد صاحب۔ یہ میری ماں کی آخری خواہش ہے جسے پورا کرنے کے لئے میں اچھا بُرا' دھرم اَدھرم' نیک بد سب بھول جاتا ہوں۔ کبھی کبھی میری روح کے خریدار اس پر مجھے سزا بھی دیتے ہیں۔ میں اس سزا کو ہنس کر سہہ لیتا ہوں۔ اس لئے احمد صاحب! کہ کل مجھے اپنی ماں کے سامنے جانا ہے۔ وہ کیا کہے گی کہ میں جب کسی قابل ہو گیا تب بھی کسی ماں کی خدمت نہ کر سکا جبکہ اس نے اپنی پوری زندگی کا دکھ مجھے اس لئے معاف کر دیا تھا کہ میں اس کی خواہش کا پہرہ دیتا رہوں۔" ایشور داس خاموش ہو گیا۔

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں خشک کیں۔

احمد صاحب اسے بڑی گہری اور تلاشی لینے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اسے اندر تک کھنگال رہے ہوں۔

"ایشور داس۔ جس ماں نے تمہیں جنم دیا اس کی زندگی کا قرض تم اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ادا کر رہے ہو مگر ایک اور ماں بھی ہے جس کے ساتھ تم انجانے میں ہی سہی مگر وہ ظلم کر رہے ہو جس کی معافی ہی نہیں ہے!" بڑے گمبھیر لہجے میں احمد صاحب نے کہا تو ایشور داس چونک پڑا۔

"میں اور کسی ماں کے ساتھ ظلم؟" اس نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں ایشور داس۔ میں نے کہاں ناں کہ تم انجانے میں ایسا کر رہے ہو۔"

"کھل کر کہئے احمد صاحب۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔ اگر انجانے میں بھی مجھ سے ایسا کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



فعل سرزد ہوا ہے تو میں اس کی تلافی کروں گا' یہ میرا وعدہ ہے آپ سے!''

''وعدہ سوچ سمجھ کر کرو ایشور داس۔ ہوسکتا ہے تمہیں اپنے الفاظ واپس لینا پڑ جائیں!''

''بات اگر ماں کی ہے احمد صاحب تو یقین کیجئے۔ ایشور داس جان ہار جائے گا' قول نہیں ہارے گا۔'' اس کا لہجہ بے حد مستحکم تھا۔

''تم اس مٹی' اس دھرتی' اس وطن کے ساتھ ظلم کر رہے ہو ایشور داس۔ جہاں انسان جنم لیتا ہے وہ زمین بھی تو اس کی ماں ہوتی ہے!'' احمد صاحب نے لوہا گرم دیکھ لیا تھا' چوٹ لگانے سے گریز نہ کیا۔

''اس ملک سے؟'' ایشور داس نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں احمد صاحب۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اس وطن سے غداری کی ہے تو میں نے انجانے میں بھی ایسا کوئی کام نہیں کیا جو مجھے وطن دشمنوں کی صف میں لا کھڑا کرے۔''

''وطن دشمنوں کی مدد کرنے والا بھی اتنا ہی بڑا اور قابلِ سزا مجرم ہوتا ہے ایشور داس جتنا کوئی وطن دشمن!''

''نہیں احمد صاحب۔ میری یادداشت میں ایسا کوئی گمراہ لمحہ محفوظ نہیں جس پر مجھے وطن سے غداری کا شبہ ہو۔ اس کے باوجود کہ اس وطن نے ایک وقت میں مجھے سیدھے راستے پر چلنے کی سزا دی۔ اس کے لوگوں نے مجھے بیروزگاری اور اقلیت کا فرد ہونے کے طعنے کا زخم دیا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ انہی دگرگوں حالات میں میری ماں نے بے یارومددگار میری باہوں میں دم توڑ دیا مگر اس کے باوجود میں نے اپنے وطن' اپنے پاکستان کے بارے میں کوئی غلط تاثر دل میں نہیں بیٹھنے دیا۔ ہاں' اس کے لوگوں سے مجھے جو شکوے تھے ان کی قیمت آج میں لاکھوں میں وصول کرتا ہوں اور خوش ہوں۔ مجھے کہنے دیجئے احمد صاحب۔ میں جسم روندتا ہوں' وطن کی سرزمین روندنے کا خیال بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ میں گمراہی کا مسافر ضرور ہوں احمد صاحب۔ غداری میرے خون میں ہے نہ خیالوں میں!''

''مجھے تمہاری ہر بات پر یقین آ گیا ایشور داس۔'' احمد صاحب نے اس کے خاموش ہونے پر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ ''اور اب میں تم سے جو کہنے جا رہا ہوں' اسے اپنے سینے میں وطن کی امانت سمجھ کر دفن کر لینا۔ تم نے خود کو اگر پاکستان کا بیٹا ثابت کر دیا تو میں خود تمہارے گھر آ کر تمہیں سلیوٹ کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے!''

''اب بات کھل کر کیجئے احمد صاحب۔ دیر نہ کیجئے۔'' ایشور داس نے اضطراب بھرے انداز میں کہا۔



''عیدو۔ ہنی کو بلاؤ۔ وہ باہر گاڑی میں ہے!'' احمد صاحب نے پلٹ کر عیدو کی جانب دیکھا۔ وہ فوراً اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

''میں جو کہنا چاہتا ہوں اس سے پہلے تم میرے بیٹے کو دیکھ لو ایشور داس۔ شاید مجھے زبان سے کچھ نہ کہنا پڑے۔'' انہوں نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے عیدو واپس داخل ہو رہی تھی۔ ایشور داس کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ پھر جونہی نعمان اندر داخل ہوا اور دونوں کی نظریں چار ہوئیں تو ایشور داس بری طرح چونک اٹھا۔

وہ اپنی نشست سے اٹھ گیا۔ اس کی مضطرب' حیرت زدہ اور تپتی ہوئی نگاہیں نعمان پر جم سی گئیں جو قریب آ کر رکا اور ''ہیلو'' کہہ کر ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔

''یہ۔ یہ۔۔۔'' ایشور داس نے ہکلا کر احمد صاحب کی طرف دیکھا۔

''یہ میرا بیٹا ہے نعمان ہاشم۔ پیار سے ہم اسے ہنی کہتے ہیں اور میرا خیال ہے تم اس کی صورت سے آشنا ہو۔''

''ہاں ہاں۔'' وہ ماتھے کو رگڑتے ہوئے بولا۔ اسے جیسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ ''یہ نعمان ہے؟'' اس نے نعمان سے ہاتھ ملا کر احمد صاحب کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''ہاں۔ یہ وزارت خارجہ میں ڈپٹی سیکرٹری ہے۔''

ایشور داس ایک مرتبہ پھر بڑے زور سے چونکا۔

''مگر وہ تو بتا رہی تھی کہ.....'' اور ایک دم وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آہستہ سے واپس اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں ایک دم پھول گئیں جیسے ان پر موم آ گیا ہو۔ کنپٹیاں پھڑک رہی تھیں اور دانت بھینچے وہ کسی خاص نکتے پر سوچے جا رہا تھا۔

نعمان' احمد صاحب کے ساتھ جا بیٹھا۔

''ایشور داس۔ تم کس کی بات کر رہے تھے؟'' احمد صاحب نے اسے مخاطب کیا۔

ایشور داس نے چند لمحوں بعد ہوش کا دامن تھاما۔ ''اس کا نام شائنہ ہے۔ وہ میرے پاس آئی تھی نعمان صاحب کے لئے۔'' اس نے چند فقروں میں سارا معاملہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ عیدو اپنی جگہ بیٹھی ساری گفتگو اس طرح سن رہی تھی جیسے اس کا کسی بات سے کوئی تعلق نہ ہو۔

''اوہ میرے خدا۔'' احمد صاحب نے ایشور داس کے خاموش ہونے پر سر تھام لیا۔ ''یہ اس نے کیا کیا ایشور داس۔ تم جانتے ہو وہ لڑکی کون ہے؟''

''نہیں احمد صاحب۔ لیکن مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ جو بات اس نے مجھے بتائی ہے کچھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اور ہے اور حقیقت کچھ اور۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''ایشور داس۔ بُرا مت ماننا۔ تم اور تم جیسے دوسرے عامل یہ جانے بغیر کہ اصل معاملہ کیا ہے' اپنے پاس آنے والے سے تھوڑی بہت رقم لے کر بعض اوقات نہیں' اکثر ایسا ناجائز کام کر جاتے ہیں جو گھر تو گھر کبھی کبھی وطن کی مانگ سے بھی سیندور چھین لینے کا باعث بن جاتا ہے جیسا کہ تم نے شائنہ سے تعاون کر کے کیا۔ اس نے تم سے جو کہا غلط کہا۔ وہ نعمان کو اس لئے اپنے بس میں کرنا چاہتی ہے کہ اس کے دل و دماغ کو مفلوج کر کے اس سے وطن کے دفاعی راز حاصل کر کے اپنے ملک بھیجتی رہے۔''

''کیا مطلب؟'' ایشور داس اچھل پڑا۔

''وہ ایک دہشت گرد ہے ایشور داس۔ اس کا پورا نیٹ ورک یہاں کام کر رہا ہے۔ نعمان کی تو تم نے تصویر دیکھ لی تھی اس لئے پہچان گئے۔ اور کتنی ایسی وارداتیں تمہارے ہاتھوں ہوئی ہوں گی جن کے بارے میں تم قطعاً نہیں جانتے کہ کہاں کہاں ان کے باعث اس وطن کے دفاع میں نقب لگ گئی ہو گی۔''

''آپ درست کہہ رہے ہیں احمد صاحب۔'' وہ تڑپ کر رہ گیا۔ ''مگر میں نے جانتے بوجھتے ہوئے کچھ نہیں کیا۔''

''میں مانتا ہوں اور جو ہو چکا اس پر ماتم کرنا بھی بے سود ہے۔ فی الحال تو سب سے بڑا عذاب ہمارے سامنے یہ ہے کہ نعمان کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے؟ تم نے نعمان پر جو عمل کیا اس کے نتیجے میں نعمان کے ساتھ کیا اور کیسے ہونے والا تھا' ذرا تفصیل سے بتاؤ۔''

''عیدو مائی۔'' ایشور داس نے اس کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم چند منٹ کے لئے ہمیں اکیلا چھوڑ دو تو.....''

احمد صاحب نے عیدو کو سر ہلا کر اجازت دی تو وہ اٹھی اور خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''تفصیل کچھ ایسی زیادہ نہیں ہے احمد صاحب۔'' ایشور داس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی جو ساڑھے چھ بجا رہی تھی۔ ''میرے عمل کے نتیجے میں آج رات آٹھ بجے تک شائنہ کو ہر صورت میں نعمان صاحب سے جسمانی ملاپ کرنا ہو گا۔''

''اوہ۔'' احمد اور نعمان دونوں بری طرح چونکے۔ ''تو اس لئے وہ نعمان کو بار بار شہر آنے پر مجبور کر رہی تھی۔'' احمد صاحب کے لبوں سے نکلا۔

''جی ہاں۔ اور یہ کام میرے ہی گھر پہ انجام کو پہنچنے والا تھا۔'' ایشور داس نے شرمندہ



سے انداز میں کہا۔

''وہ میں سب جانتا ہوں۔ جب وہ تم سے فون پر بات کر رہی تھی تو ساری گفتگو میں نے سن لی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے بات کی۔ تبھی مجھے علم ہوا کہ وہ ایک دہشت گرد ہے مگر ایشور داس۔ یہ بتاؤ اگر آج یہ مکروہ فعل پایہ تکمیل کو نہ پہنچا جو یقیناً نہیں پہنچے گا تو نعمان کو کیا نقصان پہنچے گا؟''

''نقصان یہ پہنچے گا احمد صاحب کہ نعمان بابو پاگل ہو جائیں گے۔''

''کیا؟'' احمد صاحب کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔

''مگر اب ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میں ہوں ناں۔'' ایشور داس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں تسلی دی تو باپ بیٹے کو کچھ حوصلہ ہوا۔ ''اصل نقصان تو شائنہ کو ہو گا احمد صاحب۔''

''وہ کیا؟'' بے تابی سے نعمان نے پوچھا۔

''اس کے سارے جسم پر پیپ دار آبلے پڑ جائیں گے۔ چند لمحوں کے اندر اندر یہ آبلے پھٹنے لگیں گے اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کسی خارش زدہ کتیا کی طرح مر جائے گی۔'' ایشور داس کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔

''اور اگر وہ اس صورتحال سے بچنا چاہے تو؟''

''بچ سکتی ہے۔'' ایشور داس نے احمد صاحب کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اگر میں چاہوں ز.....''

''اور تم؟''

''میں جو چاہتا ہوں وہ مجھ پر چھوڑ دیجئے احمد صاحب۔'' ایشور داس نے اچانک جیسے کوئی فیصلہ کر لیا۔ ''یہ بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں کیا چاہوں گا۔ پہلے تو میرے ہنی کی جان چھوٹنی چاہیے۔''

''سمجھئے۔ چھوٹ گئی!'' ایشور داس نے سامنے میز پر پڑے گلاس میں جگ سے پانی ڈیلا۔ اس پر زیر لب کچھ پڑھ کر پھونک کر نعمان کی طرف بڑھا دیا۔ ''اسے پی جائیے نعمان و۔ گھبرائیے مت۔'' وہ اسے احمد صاحب کی طرف دیکھتے پا کر بولا۔ احمد صاحب نے اسے ر کے اشارے سے اجازت دی تو نعمان نے گلاس تھام لیا اور دو تین گھونٹ میں پانی ختم کر یا۔

''اب آپ باتھ روم میں چلے جائیے۔ آپ کو ایک خون آلود قے آئے گی اور سرخ لی ہی کا پیشاب خارج ہو گا۔ قطعاً گھبرائیے گا نہیں۔ فارغ ہو کر باہر آ جائیے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



احمد صاحب نے کمرے کے ایک گوشے میں موجود ایٹیچ باتھ کی طرف اشارہ کیا اور نعمان کوٹ اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے باتھ روم میں چلا گیا۔

''ایشورداس۔ میں تمہارا زندگی بھر ممنون رہوں گا۔ تم نے وہ کیا جو شاید عام حالات میں ممکن ہی نہ تھا۔''

''یہ آپ درست کہہ رہے ہیں احمد صاحب۔ اب مزید فرمائیے' مجھ سے آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''شائنہ سے.....'' اسی وقت صوفے پر رکھے نعمان کے کوٹ کی جیب میں موجود موبائل کی بیل گونج اٹھی۔

احمد صاحب نے بات ادھوری چھوڑ کر ہاتھ بڑھایا۔ موبائل کوٹ کی جیب سے نکالا اور بٹن دبا کر کان سے لگا لیا۔

''یس۔'' وہ بڑے دبنگ لہجے میں بولے۔

''بابر بول رہا ہوں تایا جی۔'' دوسری طرف سے انسپکٹر بابر کی آواز ابھری۔

''ہاں بابر بولو۔ کیا بات ہے؟''

''تایا جی۔ ایک افسوس ناک خبر ہے!''

''کہہ ڈالو۔'' وہ چونکنے ہو گئے۔

''راہل اور پردیپ نے خودکشی کر لی!''

''کیا؟''

''جی ہاں۔ انہوں نے جوتوں کی ایڑیوں میں سائنائڈ کیپ چھپا رکھے تھے۔ موقع ملتے ہی نگل گئے۔''

''اوہ۔ اوہ۔'' وہ مضطرب ہو گئے۔ ''کچھ معلوم بھی ہوا ان سے یا نہیں؟''

''جی نہیں۔ بہت کوشش کی مگر وہ زبان کھولنے سے پہلے ہی.....''

''ویری سیڈ بابر۔ یہ تم نے کوئی اچھی خبر نہیں سنائی!''

''میں شرمندہ ہوں تایا جی۔ نعمان کہاں ہے؟''

''یہیں ہے۔ میں بتا دوں گا اسے۔ کچھ دیر بعد وہ تم سے بات کر لے گا۔''

''جی اچھا۔ اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' احمد صاحب نے موبائل آف کر دیا۔

''خیریت تھی احمد صاحب۔'' ایشورداس نے ان کے سُتے ہوئے چہرے کو غور سے



دیکھا۔ جواب میں انہوں نے ایشورداس کو اب تک کی ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

''ہوں۔'' ایشورداس نے ہنکارا بھرا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ شائنہ کے جو آدمی نعمان صاحب کو لے کر آنے والے تھے وہ تو آنجہانی ہو گئے۔ اور وہ ان کے انتظار میں میرے گھر پر سُوکھ رہی ہو گی۔''

''ایشورداس!'' احمد صاحب کہہ اٹھے۔ ''ایک کام کرو۔ دیکھو تم میرے بیٹوں جیسے ہو اور میں اسی لئے اس بے تکلفی سے تمہیں ہر بات کہتا جا رہا ہوں۔ اور یہ معاملہ ایسا نازک ہے کہ بس۔ میں اس وطن کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں ایشورداس۔ یہ وطن ہے تو ہم ہیں اور یہ وطن نہیں تو ہم کہاں ہیں؟''

''میں سمجھ رہا ہوں احمد صاحب۔'' ایشورداس ان سے بے پناہ متاثر ہو چکا تھا۔ ''میں غلطی میں ہو جانے والے جرم کا بوجھ اتارنا چاہتا ہوں۔ آپ کہئے مجھے کیا کرنا ہے؟''

''شائنہ کو کچھ عرصے کے لئے اس سزا سے بچانا ہو گا جو آج رات آٹھ بجتے ہی اس کے لئے اپنے جبڑے کھول دے گی۔''

''وہ کیوں؟'' وہ کچھ نہ سمجھا۔

''اس کے دو ساتھی جو ہمارے قبضے میں تھے' اب نہیں رہے۔ اپنے نیٹ ورک کے بارے میں جو کچھ وہ بتا سکتی ہے اس کے بارے میں ہم کسی اور ذریعے سے اب کچھ نہیں جان سکتے۔ اسے مجبور کرنا ہو گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں زبان کھولے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ فی الحال اسے کوڑھی ہونے سے بچایا جائے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' ایشورداس نے اثبات میں سر ہلایا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''مگر اس سلسلے میں اگر آپ مجھے اپنے طریقے سے کام کرنے دیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔''

''یعنی؟''

''مجھے شائنہ کو کوڑھی ہو کر مرنے کے خوف میں مبتلا رکھنا ہو گا اور.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر ذرا دیر بعد کہا۔ ''اگر آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں تو مجھے اپنے طور پر کچھ کرنے دیجئے احمد صاحب۔''

''میں اپنے ہاتھ کاٹ کر تمہارے حوالے کر چکا ہوں ایشورداس۔'' احمد صاحب پھیکے سے انداز میں مسکرائے۔ ''میرا وطن' میرا بیٹا' میں خود' ہم سب اس وقت تمہارے رویے کی زد میں ہیں۔ اب بات اعتماد کی حدوں سے بہت آگے جا چکی ہے۔''

''تو پھر یقین کر لیجئے احمد صاحب۔ اس وطن کا یہ سب سے بُرا بیٹا' اس پر بُرا وقت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



نہیں آنے دے گا۔ یہ وعدہ ہے میرا آپ سے۔"

"میں تم سے کوئی قسم کوئی حلف نہیں لوں گا ایشورداس۔ صرف تمہاری بات پر یقین کرنا چاہوں گا۔" احمد صاحب نے ایشورداس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔

"مگر میں آپ کے یقین پر اعتماد کی مہر لگانے کے لئے اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں احمد صاحب۔ میں نے جو کہا ویسا ہی ہوگا۔"

"بس۔ اب کسی ضمانت کی ضرورت نہیں ایشورداس۔ تم نے جو کہہ دیا وہی حرفِ آخر ہے؟" احمد صاحب نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مجھے اپنے فون نمبر دے دیجئے۔" ایشورداس نے کرتے کی جیب سے موبائل نکالا۔

جواب میں احمد صاحب نے اسے اپنا' گھر کا' نعمان کا رہائشی اور موبائل نمبر فیڈ کرا دیا اور خود اس کا نمبر لے کر اپنے اور نعمان کے موبائل میں محفوظ کر لیا۔

"آپ نے بتایا تھا کہ شائنہ سے آپ کی آخری بات ایس ایم ایس کے ذریعے ہوئی تھی۔ اس بات کو تقریباً دو ڈھائی گھنٹے ہو چکے مگر اس نے دوبارہ آپ سے رابطہ نہیں کیا۔ کیوں؟"

"میں نے رابل کا موبائل آف کر رکھا ہے۔" احمد صاحب نے جواب دیا اور رابل کا موبائل نکال کر ایک نظر دیکھنے کے بعد دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔

"اب تک وہ کانٹوں پر لوٹ رہی ہوگی میرے گھر میں۔" ایشورداس اٹھ کھڑا ہوا۔

اسی وقت نعمان باتھ روم سے نکل آیا۔ اس کا سارا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چہرہ سرسوں کی طرح زرد اور پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ احمد صاحب اور ایشورداس نے اسے آگے بڑھ کر بازوؤں سے تھاما اور صوفے پر لٹا دیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" ایشورداس نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

"ٹھیک ہوں۔ بس دل گھبرا رہا ہے۔" نعمان نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"بس چند لمحوں کی دیر ہے۔ ابھی سب نارمل ہو جائے گا۔" ایشورداس نے اسے تسلی دی۔ "احمد صاحب۔ نعمان بابو اب محفوظ ہیں مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس حرامزادی سے جا کر معاملہ کروں۔ اور میں جو کروں گا اس کے لئے نعمان بابو سے کچھ کہنا چاہوں گا۔"

اور اس کے بعد اس نے جو کہا وہ نعمان کے ساتھ ساتھ احمد صاحب کے لئے بھی ایسا حیرتناک تھا کہ وہ منہ کھولے اسے تکتے رہ گئے۔

"میرا خیال ہے اس پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس نے بات ختم کرتے



ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں ایشورداس۔" احمد صاحب نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں نے گرم جوشی سے ایک دوسرے کا ہاتھ دبایا۔ "وش یو گڈ لک۔"

جواب میں ایشورداس محض مسکرا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ احمد صاحب دوبارہ نعمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مختصر لفظوں میں اسے انسپکٹر بابر کے فون کے بارے میں بتایا۔ وہ چند لمحے سوچنے کے بعد احمد صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

"پاپا۔ کیا ایشورداس پر آپ نے ضرورت سے زیادہ اعتماد نہیں کر لیا؟"

"ہاں۔ اور یہی درست تھا بیٹے!" وہ بڑے اطمینان بھرے لہجے میں بولے۔

"وہ کیسے پاپا؟ وہ ایک بے مذہب اور پیسے کا پجاری آدمی ہے!"

"وہ شرابی ہے، زانی ہے، جادوگر ہے، ہنومان کا پجاری ہے، روپیہ اس کا دھرم اور عورت اس کی طلب ہے۔ سب کچھ درست ہے بیٹے..... مگر وہ غدار نہیں ہے۔ جو شخص ماں کی اس قدر عزت کرتا ہو کہ اس کے لئے اپنی روح کے خریداروں کو بھی خاطر میں نہ لاتا ہو' وہ اپنی سرزمینِ وطن کی حفاظت کے لئے کیا نہیں کر سکتا۔"

"پھر بھی پاپا۔" نعمان نے کہنا چاہا۔

"تمہارے اندیشے اپنی جگہ صحیح ہیں بیٹے۔ مگر میں نے اس کی آنکھوں میں جو چراغ جلتے دیکھے ہیں وہ گواہ ہیں اس بات کے کہ اس کی روح کے اندھیروں میں کہیں کوئی روشنی کی کرن چھپی کوئی روزن تلاش کر رہی ہے اور میں اسے یہ رستہ فراہم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔" احمد صاحب پُرخیال لہجے میں بولے پھر ایک دم چونکے۔ "ارے ہاں رفیق اور وہاب کو ایشورداس کے گھر نگرانی کے لئے متعین کرنا ہوگا تاکہ وہ شائنہ جہاں بھی جائے ہماری نظروں میں رہے۔ تم ان کے لئے دو موٹر سائیکلوں کا بندوبست کر دو۔ سیاہ کرولا تو شائنہ کی نظر میں ہے۔"

نعمان کی حالت خاصی سنبھل چکی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا اور موبائل پر کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

احمد صاحب کی سوچ میں ڈوبی نظریں دروازے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے ایشورداس کی امیدوں کا سہرا باندھے کچھ دیر پہلے رخصت ہوا تھا۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❁❁❁

**شائنہ** زخمی ناگن کی طرح کمرے میں ادھر سے ادھر محوِ سفر تھی۔ اس نے بار بار موبائل پر ٹرائی کی مگر راہل سے رابطہ نہ ہو رہا تھا۔ دوسری طرف سے موبائل آف تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ راہل نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہاں اور کس حال میں ہے کہ موبائل بند کئے بیٹھا ہے؟

''شائنہ۔ سوا سات ہو گئے!'' ایشورداس نے شراب کا گلاس خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ تڑپ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اب کیا ہو گا ایشورداس جی۔ میرے آدمیوں کا کوئی پتہ نہیں۔ وہ نعمان سمیت کہیں غائب ہو چکے ہیں!''

''وہ تو مجھے تمہاری پریشانی سے اندازہ ہو رہا ہے۔ پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟'' وہ اسے بہکی بہکی نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

''میرا سارا پلان غارت ہو گیا ایشورداس جی۔'' وہ پژمردہ لہجے میں بولی اور موبائل ایک طرف پھینک کر بستر پر گر پڑی۔ ''اب تو مجھے آنے والے لمحات کی سزا سے بچائیے۔ بس۔ اور میں کیا چاہوں گی!''

''شائنہ۔ اپنے ہی عمل کی کاٹ پلٹ کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے تمہارے اصرار پر ہامی تو بھر لی ہے مگر اس کے لئے مجھے تین راتوں تک تمہارے گھر پر رہ کر عمل کرنا پڑے گا۔''

''میرے گھر پر۔ وہ کیوں؟'' وہ حیرت سے بولی۔ ''یہاں کیوں نہیں؟''

''بجرنگ بلی کبھی یہ اجازت نہیں دیں گے کہ میں ان کی سہائتا سے مکمل کئے جانے والے عمل کی کاٹ پلٹ انہی کے چرنوں میں بیٹھ کر کروں۔ مجھے ماں کالی سے آشیر باد لے کر تم پر سے اپنے عمل کی چھایا ختم کرنا ہو گی اور وہ یہاں ممکن نہیں ہے۔'' اس نے شراب سے گلاس پُر کرتے ہوئے بتایا۔



''مگر۔ میرے گھر میں .....'' اس کا ذہن تیزی سے صورتحال پر غور کر رہا تھا۔

''وہاں کوئی اور بھی رہتا ہے کیا؟''

''نہیں۔ یہ بات نہیں۔ مگر میں سوچ رہی ہوں' اردگرد والوں کو کیا بتاؤں گی!''

''اردگرد میں کوئی میرے وہاں رہنے کے بارے میں جان نہیں پائے گا اس لئے کہ میں وہاں صرف رات کو دو گھنٹے کی پڑھائی کروں گا۔ باقی وقت مجھے سونے اور شراب نوشی کے علاوہ کوئی کام نہ ہو گا۔ میں تمہارے فلیٹ سے باہر جاؤں گا تو کوئی جان پائے گا ناں کہ وہاں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے!''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' وہ ہچکچا رہی تھی۔

''آگے تمہاری مرضی ہے شائنہ۔'' ایشورداس نے لاپرواہی سے کہا۔ ''اس میں میرا کوئی مفاد نہیں ہے۔ فیصلہ جتنی جلدی ہو سکے' کر لو' کیونکہ تمہارے جسم میں کٹھن وقت کی علامتیں ظاہر ہونے لگی ہیں!''

''کیا مطلب؟'' وہ اٹھ کر فرش پر کھڑی ہو گئی اور خوفزدگی کے عالم میں بیتابی سے اپنے جسم کا جائزہ لینے لگی۔

''اپنے پیروں کی طرف دیکھو۔ سب سمجھ میں آ جائے گا۔''

بے اختیار شائنہ نے اپنے پیروں کی طرف نگاہ دوڑائی اور اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ خوف کی ایک لہر اٹھی اور اس کے سرخ و سفید رنگ کو نگل گئی۔ اس کے پیروں پر برص کی طرح کے سفید اور براؤن نشان نمودار ہو چکے تھے۔

''نہیں نہیں۔'' وہ سہم کر بڑبڑائی۔ ''ایشورداس جی۔ آپ فوراً چلئے۔ میں تیار ہوں۔ جلدی چلئے۔ بھگوان کے لئے دیر نہ کیجئے۔''

''چلو۔'' ایشورداس نے شراب کا آدھا گلاس ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتار لیا۔ ''سُودے۔'' اس نے آواز دی اور بارہ تیرہ سالہ سُودا چرار کے جن کی طرح آ موجود ہوا۔

''میں دو تین دن کے لئے جا رہا ہوں۔ پیچھے خیال رکھنا اور جو بھی فون آئے' پیغام نوٹ کر لینا' مجھ سے بات نہ کرانا۔''

''جی استاد۔'' سُودے نے شائنہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

''ایک منٹ رُکو شائنہ۔'' ایشورداس نے کہا اور بغلی کمرے میں جا گھسا۔ دو تین منٹ بعد وہ باہر آیا تو کالی جرسی اور نیلی جین میں ملبوس تھا۔ پیروں میں جوگر اور سر پر پی کیپ نے اس کا حلیہ بالکل بدل دیا۔ اس کے کندھے پر ایک چھوٹا سفری بیگ اور ہاتھ میں موبائل جھول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



رہا تھا۔

"چلو۔" وہ شائنہ کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا۔ سُودے کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑے ہوئے تھے۔

●●●

شائنہ کے بیڈروم میں ایشورداس صرف جین میں ملبوس جنوب کی سمت منہ کئے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے کالی کے چھ انچ قامت کے بُت کے قدموں میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ شائنہ اس کی ہدایت کے مطابق چراغ اور ایشورداس کے درمیان فرش پر چت لیٹی تھی۔ اس کی آنکھیں بند اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ رانوں تک سفید داغ نمودار ہو چکے تھے اور ان میں ہلکی ہلکی جلن سرسرا رہی تھی جو اسے لحہ بہ لحہ بے چین کر رہی تھی۔ ایشورداس ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں اس کی مخصوص چھری تھی جس کی نوک اس نے شائنہ کی ناف میں ٹکا رکھی تی۔ اچانک ایشورداس کے حلق سے تیز پھنکار خارج ہوئی۔ جبڑے دائیں بائیں کھنچ گئے۔ زبان کسی سانپ کی طرح اندر باہر لپلپانے لگی اور آنکھوں کے ڈھیلے ابل پڑے۔ شائنہ کی ناف میں ٹکی چھری پر اس نے ایک دم اپنا سارا وزن ڈال دیا۔ پوری قوت سے اسے نیچے دبانے کی کوشش میں اس کا چہرہ مزید سیاہ ہو گیا مگر چھری تھی کہ جیسے کسی سنگلاخ دیوار پر ٹکی ہوئی تھی۔ "جے کالی۔ جے کالی۔ جے کالی۔" ایشورداس کے ہونٹوں سے تین غراہٹیں خارج ہوئیں اور اس کی ٹھوڑی پر لپلپاتی زبان سے رال بہ کر شائنہ کے سینے پر قطروں کی صورت میں گر پڑی۔ جہاں جہاں قطرے گرے وہاں سے یوں دھواں اٹھا جیسے کسی نے تیزاب چھڑک دیا ہو۔ شائنہ کا سارا جسم تڑپ کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ دبی دبی چیخیں اور کراہیں خارج ہونے لگیں۔ دھواں لحہ بہ لحہ سیاہ اور گاڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر مرغولوں کا رُخ چراغ کی طرف ہوا۔ وہ چراغ کی لَو میں ضم ہونے لگے۔ چراغ کی لَو تھرتھرائی اور یوں کالی کے ہونٹوں سے باہر کو اُبلی' سرخ زبان سے جا چمٹی جیسے مقناطیس نے لوہے کو کھینچ لیا ہو۔

شائنہ کا سارا جسم سوکھی لکڑی کی طرح چٹخ رہا تھا۔ ایشورداس مسلسل "جے کالی" کے غراہٹ آمیز دبے دبے نعرے لگا رہا تھا اور اس کی زبان سے تھوک کے قطرے تیزاب کی طرح شائنہ کے سینے پر گر کر زخم پیدا کر رہے تھے۔ وہ تڑپ رہی تھی مگر فرش نے جیسے اسے اپنے ساتھ جکڑ رکھا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر بے حال ہو گئی۔ تڑپ تڑپ کر بے دم ہو گئی۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی مگر بے سود۔ لگ رہا تھا اس کی آنکھوں پر کسی نے منوں



وزن رکھ دیا ہے جسے ہٹانا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایشورداس کی حالت میں تبدیلی آئی۔ اس کی زبان سمٹ کر منہ کے اندر چلی گئی۔ آنکھیں اور کلّے اپنی جگہ پر آ گئے۔ جسم' جو لوہے کی لاٹھ کی طرح اکڑا ہوا تھا' اس میں نرمی کے آثار پیدا ہوئے اور آہستہ سے اس نے شائنہ کی ناف میں گڑی چھری ہٹا لی۔

جونہی اس نے چھری ہٹائی' چراغ کی لَو' کالی کی زبان سے پھڑک کر علیحدہ ہوئی اور اپنی اصل قامت پر قائم ہو گئی۔ فوراً ہی شائنہ کی حالت میں بھی تغیر پیدا ہوا۔ اس کی آنکھوں سے بوجھ ہٹ گیا۔ بے اختیار اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے بے جان ہاتھ' طاقت عود کرتے ہی اپنے سینے کی طرف بڑھے' جہاں چند لمحے قبل اسے تیزاب گرنے کا تکلیف دہ احساس ہو رہا تھا۔

"اٹھ جاؤ شائنہ۔" ایشورداس نے چھری ایک طرف ڈال دی۔

شائنہ لپک کر اٹھی۔ سینے پر حیرت انگیز طور پر کسی زخم کا نام و نشان نہ تھا۔ فوراً اس کی نظر اپنے پیروں سے رانوں تک تیر گئی۔ کوڑھ کے سفید گول گول نشان رانوں سے غائب ہو کر صرف پنڈلیوں اور پیروں پر باقی رہ گئے تھے۔

"یہ..... یہ تو ابھی باقی ہیں؟" اس کا اشارہ نشانوں کی طرف تھا۔

"تمہاری رانیں صاف ہو چکی ہیں شائنہ۔ دوسرے مرحلے میں پنڈلیاں اور آخر میں پیر بے نشان ہو جائیں گے۔ تین دن کے عمل سے یہی مراد تھی میری!" ایشورداس نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

شائنہ کی نظر دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھ گئی۔ رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ایشورداس نے پونے آٹھ بجے عمل شروع کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پونے دو گھنٹے تک وہ اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں۔ آرام کرنا چاہوں گا۔" ایشورداس نے اسے مخاطب کیا۔

"آپ یہیں میرے بیڈ پر سو جائیں ایشورداس جی۔ میں ساتھ والے کمرے میں سو جاؤں گی۔"

"تم بے شک میرے ساتھ اسی بستر پر سو جاؤ۔ جب تک تم کوڑھ سے نجات نہیں پا جاتیں' میرے لئے بے کار ہو۔ میں یہ شراپ اپنے جسم میں منتقل کرنے کا کوئی شوق نہیں رکھتا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''ایشورداس جی۔'' اس کا لہجہ احتجاجی تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں شائنہ! اس وقت جو بھی تمہارے قریب آئے گا' تمہارے جسم سے صرف کوڑھ کا تحفہ کشید کرے گا۔ اس لئے بے فکر ہو کر چاہو تو یہیں سو جاؤ۔ میرے لئے تم تین راتوں تک نہ ہونے کے برابر ہو۔''

''میں سمجھ گئی۔'' شائنہ نے بے اختیار اس سے نظریں چرالیں۔ ''کیا اب میں شاور لے سکتی ہوں؟''

''بالکل لے سکتی ہو۔'' ایشورداس نے فرش سے اٹھ کر بستر کا رخ کیا۔ بستر کے پاس پڑی تپائی پر اس نے آتے ہی شراب کی بوتل اور گلاس سجا دیا تھا۔ اس نے دو گلاس شراب پانی کی طرح حلق سے اتاری اور بستر پر چت لیٹ گیا۔ تپائی پر اس کا موبائل بھی پڑا تھا جسے اس نے چارجنگ پر لگا رکھا تھا۔ سفری بیگ فرش پر کالی کے بت اور چراغ کے پاس جنوبی دیوار کے ساتھ رکھا تھا اور چراغ کی لَو دھیرے دھیرے مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

شاور لے کر شائنہ لوٹی تو ایشورداس بے سدھ سو رہا تھا۔ اس نے گاؤن کے بند باندھتے ہوئے بغلی دروازے کو بے آواز کھولا اور ایشورداس کو بغور دیکھتے ہوئے دبے پاؤں اس کمرے میں داخل ہو گئی جہاں اس کا کمپیوٹر سیٹ اس کا منتظر تھا۔

تین منٹ بعد وہ' سکرین پر چیف کے سامنے موجود تھی۔

''شائنہ۔ کہاں تھیں تم؟ میں نے راہل کو آٹھ بجے کا پیغام دیا تھا؟'' چیف کا موڈ بے حد خراب تھا۔

''معذرت چاہتی ہوں چیف۔ میں شہر میں نہیں تھی۔''

''آئندہ احتیاط کرنا۔ میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہوتا کہ دو دو گھنٹے تمہاری راہ دیکھتا رہوں۔''

''سوری چیف۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔''

''اب میری بات دھیان سے سنو۔'' چیف نے اپنے سامنے رکھی فائل کا ورق الٹتے ہوئے خشکی بھرے لہجے میں کہا۔ ''کل رات گیارہ بجے جنوبی جنگلات کے ریسٹ ہاؤس نمبر تین میں تمام اپنوں کا اجلاس بلواؤ۔ میں خود ان سے بات کرنا چاہوں گا۔''

''کوئی خاص بات چیف؟'' وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''ہاں۔ آج سے تین دن بعد ایک چینی وفد خفیہ دورے پر آ رہا ہے۔ اس میں چینی وزیر دفاع اور تین ایٹمی سائنسدان شامل ہیں۔ اس مختصر ڈیلی گیشن کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے'



تمہیں بتانا ضروری نہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی زندہ واپس نہیں جانا چاہیے۔ پاک چین تعلقات کے تابوت میں یہ وہ خوفناک کیل ہو گی جو ہم آج سے تین دن بعد ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کے ذریعے ٹھونک دیں گے۔''

''اس وقت ہمارے نیٹ ورک میں تین بھارتی اور سات مقامی لوگ متحرک ہیں چیف۔ راہل اور پردیپ اس کے علاوہ ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اسے راہل اور پردیپ کے غائب ہونے کا خیال آ گیا۔ اس نے چاہا کہ چیف کو آگاہ کر دے مگر پھر اپنی غلطی کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ بدل دیا۔

''راہل اور پردیپ سمیت سب کو طلب کرو۔ باقی بات کل رات گیارہ بجے ہو گی۔'' چیف نے کہا۔ ''کل صبح قاصد تمہیں toy بموں کی ایک کھیپ پہنچائے گا سنبھال لینا۔''

''اوکے چیف۔'' وہ مستعدی سے بولی۔

''کوئی سوال؟''

''نو چیف۔''

''اوکے۔ اوور اینڈ آل۔'' سکرین تاریک ہو گئی۔

شائنہ نے کمپیوٹر آف کیا۔ کمرے کی لائٹ بند کی اور آہستہ سے دروازہ کھولا۔ سامنے بستر پر ایشورداس دیوار کی طرف رخ پھیرے سو رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے تکتی رہی۔ پھر مطمئن انداز میں دروازہ بھیڑ کر کمپیوٹر ٹیبل کے ساتھ پڑے منی بیڈ کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

صبح ساڑھے نو بجے دروازے پر بیل ہوئی۔ شائنہ نے ایشورداس کی طرف دیکھا جو ناشتے کے بعد آرام سے بستر پر دراز تھا۔

اسی وقت دوازے پر دستک ہوئی۔ شائنہ کی نظروں کا مطلب سمجھ کر وہ اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

شائنہ نے ''کون'' کہتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک سوٹڈ بوٹڈ آدمی کھڑا تھا۔

''ترنگا۔'' وہ سرسرایا۔

''جے ہند۔'' شائنہ بڑبڑائی۔

اس نے کندھے سے منی بیگ اتار کر شائنہ کو تھما دیا۔ ''دس ہیں۔''

''اوکے۔'' شائنہ نے بیگ تھام کر اس کی طرف دیکھا۔ ''آج رات گیارہ بجے ریسٹ ہاؤس نمبر تین میں۔ چیف خود بات کرے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''او کے۔'' اس آدمی نے کاریڈور میں ادھر ادھر دیکھا جو دور دور تک سنسان پڑا تھا۔

''باقی نو کو بھی خبر کر دو۔ پردیپ اور راہل کو میں دیکھ لوں گی۔''

''یس میڈم۔'' وہ اس کی آنکھ کا اشارہ پا کر پلٹ گیا۔

شائنہ نے دروازہ بند کیا اور بیگ سنبھالتی ہوئی تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کچن میں اوپر والی کیبنٹ کھول کر بیگ اس میں چھپایا اور باہر نکل آئی۔

''ایشور داس جی۔ آ جایئے۔'' وہ باتھ روم کے قریب آ کر دھیرے سے بولی۔

''بس دو منٹ میں آ رہا ہوں۔ گرم پانی بہت مزہ دے رہا ہے۔'' وہ شاور لے رہا تھا۔

ایشور داس سات آٹھ منٹ بعد باہر نکلا تو تازہ دم ہو رہا تھا۔ شائنہ نے اسے دیکھا اور مسکرا دی۔ ''ابھی صبح تو نہائے تھے آپ؟''

''نہانے اور نہانے کی وجہ کا کوئی وقت نہیں ہوتا شائنہ جی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم کہیں جانے کی تیاری میں ہو کیا؟''

''جی ہاں۔'' وہ ساڑھی پر فرکوٹ پہنتے ہوئے بولی۔ ''ابھی تک میرے آدمیوں کا کوئی پتہ نہیں کہ وہ نعمان سمیت کہاں گم ہو گئے۔ ذرا ان کے گھروں تک جا کر خود دیکھنا چاہتی ہوں۔ فون اور موبائل دونوں رسپانس نہیں دے رہے۔''

''باہر سے لاک کر جانا اور کب تک واپسی ہو گی؟'' وہ ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔

''میں دو تین گھنٹوں تک لوٹوں گی۔ آپ ٹی وی کی آواز مدھم رکھئے گا اور کھڑکیوں کے پردے نہ ہٹایئے گا۔''

''تم فکر مت کرو۔ آتے ہوئے وہسکی کی ایک بوتل لا سکو گی؟''

''لانے کی کیا ضرورت ہے۔'' شائنہ نے کہا اور کچن میں فریج کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہاں بہت کچھ موجود ہے۔''

''ویری گڈ۔ اور ہاں تمہارے ہاں اخبار نہیں آتا کیا؟''

''روزانہ آتا ہے۔ آج نجانے کیوں ہاکر دے کر نہیں گیا۔ میں واپسی پر لیتی آؤں گی۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور کچھ؟''

''بس' شراب ہی سب سے ضروری شے ہے اس وقت میرے لئے جو یہاں موجود ہے۔'' وہ اس کے چہرے پر بڑی گرسنہ نگاہیں پھینکتے ہوئے بولا۔

''تو میں چلتی ہوں۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ایشور داس پلٹ کر بستر پر جا لیٹا اور ٹی وی سکرین پر نظریں جما دیں۔ شائنہ باہر نکلی اور دروازہ لاک کر کے لفٹ کی طرف چل



دی جو کاریڈور مڑ کر بائیں ہاتھ تھی۔

●●●

راہل اور پردیپ کے گھروں پر تالے تھے۔ اردگرد سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ گذشتہ کل سے غائب ہیں۔ پریشانی کے عالم میں اس نے ایک بار پھر دونوں کے نمبر ٹرائی کئے مگر بدستور جواب ندارد۔ ایک دم اس کا پاؤں گاڑی کے بریک پر دب گیا۔ ٹائر چیخے اور گاڑی سڑک کے ایک طرف ترچھی ہو کر رک گئی۔

جو خیال ابھی ابھی اس کے دماغ میں آیا تھا' اس نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کل نعمان کے گھر والوں کے پاس موجود تھی۔ پھر اچانک غائب ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی نعمان بھی۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہ تھا کہ اس کی گمشدگی کو اہمیت نہ دی جاتی مگر اس کے بارے میں کسی بھی سطح پر کوئی خبر گردش میں نہ آئی تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہیں میں کسی سازش کا شکار تو نہیں ہو گئی؟'' اس کے شاطر دماغ نے انگڑائی لی۔ ''پردیپ اور راہل کا ایک دم غائب ہو جانا اور نعمان کے بارے میں یہ خاموشی۔'' اس کا دل سینے میں اتنے زور سے دھڑکا کہ ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

اسی وقت ایک ہاکر اس کے قریب سے چیختا ہوا گزرا۔ اس نے آواز دے کر اسے روکا۔ اخبار خریدا اور اس کے پہلے صفحے پر نظریں دوڑانے لگی۔

ایک دم اس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ وہ سُن ہو جانے والے انداز میں فرنٹ پیج پر شائع شدہ اس خبر میں گم ہوتی چلی گئی جو پردیپ اور راہل کی تصویروں سے مزین تھی۔ خبر کے مطابق گزشتہ شام سیاہ کرولا میں سوار دو نامعلوم آدمی ایک ٹرالے سے ٹکر کے نتیجے میں موقع پر دم توڑ گئے تھے جبکہ ان کے ساتھ سوار تیسرا آدمی ایک سرکاری افسر نعمان ہاشم تھا جو سخت زخمی ہوا اور مقامی ہاسپٹل کے آئی سی یو میں زیر علاج تھا۔

''اوہ۔ اوہ۔'' وہ خبر ختم کر کے بے اختیار کہہ اٹھی۔ ''تو یہ وجہ تھی جو اِن دونوں سے رابطہ نہ ہو رہا تھا۔''

چند لمحوں تک وہ افسوس کے عالم میں سر جھکائے بیٹھی رہی۔ راہل اور پردیپ کی موت پر تاسف کے احساس نے اسے اداس کر دیا۔ وہ اس کی خاطر موت سے ہمکنار ہو گئے تھے۔ اخبار پچھلی نشست پر پھینک کر جب اس نے گاڑی سٹارٹ کی تو وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔ فوری طور پر فلیٹ اور شہر چھوڑ دینے کا فیصلہ۔

●●●

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''شائنہ۔ تمہارے اس اچانک فیصلے کی وجہ جان سکتا ہوں؟'' ایشورداس نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ایشورداس جی۔ لگتا ہے میں کسی مصیبت میں پھنسنے والی ہوں اور اس سے پہلے ہی میں یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتی ہوں۔'' وہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

''اگر تم اطمینان سے بات کرو تو شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔'' ایشورداس نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

''ایشورداس جی۔ میرے دونوں آدمی جو نعمان کو اغوا کر کے لا رہے تھے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے ہیں۔ نعمان شدید زخمی حالت میں ہاسپٹل میں داخل ہے۔ ہوش میں آنے پر وہ میرے بارے میں .....''

''کیا اس وقت تم اس کے ساتھ تھیں جب تمہارے آدمیوں نے اسے اغوا کیا؟'' ایشورداس نے اس کی بات کاٹ دی۔

''جی نہیں۔''

''کیا تمہارے علاوہ نعمان کے اغوا کا کوئی عینی شاہد ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ نہیں۔'' وہ سوچ کر بولی۔

''کیا نعمان کو یقین ہو سکتا ہے کہ اس اغوا میں تمہارا ہاتھ ہو گا؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' بڑے اعتماد سے شائنہ نے کہا۔

''تو پھر تم گھبرا کیوں رہی ہو؟ تمہارا وہاں سے خاموشی سے چلا آنا ضرور تمہارے خلاف جا سکتا ہے مگر تم اسے آسانی سے رد کر سکتی ہو کہ نعمان کا انتظار کرتے کرتے جب تم ناامید ہو گئیں تو غصے میں خاموشی سے لوٹ آئیں..... لیکن یہاں سے تمہارا غائب ہو جانا تمہارے لئے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ تم اگر نعمان کو ہوش میں آنے کے بعد یہاں نہ ملیں تو حالات ضرور تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تمہیں آج کل میں نعمان سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ثابت یہ ہو سکے کہ تم اس سے ناراض ہو' تاہم اس واقعہ سے لاعلم ہو۔''

جتنی دیر ایشورداس بولتا رہا شائنہ اسے آنکھیں پھاڑے گھورتی رہی۔ جب وہ خاموش ہوا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھی۔

''آپ کو تو وکیل ہونا چاہیے تھا ایشورداس جی!''

''تمہیں شاید علم نہیں شائنہ بی بی کہ میں فرسٹ کلاس گریجویٹ ہوں اور پولیٹیکل



سائنس میں ایم اے کیا تھا میں نے!'' وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''تو پھر یہ کالا علم درمیان میں کہاں سے آن ٹپکا؟''

''ایک تو میں دھرم کا عیسائی ہوں شائنہ۔'' ایشورداس کے لہجے میں نفرت ابھر آئی۔ ''دوسرے غریب تھا۔ سفارش تھی نہ نوٹ کہ نوکری مل سکتی۔ فاقوں سے مر گئی میری ماں۔ ان لوگوں میں بغیر دوا کے تڑپ تڑپ کے دم توڑ دیا تھا اس نے۔'' وہ دہکتا ہوا الاؤ بن گیا۔ آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ نتھنے پھول گئے۔ ہونٹوں کے گوشوں سے کف بہ نکلا۔ ہاتھوں کی نسیں بھنچ گئیں۔ آواز میں ایسی کچکچاہٹ بھر گئی جیسے وہ ساری دنیا کو کچا چبا جانا چاہتا ہو۔ ''تب میں نے اس راستے پر قدم رکھ دیا شائنہ' جو آج مجھے لاکھوں میں تولتا ہے۔ جس عورت پر انگلی رکھ دوں وہ میرے بستر پر آ جاتی ہے۔ کانٹوں سے بھرا دامن جھٹکا تو گلستان میرے قدموں تلے آ گیا۔ اب میں صرف دولت اور ہوس کی زبان بولتا ہوں۔ سامنے والے کی سمجھ میں آ جائے تو ٹھیک۔ ورنہ جائے ایسی کی تیسی میں۔ میرے لئے ایک نہ سہی دوسری' دوسری نہ سہی تیسری جوانی اور چوتھی تجوری کا منہ کھل ہی جاتا ہے۔''

''ایشورداس جی۔'' شائنہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ کام کرنا چاہیں گے؟''

''تمہارے ساتھ؟'' وہ جھٹکے سے بولا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں اور شائنہ کو گھبرا کر اپنے کا رُخ پھیرنا پڑا۔ ایشورداس کی آنکھوں میں وہ غیر انسانی چمک پھر جو بن پر تھی جو کسی سے برداشت نہ ہوتی تھی۔ ''تمہارے ساتھ مل کر کیا کام کر سکتا ہوں مَیں؟''

''کیا میں آپ پر بھروسہ کر سکتی ہوں؟'' وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''اگر تم اس ملک یا اس ملک کے لوگوں کی ہمدرد ہو تو اپنی زبان بند رکھو۔ مجھے نفرت ہے یہاں کی ہر شے سے۔ تم نے دیکھا نہیں' میں کسی اچھائی سے واسطہ ہی نہیں رکھتا۔ صرف چیز سے لگاؤ ہے مجھے' جو اس ملک' اس ملک کے رہنے والوں سے انتقام میں میری معاون ہو سکے۔ وہ انتقام یہ بھی ہے کہ میں یہاں کا روپیہ لوٹتا ہوں۔ یہاں کی جوانیاں روندتا ہوں۔ ہر برائی کو فروغ دیتا ہوں۔''

''ایسا ہی ایک کام میں بھی کرتی ہوں ایشورداس جی!'' شائنہ نے کھل کھیلنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر ایشورداس جیسا ساتھی میسر آ جاتا تو وہ تباہی کے ان طوفانوں کو آزاد کر دیتی جن کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔

''تم..... تم کیا کرتی ہو؟'' ایشورداس کا لہجہ اب بھی کڑواہٹ سے لبریز تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



''میں دھماکے کرتی ہوں۔ آگ لگاتی ہوں۔ قتل و غارت کرتی ہوں۔ بم بلاسٹ کرتی ہوں۔ جانیں لیتی ہوں اس ملک کے باشندوں کی۔''

''یعنی.....؟'' ایشورداس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''میں ایک Terrorist ہوں ایشورداس جی۔ میرا تعلق بھارت سے ہے!''

''نہیں۔'' ایشورداس بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مان لیجئے ایشورداس جی۔ میں اس کے بے شمار ثبوت دے سکتی ہوں۔''

''اوہ۔'' ایشورداس نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ ''کیسا احمق ہوں میں بھی' جس نے آج تک تمہارے یا کسی اور کے بارے میں بھی چھان بین کی ہی نہیں کہ وہ جو مسئلہ حل کرانے آیا ہے اس کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے؟'' وہ ایک پل کو رکا۔ پھر انگلی اس کے سینے کی طرف اٹھا دی۔ ''اور یہ نعمان.....''

''ایک سرکاری افسر ہے۔ وہ اگر ہمارے قابو آ جائے تو راہیں کشادہ اور مزید آسان ہو سکتی ہیں۔'' شائنہ نے اس کی بات پوری کر دی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔

''آپ آمادہ ہیں کیا؟'' وہ اسے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''اگر کہیں فریب دے گئیں تو؟'' رضامندی نے دامن وا کر دیا۔

''یہ خطرہ مجھے آپ سے ہونا چاہیے۔ میں نے اپنا راز آپ پر کھول کر اپنا گلا کٹوا کے لئے آپ کی چھری تلے رکھ دیا ہے!''

''عقلمند ہو۔'' ایشورداس مسکرایا۔ ''تو ..... مجھے کرنا کیا ہوگا؟'' وہ پوری طرح رام ہوا محسوس ہوا۔

''دو کام۔'' شائنہ نے انگلی کھڑی کی۔ ''ایک..... جس مرد یا عورت کو میں چاہوں اسے میرے بس میں کر دینا ہوگا۔''

''دوسرا کام بولو۔'' ایشورداس نے جیسے ہامی بھر لی۔

''اپنے پاس آنے والوں میں ہماری مرضی کے آدمیوں پر نگاہ رکھنا۔ جو حالات کے ستائے ہوئے ہوں۔ دہشت گردی میں ہمارا ساتھ دے سکیں' معقول معاوضے کے بدلے۔''

''ڈن۔'' ایشورداس نے اس کی دوسری انگلی کا اشارہ سمجھ کر کہا۔ ''مگر اس کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟''

''میں۔۔۔ مجھ جیسی بے شمار جوانیاں۔ ہر رات ایک نئی سیج۔ ایک نئی جوانی.....



''دولت اور شباب۔ بس۔ اور کچھ نہیں چاہیے!''

''تو ملایئے ہاتھ۔ آج سے ہم ساتھی ہیں۔'' شائنہ نے ہاتھ دراز کیا جسے ایشورداس نے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اب ایشورداس کی آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو دوسرے کو خیرہ کر دیتی تھی۔

''اس خوشی میں ایک ایک جام ہو جائے!'' ایشورداس نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر پلٹتے ہوئے کہا۔ شائنہ مسکرا کر رہ گئی۔ ایشورداس نے بوتل سے شراب گلاس میں ڈالی اور دوسرے گلاس کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

''ایک ہی جام چلے گا ایشورداس جی۔'' شائنہ اس کے قریب چلی آئی۔ گلاس اس کے ہاتھ سے لیا اور اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ایشورداس نے دو گھونٹ بھرے۔ شائنہ نے گلاس واپس اسے تھما دیا۔ ایشورداس نے مسکرا کر گلاس لے لیا اور شائنہ کے ہونٹوں سے لگا دیا جسے وہ غٹ غٹ چڑھا گئی۔

ایشورداس نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ وہ اس کے چہرے پر جھکتا چلا گیا۔ شائنہ کے سانس اس کے سانسوں سے ٹکرائے مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کے ہونٹوں کو چھوتے' ایک دم ایشورداس نے شائنہ کو اپنی گرفت سے آزاد کر دیا۔

''کیا ہوا؟'' اکھڑے اکھڑے سانسوں کے درمیان شائنہ نے پوچھا۔

''احتیاط شائنہ۔ ابھی دو راتیں باقی ہیں گریز کی۔'' ایشورداس نے آگے بڑھ کر بوتل سے لگا لی اور پانی کی طرح شراب حلق میں انڈیلنے لگا۔ شائنہ اس کا اشارہ سمجھ گئی اور سفلی جذبات کے ہاتھوں بے حال ہو کر بستر پر گر کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

●●●

دوسری رات جب ایشورداس نے اپنا عمل ختم کیا تو رات کے سوا نو بجے تھے۔ اپنے مرحلے میں برص کے نشانات شائنہ کی پنڈلیوں سے غائب ہو گئے۔ اب صرف اس کے پیروں پر کوڑھ کی علامتیں باقی رہ گئیں۔ آج گزشتہ رات سے پندرہ منٹ کم صرف ہوئے تھے۔

رات بھر سونے کے بعد صبح اٹھے تو شائنہ ایشورداس کے لئے بہت سی منصوبہ سازیاں کر چکی تھی۔ دن بھر وہ دونوں ٹی وی دیکھتے اور باتیں کرتے رہے تھے۔ شائنہ نے اسے اپنے نیٹ ورک کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ چیف کے بارے میں بتایا۔ اب تک کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وارداتوں سے آگاہ کیا۔ ایشورداس حیرت زدہ اس کی باتیں سنتا اور سر دُھنتا رہا۔ وہ نازک اندام حسینہ اس جیسے سو آدمیوں پر بھاری تھی۔

رات کو ریسٹ ہاؤس نمبر تین کی میٹنگ کے بارے میں ایشورداس کو بتاتے ہوئے شائنہ نے آفر کی کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ وہ اسے اپنے ساتھیوں سے ملانا چاہتی تھی اور اس کے لئے اس نے چیف سے اجازت لینے کے لئے انٹرنیٹ پر ایشورداس سے چیف کی بات کرائی۔ راہل اور پردیپ کی موت کے بارے میں بتایا۔ چیف نے راہل اور پردیپ کی موت پر سرسری سا افسوس کا اظہار کیا اور زیادہ وقت ایشورداس کی وطن دشمنی کو' سراہتا رہا۔ اسے اپنے نیٹ ورک میں شامل ہونے پر مبارکباد دی۔ ہرسہولت جس کا اس سے شائنہ نے وعدہ کیا تھا' کی تصدیق کی اور اضافی نوید یہ دی کہ اگر اس پر کبھی کٹھن گھڑی آئی تو اسے پورا پورا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

چیف سے بات چیت کے بعد ایشورداس کی میٹنگ میں شمولیت آسان ہونے کے ساتھ ساتھ ضروری بھی ہوگئی۔ چیف نے اسے راہل اور پردیپ کی جگہ ذمہ داریاں سونپنے کے لئے شائنہ کو خاص طور پر کہا۔ اسے شائنہ کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ وہ آج تک اس کی ہر توقع پر پورا اترتی آئی تھی۔ اس ملک میں ترتیب دیئے گئے نیٹ ورک میں مقامی لوگ شائنہ ہی کے انتخاب کردہ تھے اور انہوں نے آج تک چیف کو مایوس نہیں کیا تھا اس لئے ایشورداس کے بارے میں بھی اس نے زیادہ تردد کا اظہار نہ کیا۔

کمپیوٹر آف کر کے شائنہ ایشورداس کے ساتھ چھوٹے کمرے سے نکلی۔ بیڈ روم میں کر ایشورداس کو بستر پر بٹھایا اور کچن سے ٹائم بموں کا بیگ نکال لائی۔

''یہ کیا ہے؟'' ایشورداس نے چار جنگ سیٹ الگ کر کے موبائل تپائی پر رکھتے ہو حیرت سے پوچھا۔

''اس میں دس تباہ کن بم ہیں ایشورداس جی۔'' وہ بیگ کی زپ کھولتے ہوئے بولی

''وہ کس لئے؟'' وہ چونکا۔

''دو دن بعد کے ''آپریشن مارس'' کے لئے۔'' اس نے ایک چھوٹا ٹائم پیس ایشور کی طرف بڑھایا۔ ''یہ چار سے چھ فرلانگ کے ایریے میں تین سو فٹ کی بلندی تک تہ مچانے کے لئے اکیلا ہی کافی ہے اور اس طرح کے دس بم آپ کے سامنے پڑے ہیں۔ میں ہمیں صرف ٹائم سیٹ کر کے یہ سرخ بٹن دبانا ہوگا۔ اپنے وقت پر یہ الارم کی جگہ دھما اگل دیں گے۔'' شائنہ نے چار ضرب چار کے ٹائم پیس کے سر پر موجود ایک سرخ بٹن



طرف اشارہ کیا۔ ''یہ کھلونا بم ہمیں اسرائیلی حکومت کی طرف سے ملے ہیں۔ یہ تو بہت معمولی شے ہے۔ اس سے بے پناہ زیادہ مہلک ہتھیار امریکہ کی آشیرواد سے ہمیں اسرائیل مسلسل فراہم کر رہا ہے۔ مسلم دشمنی میں اسرائیل اور امریکہ پوری طرح ہمارے ساتھ ہیں۔''

''ویری گڈ۔'' ایشورداس نے ٹائم پیس شائنہ کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ ''مگر یہ دس ٹائم بم.....''

''آج رات ان دس ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے جو پرسوں دس مختلف مقامات پر ''آپریشن مارس'' کے حوالے سے تباہی پھیلانے کی ذمے داری پوری کریں گے۔'' شائنہ نے اس کی بات مکمل کر دی۔

''یعنی چینی ڈیلی گیشن کی ہلاکت۔''

''بالکل۔'' شائنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''میٹنگ اندازاً کتنی دیر چلے گی؟''

''دس پندرہ منٹ۔ اس کے بعد ہم لوٹ آئیں گے۔ باقی لوگ ہلہ گلہ کریں گے اور صبح وہاں سے نکلیں گے۔'' شائنہ نے بتایا۔

اس گفتگو کے بعد ان دونوں نے چار گھنٹے کی بھرپور نیند لی۔ جاگے تو سات بج رہے تھے۔ عمل کے دوسرے مرحلے سے فراغت پاتے پاتے ایشورداس کو رات کے سوا نو ہو گئے۔ شائنہ کی پنڈلیوں سے کوڑھ کے نشانات ناپید ہو گئے۔ اب صرف اس کے پاؤں پر سفید و نیم سیاہ نشانات باقی تھے جو ایشورداس کے مطابق آنے والی رات کے عمل کے بعد ختم ہو جاتے اور شائنہ کی جان اس عذاب سے چھوٹ جاتی جس کے آگے ایشورداس نے بند باندھا تھا۔

شاور لے کر دونوں جب تیار ہوئے تو رات کے پونے دس ہو رہے تھے۔ ایشورداس نے جرسی اور پی کیپ کے ساتھ جوگر پہنے۔ شائنہ نے سیاہ پینٹ' سیاہ جرسی پر سیاہ جیکٹ اور سر پر براؤن سکارف باندھا۔ ہاتھوں پر سکن کلر دستانے چڑھائے اور بیگ کندھے پر ڈالے ایشورداس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اس نے خاص احتیاط کی تھی کہ بلڈنگ کا کوئی فرد ایشورداس کو اس کے ساتھ کمرے سے نکلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

گاڑی میں جنوبی جنگلات کی طرف روانہ ہوتے ہوئے اس نے ایشورداس کو اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھایا تو وہ نیلا بیگ پچھلی سیٹ پر موجود تھا جس میں دس انتہائی تباہ کن بم دم سادھے پڑے تھے۔

❁❁❁

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



❁❁❁

**رات** کے ساڑھے دس بجے تھے جب شائنہ کی گاڑی نے جنوبی جنگلات کے ریسٹ ہاؤس نمبر تین کی طرف جانے والے راستے پر ٹرن لیا۔ ایشورداس سینے پر ہاتھ باندھے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں ونڈ سکرین پر جمی تھیں اور کان حشرات الارض کی بھانت بھانت کی آوازیں سننے میں مگن تھے۔ ریسٹ ہاؤس نمبر تین کا چوکیدار اُن کو مین گیٹ پر سلیوٹ کرتے ہوئے ایک طرف ہو گیا۔ شائنہ نے گاڑی وہاں پر موجود کتنی ہی گاڑیوں کے ساتھ ایک طرف پارک کی تو رات کے دس بج کر پچاس منٹ ہو رہے تھے۔

"آیئے ایشورداس جی!" وہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"اور یہ بیگ؟" اس نے باہر کھڑے ہو کر سر پر کیپ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میں لے لیتی ہوں۔"

"نہیں۔ تم آگے چلو۔ میں لے لیتا ہوں۔" اس نے پچھلا دروازہ کھول کر بیگ نکالا' کندھے پر ڈالا اور شائنہ کے پیچھے چل دیا۔ شائنہ اس کی طرف دیکھ کر محض مسکرا دی۔

ایشورداس نے شائنہ کی ہمراہی میں ریسٹ ہاؤس کے ہال میں قدم رکھا تو ایک آدمی نے اٹھ کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔ یہ وہی آدمی تھا جو صبح فلیٹ پر شائنہ کو بموں کا بیگ دے کر گیا تھا۔ وہ دونوں آخری آنے والے تھے۔ باقی سب لوگ پہنچ چکے تھے۔

ایک بڑی میز کے تین اطراف میں دس مختلف افراد کرسیوں پر براجمان تھے۔ چوتھی سمت میں ایک کمپیوٹر سیٹ اور اس کے ساتھ دائیں ہاتھ پہلی سیٹ کے سامنے کی بورڈ اور ماؤس پڑا تھا۔ شائنہ اور ایشورداس کو دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ کی بورڈ والی سیٹ شائنہ کی تھی۔ اس کے ساتھ ایشورداس اور پھر باقی لوگ اپنی جگہوں پر اس وقت بیٹھے جب خود شائنہ نے سیٹ سنبھال کر ان کو بیٹھ جانے کی اجازت دی۔ کمپیوٹر آن کیا گیا۔ سکرین پر ٹھیک گیارہ بجے چیف نمودار ہوا۔ "ترنگا" کا جواب "جے ہند" سے دیا گیا۔ پھر چیف نے ان سب کو مخاطب کیا۔ Voice Chat اپنا کرشمہ دکھا رہی تھی۔



"دوستو۔ آج کی اس ایمرجنسی میٹنگ کا ایجنڈا یہ ہے کہ پاک چین دوستی کو ایک ایسا نقصان پہنچایا جائے جس کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکے۔ اس کے لئے آپ سب لوگوں کو پرسوں اپنی اپنی ذمے داری نبھانی ہے۔ کیا آپ سب تیار ہیں؟"

"یس چیف۔" ہر زبان سے یہی دو الفاظ نکلے۔

"تو ٹھیک ہے۔" چیف نے سکرین پر ایک فہرست نمایاں کرتے ہوئے کہا۔ "شائنہ! سب لوگوں کو ان کی ڈیوٹیاں بتا دو۔"

"یس سر۔" شائنہ نے کہا اور فہرست کو پڑھنا شروع کیا۔

"مسٹر بھاسکر۔" اس نے اپنے بالکل سامنے بیٹھے ایک ادھیڑ عمر آدمی کو مخاطب کیا۔ "آپ کی ڈیوٹی چینی ڈیفنس منسٹر پر ہے۔ اسے جس راستے سے ایوان صدر لے جایا جائے گا اس کا روڈ میپ یہ رہا۔" شائنہ نے اپنے آگے رکھی فائل سے ایک کاغذ سلیکٹ کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔ "جتنی بھی گاڑیوں پر مشتمل ہو اس کارواں کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دینا آپ کی ذمے داری ہے۔ اس کے لئے آپ کو پانچ بم دیئے جا رہے ہیں۔" شائنہ نے گردن گھما کر ایشورداس کی طرف دیکھا۔ "ان کو پانچ پیس دے دیجئے ایشورداس جی۔"

ایشورداس نے سامنے رکھے بیگ کی زپ کھولی اور گن کر پانچ ٹائم پیس نما بم بھاسکر کی طرف سرکا دیئے۔ بھاسکر نے بم اپنے آگے رکھے اور سر خم کر دیا۔

"اس سلسلے میں مسٹر نوید' مسٹر نواز اور مسٹر کپور آپ کے معاون ہوں گے۔" شائنہ نے تین آدمیوں کے نام لئے جو مختلف کرسیوں پر براجمان تھے۔ ان تینوں نے بھی سر خم کر کے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ زبان سے کچھ نہیں بولے۔

"مسٹر شنکھر۔" اب اس نے ایشورداس سے اگلے ہاتھ بیٹھے ایک موٹے سے آدمی کی طرف دیکھا۔ "آپ کی ڈیوٹی ایئرپورٹ پر ہے۔ جونہی چینی ڈیلی گیشن روانہ ہو گا آپ کو ایئرپورٹ پر تین بم بلاسٹ کرنا ہوں گے تاکہ افراتفری کا ایسا سماں پیدا ہو جائے جو سکیورٹی کو بوکھلا کر رکھ دے۔ اس کے لئے مسٹر ارشاد' مسٹر رشید اور مسٹر برلاس آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

ان چاروں نے بھی سر کے اشارے سے اپنی ڈیوٹیاں وصول کیں۔ شائنہ نے پھر ایشورداس کی طرف دیکھا۔ "ان کو تین پیس دے دیجئے۔"

ایشورداس نے بیگ سے تین بم نکال کر شنکھر کی طرف بڑھا دیئے جنہیں اس نے اپنے سامنے سجا لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"مسٹر ایم جے شاہ۔" اس مرتبہ شائنہ کی نظروں کا مرکز ایک باریش آدمی تھا جو عمر کے پچاسویں سال میں ہوگا۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ' سر پر چار خانوں والا رومال' گلے میں موٹے موٹے دانوں کی دو تین مالائیں' ہاتھوں میں مختلف نگینوں کی انگوٹھیاں اسے کوئی پیر فرتوت ظاہر کر رہی تھیں۔ "آپ کے ڈیرے کی رپورٹ بے حد اچھی ہے۔ ہیروئن کی سپلائی اور لڑکیوں کے اغوا اور خرید وفروخت کا کام بہت تسلی بخش انداز میں چل رہا ہے۔ اپنے مریدوں میں سے آپ نے جن تین آدمیوں کو مجھ تک بھیجا تھا ان سے بم بلاسٹ اور فائرنگ کے کاموں میں مدد لینے کے بعد ان کو اوپر پہنچا دیا گیا۔"

جواب میں ایم جے شاہ کے مکروہ ہونٹوں پر بڑی شیطانی مسکراہٹ ابھری اور وہ سر ہلا کر رہ گیا جیسے اس رپورٹ سے اسے دلی خوشی حاصل ہوئی ہو۔

"پرسوں رات نو بجے یہ دونوں بم ریلوے سٹیشن اور لاری اڈے میں بلاسٹ ہو جانے چاہئیں۔" شائنہ نے پھر ایشور داس کی طرف دیکھا۔ اس نے خاموشی سے دو بم اور نکالے اور ایم جے شاہ کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے ان کو اپنے سامنے رکھ کر دیکھا اور دوبارہ شائنہ کی طرف متوجہ ہو گیا جبکہ ایشور داس نے دونوں ہاتھ دوبارہ بیگ میں ڈال کر آخری ٹائم بم تھام لیا تھا کہ اب جس کے بارے میں اسے یہ بم دینے کو کہا جانا تھا وہ اس کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے ان دونوں کی آمد پر دروازہ اندر سے بند کیا تھا۔

"مسٹر ملتان خان نیازی۔ آپ کی ڈیوٹی آزادی چوک پر ہے۔ پرسوں رات ٹھیک نو بجے یہ آخری بم آزادی چوک کے تاریخی پارک میں بلاسٹ کرنا آپ کی ذمے داری ہے۔"
اور شائنہ کا فقرہ ختم ہوتے ہی ایشور داس نے آخری بم نکال کر نیازی کی طرف سرکا دیا جس نے اسے اپنے سامنے رکھ لیا۔

"یہ بم جتنے سادہ ہیں' اتنے ہی مہلک ہیں۔ آپ ان کو پہلے بھی استعمال کر چکے ہیں۔ اس لئے ان کا طریقہ کار بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے؟"

سب نے نفی میں سر ہلا کر شائنہ کی تائید کی۔ تب اس نے سکرین کی طرف رخ کر کے کہا۔ "چیف۔ سب لوگوں کو ان کی ڈیوٹی بتا دی گئی ہے۔"

"ویل ڈن شائنہ۔ اگر کسی کو کوئی بات پوچھنا ہو یا کوئی ضرورت بیان کرنی ہو تو کہہ سکتا ہے۔ مگر ایک بات یاد رہے کہ اس مشن کی ناکامی کا سبب جو بھی بنا اس کے لئے سوائے موت کے کوئی انعام نہیں رکھا گیا۔"

سب لوگ ایک پل کے لئے سُن ہو کر رہ گئے۔



"چیف!" چند لمحوں کے بعد نیازی نے ایم جے شاہ کی طرف دیکھ کر چیف کی سمت نظر اٹھائی۔ "مسٹر ایم جے شاہ کی ڈیمانڈ ہے کہ ان کو ہر کھیپ سے ان کی پسند کی ایک لڑکی کم از کم ایک ہفتہ کے لئے دی جایا کرے۔"

"تو اس میں کیا قباحت ہے نیازی۔ یہ چھوٹے چھوٹے معاملات تم خود طے کر لیا کرو۔ ورنہ شائنہ تو ہے تم لوگوں کے پاس۔ بہرحال ایم جے شاہ کی خوشی ہم سب کی خوشی ہونی چاہئے۔" چیف نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

"یس چیف!" نیازی نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ چیف!" ایم جے شاہ کی باچھیں کھل گئیں۔

"اور اب ایک اہم ترین بات۔" چیف نے اپنی سکرین پر جیسے ان سب کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔ اب لوگ اس کی طرف ہمہ تن گوش ہو گئے۔ "اس مشن کی تکمیل کے بعد آپ سب کو سوئٹزرلینڈ میں ایک گرینڈ ٹریٹ میں شرکت کرنا ہے۔ جہاں آپ کی تازہ ترین بینک بیلنس شیٹس آپ کے حوالے کی جائیں گی اور اس ملک میں آپ لوگوں کے مقامات کی تبدیلی سے آگاہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ایک ہی جگہ پر بہت زیادہ دیر تک رکے رہنا مناسب نہیں ہے۔"
سب لوگوں کے چہرے کھل اٹھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف مسکراتی اور چمکتی نظروں سے دیکھا اور پھر سکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"اور کچھ؟" چیف نے سوال کیا۔ جواب میں سب خاموش رہے تو اس نے "اوور اینڈ آل" کہہ کر رابطہ ختم کر دیا۔

شائنہ نے سکرین آف ہونے پر کی بورڈ اور ماؤس آگے سرکایا اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کل دن میں کسی بھی وقت قاصد آپ لوگوں تک اخراجات پہنچا دے گا۔ اور کوئی بات؟" اس نے سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

جب کسی نے زبان نہ کھولی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اس بار کس کو ہائر کیا گیا ہے رات بھر کے ملے گلے کے لئے؟" وہ مسکرائی۔ سب لوگ اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔

"فلم انڈسٹری کی چار بڑی ہیروئنوں کو۔" ایم جے شاہ نے جلدی سے کہا' پھر شائنہ کی طرف اپنی تاریک شیشوں کے عقب سے دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "کبھی آپ بھی اس محفل کو رونق بخشئے مس شائنہ!"

"آپریشن مارس کی کامیابی کا جشن میں آپ لوگوں کے ساتھ مناؤں گی۔ یہ میرا وعدہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



ہے آپ سے۔" وہ کھلکھلائی اور ایشورداس کو چلنے کا اشارہ کیا۔ "بائی!"

سب لوگ تب تک کھڑے رہے جب تک وہ ایشورداس کے ساتھ دروازے سے نکل نہ گئی جسے اس مرتبہ بھی نیازی نے کھولا تھا۔

"کمار۔" مین گیٹ پر گاڑی روک کر شائنہ نے چوکیدار کو پاس بلایا۔ "کل چار بجے مجھ سے آ کر مل لینا۔ سب لوگوں کو ان کا خرچہ پہنچانا ہے۔"

"یس میڈم۔" جواب میں اس نے ہاتھ سے ماتھے کو چھوا اور پیچھے ہٹ گیا۔

ایشورداس نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا۔ رات کے گیارہ بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔

"بڑا سائنٹیفک طریقہ ہے تم لوگوں کے کام کرنے کا۔" جونہی گاڑی مین روڈ پر آئی وہ ایک دم بول پڑا۔

"ہاں۔" شائنہ ہنس دی۔ "اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔"

"ان دس بلکہ گیارہ کے علاوہ اور کتنے لوگ ہیں تمہارے نیٹ ورک میں۔" اس نے اپنا موبائل سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

"اصل آدمی یہی ہیں۔ باقی وقت پڑنے پر ہائر کر لئے جاتے ہیں۔"

"اور روپیہ جو ان کو دیا جاتا ہے؟"

"میرے فلیٹ میں ہر وقت ایک سے ڈیڑھ کروڑ روپیہ موجود رہتا ہے۔ بینک وغیرہ کا رسک ہم لوگ نہیں پال سکتے۔ جب ضرورت ہوتی ہے سفارت خانے والے مہیا کر دیتے ہیں۔"

ایشورداس نے سر ہلایا اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ شائنہ سنسان سڑک پر تیز رفتاری کے نئے ریکارڈ قائم کر رہی تھی۔

●●●

"سر!" رفیق نے تقریباً بارہ بجے نعمان سے دوبارہ رابطہ قائم کیا۔

"ہاں رفیق۔ کیا رپورٹ ہے؟" نعمان نے بے تابی سے پوچھا۔

"سر۔ تقریباً دو منٹ پہلے شائنہ اور ایشورداس گاڑی میں یہاں سے گزر چکے ہیں۔ وہاب ان کے پیچھے ہے۔ وہ صبح چھ بجے تک شائنہ کے فلیٹ کے نیچے موجود رہے گا۔ اب میرے لئے کیا حکم....."

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا۔ زمین اس کے پیروں تلے لرزی۔ درختوں سے



پرندے شور مچاتے ہوئے اڑے۔ حشرات الارض نے دم سادھ لیا۔ دور کہیں گیدڑوں نے چیخنا شروع کیا۔

وہ اچانک دھماکے سے بوکھلا کر رہ گیا۔ پھر جب دھماکے کا مرکز اس کی نظروں میں آیا تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ زبان گنگ ہو گئی۔

"رفیق۔ رفیق۔" نعمان اسے پکار رہا تھا۔ "کیا ہوا۔ تم خیریت سے تو ہو۔ یہ دھماکہ کیسا تھا؟ رفیق۔ رفیق۔ تم بولتے کیوں نہیں؟"

"س۔ سر۔ سر۔ میں۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس کے کانوں میں اب تک سائیں سائیں اور کنپٹیوں میں دھم دھم ہو رہی تھی۔

"یہ دھماکہ کیسا تھا؟" نعمان نے اسی بے قراری سے پوچھا۔

"سر..... سر ریسٹ ہاؤس ..... اڑ گیا۔" وہ شعلوں اور دھوئیں کو آسمان کی جانب اٹھتے دیکھ کر رک رک کر بولا۔

"کیا؟" نعمان چیخ اٹھا۔

"یس سر۔ دھماکہ اتنا زوردار اور تباہ کن ہے کہ اردگرد کا فرلانگ بھر کا ایریا بھی الاؤ بن گیا ہے سر۔"

"اور وہاں موجود....."

"سب لوگ جہنم کا ایندھن بن گئے سر۔ کسی کا بچ جانا ممکن ہی نہیں میں نے بتایا ناں کہ ریسٹ ہاؤس کے اردگرد کا وسیع علاقہ آگ کے بہت بڑے الاؤ کا منظر پیش کر رہا ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔" نعمان بے حد مضطرب تھا۔ "تم فوراً ایمرجنسی سکواڈ کو طلب کرو۔ میں بھی کچھ دیر میں پہنچتا ہوں۔"

"یس سر۔" رفیق نے اس سے رابطہ ختم کیا اور ہیڈ کوارٹر کا نمبر ملانے لگا۔

گذشتہ رات سے وہ اور وہاب سائے کی طرح شائنہ کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ ان کو دو موٹر سائیکلیں مہیا کر دی گئی تھیں تاکہ وہ تنگ بازاروں یا گلیوں میں بھی آسانی سے جا آ سکیں۔ ہر آدھ گھنٹے بعد وہ نعمان کو رپورٹ دیتے تھے۔ آج بھی وہ شہر سے شائنہ اور ایشورداس کا تعاقب کرتے ہوئے جنوبی جنگلات تک آئے تھے۔ ریسٹ ہاؤس نمبر تین کے بارے میں ان کو نعمان نے پہلے ہی بتا دیا تھا اس لئے وہ مین روڈ سے ریسٹ ہاؤس کو جانے والی سڑک کے شروع میں رک گئے۔ سڑک کے بجائے لمبی لمبی گھاس میں سفر کرتے ہوئے وہ دس منٹ میں ریسٹ ہاؤس کے قریب جا پہنچے۔ وہاں نعمان نے انہیں حکم دیا کہ ایک آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



وہاں ٹھہرے اور دوسرا شائنہ یا وہاں سے نکلنے والے کسی بھی دوسرے فرد کا تعاقب کرے۔ موٹر سائیکلیں انہوں نے سڑک کے شروع میں ہی قدِ آدم گھاس کے اندر چھپا دی تھیں۔ وہاب ٹھیک سوا گیارہ بجے وہاں سے نکلا اور مین روڈ کے قریب موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے ریسٹ ہاؤس سے آنے والی سڑک پر نگراں ہو گیا۔ رفیق ریسٹ ہاؤس سے تقریباً پانچ سو گز دور اندھیرے میں کام کرنے والی دوربین آنکھوں سے لگائے ریسٹ ہاؤس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ جب شائنہ اور ایشورداس گاڑی میں اس سے تقریباً تیس گز کے فاصلے سے گزرے تو اس نے موبائل پر وہاب کو خبردار کر دیا۔ وہ تیار رہا اور پھر شائنہ کے تعاقب میں اس کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا جبکہ رفیق وہیں چھپا رہا۔ چند منٹ بعد جب اس نے نعمان کو رپورٹ دینے کے لئے موبائل پر رابطہ کیا تو یہ وقوعہ ہو گیا۔ اب اسے امدادی ٹیموں کی آمد کا انتظار تھا۔

●●●

بوریت انتہا کو چھو رہی تھی۔

شائنہ اور ایشورداس صبح گیارہ بجے بیدار ہوئے۔ ٹی وی آن کرنا چاہا تو وہ گونگے پہلوان کی طرح خاموش تھا۔ نجانے اس میں کیا خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ اخبار آج بھی نہ آیا۔ شائنہ نے لنچ نما ناشتہ بنایا۔ ایشورداس اس کے ساتھ کچن میں موجود رہا۔ دونوں ناشتے کے بعد بستر پر آ لیٹے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے۔ ایشورداس نے سُودے سے گھر کی صورتحال معلوم کی اور موبائل تپائی پر ڈال دیا۔ اسی طرح پانچ بج گئے۔

"یہ کمار ابھی تک نہیں آیا؟" وہ فکرمندی سے بڑبڑائی۔ پھر موبائل پر اس کا نمبر ٹرائی کرنے لگی مگر بے سود۔ بار بار کی کوشش نے بھی کوئی رسپانس نہ دیا۔ جواب میں مکمل خاموشی تھی۔ کمار کا موبائل آف تھا۔

وہ بے چینی سے فرش پر ٹہلنے لگی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ کسی بھی کارندے نے اس طرح کی غیر ذمے داری کا ثبوت دیا ہو۔ اگر پروگرام میں کوئی تبدیلی ہوتی تو اسے اطلاع ضرور کر دی جاتی مگر آج تو لاپرواہی کی حد ہو گئی تھی۔ چھ بجے تو جھنجھلاہٹ کے مارے وہ سر کے بال نوچنے لگی۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہو؟ کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہو گی جو وہ نہیں آیا۔" ایشورداس نے اسے تسلی دی۔

"مگر مجھے اطلاع تو کرتا وہ حرامی۔ اب مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہے اور کیوں نہیں



آیا؟" وہ جھلا کر بولی۔ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر موبائل پر یکے بعد دیگرے ان سب کو کنٹیکٹ کرنے لگی جن کو آج رقم پہنچانا تھی لیکن کسی ایک سے بھی رابطہ نہ ہوا تو اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ بڑبڑائی۔

"کیا ہوا؟" ایشورداس نے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کسی بھی ساتھی سے رابطہ نہیں ہو رہا۔ سب لوگوں کے موبائل اور ریزیڈنشل فون خاموش ہیں۔"

"اچھا؟" ایشورداس حیرت سے بولا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔" پریشانی اس کے انگ انگ سے چھلک پڑی۔ "مجھے خود جا کر دیکھنا ہو گا کہ معاملہ کیا ہے؟" وہ باتھ روم کی طرف بڑھی۔

"شائنہ۔ چھ بج رہے ہیں۔ آج آخری دن ہے اور آٹھ بجے سے پہلے مجھے آج آخری مرحلے سے گزارنا ہے تمہیں۔"

"دو گھنٹے باقی ہیں ابھی۔ میں تب تک لوٹ آؤں گی۔" وہ باتھ روم کے دروازے پر رک گئی۔

"اور اگر نہ آ سکیں تو؟" ایشورداس نے آہستہ سے کہا۔ "جس صورتحال کے پیشِ نظر تم باہر جا رہی ہو اگر وہ کسی نازک موڑ پر ہے تو تم وقت پر لوٹ آنے کے بارے میں کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو؟"

وہ تذبذب کا شکار ہو گئی۔ چند لمحے سوچتی رہی۔

"میری مانو تو ابھی مت جاؤ۔ آج عمل اتنا طویل ہے بھی نہیں۔ نو بجے تک ہم فارغ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تم اطمینان سے چلی جانا۔"

"مگر....." وہ ابھی تک متردد تھی۔

"آگے تمہاری مرضی ہے۔ میں تو صرف صورتحال واضح ہی کر سکتا ہوں۔" ایشورداس نے لاپرواہی سے کہا۔

"اور اگر آج عمل کچھ دیر سے شروع کر لیا جائے تو؟" شائنہ نے پوچھا۔

"ایک منٹ کی دیر بھی ممکن نہیں شائنہ۔ سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا۔ تم دوبارہ اسی مقام پر جا کھڑی ہو گی جس پر پرسوں رات پونے آٹھ بجے تھیں۔"

"نہیں نہیں۔" وہ خوفزدہ ہو گئی۔ باتھ روم سے کے دروازے سے ہٹی اور ایشورداس کے پاس بستر پر آ بیٹھی۔ "میں بعد میں چلی جاؤں گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"تب تک تم فون پر کوشش کرتی رہو شاید کسی سے رابطہ ہو ہی جائے۔"

"ہاں۔ یہی بہتر ہے۔" اس نے دوبارہ موبائل تھام لیا اور کام پر لگ گئی۔ ساڑھے سات بجے تک وہ بٹن دبا دبا کر پاگل ہو گئی مگر کسی ایک نمبر پر بھی بات نہ ہو سکی۔ اس کی انگلیاں شل اور دماغ ماؤف ہو گیا۔ اس کا ذہن کام نہ کر رہا تھا کہ کسی نتیجے پر پہنچ سکتی۔

"شائنہ۔ میں نے کل بھی تمہیں کہا تھا کہ نعمان کی خیر خبر لینی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود یہاں آ جائے اور....."

"مگر وہ تو شدید زخمی ہے اور ہاسپٹل میں پڑا ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"محبت اور نفرت۔ دونوں بڑے شدید جذبے ہوتے ہیں شائنہ۔ یہ ناممکن کو ممکن اور انہونی کو ہونی میں بدل دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ایسی حالت میں بھی چلا آئے۔"

"ایسی افسانوی محبتیں اب کہانیوں میں بھی نہیں پائی جاتیں ایشور داس جی۔ آپ اٹھ جائیے۔ پونے آٹھ ہونے کو ہیں!"

"ہاں۔ وقت ہو گیا۔" ایشور داس نے ایک زوردار انگڑائی لی۔ شائنہ نے جنوبی دیوار کے ساتھ رکھے کالی کے بت اور جلتے چراغ پر نگاہ ڈالی' پھر گاؤن کے بٹن کھولنے لگی۔

گاؤن بستر پر ڈالتے ہوئے اس کی نظر تپائی پر رکھے ایشور داس کے موبائل پر پڑی۔ وہ چونک سی گئی۔ چند لمحوں تک موبائل کو گھورتی رہی۔ پھر اس کی بھنویں سکڑ کر آپس میں جڑ گئیں۔ وہ تیزی سے پلٹی۔ ایشور داس اسی طرح اطمینان سے بستر پر نیم دراز تھا۔

"یہ..... یہ سب کیا ہے ایشور داس جی؟" وہ تھرتھراتے لہجے میں بولی۔ پھر ایک دم جیسے سب کچھ اس پر عیاں ہو گیا۔ اب وہ ایک ٹک ایشور داس کو گھور رہی تھی جو بیڈ پر نیم دراز سینے پر ہاتھ باندھے اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ موبائل تو آن ہے۔" وہ اسے بڑی کڑی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ "اس کا مطلب ہے ہم دونوں کی ہر بات کہیں اور سنی جا رہی ہے۔"

"ہاں۔" ایشور داس نے اپنے اطمینان میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ "یہ اس وقت بھی آن تھا جب میں نے اس فلیٹ میں قدم رکھنے کے بعد اسے اس تپائی پر چارجنگ کے لئے لگایا تھا۔" اس کی آواز تھی یا کڑکڑاتی ہوئی بجلی' جس نے شائنہ کو احساسِ برہنگی سے مکمل طور پر بے نیاز ہو کر لڑکھڑانے پر مجبور کر دیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے اس طرح تک رہی تھی جیسے بہت بُرا خواب دیکھ رہی ہو۔ ایشور داس اسے گھورتے ہوئے کہے جا رہا تھا۔

"یہ اس وقت سے مسلسل آن ہے شائنہ' جب سے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اس



وقت بھی آن تھا جب تم نے چیف سے میری بات کرائی۔ یہ اس وقت بھی آن تھا جب میں تمہارے ساتھ ریسٹ ہاؤس نمبر تین کی میٹنگ میں شریک تھا اور اب اس وقت بھی آن ہے جب میں تم سے یہ بک بک کر رہا ہوں تا کہ نعمان تمہارے پل پل سے باخبر رہے۔"

"نعمان....." بے اختیار شائنہ کو ہوش آ گیا۔ "وہ تو ہاسپٹل میں ہے۔"

"بے وقوف ہو تم۔" ایشور داس استہزائیہ انداز میں ہنسا اور بستر پر اٹھ بیٹھا۔ "وہ کبھی ہاسپٹل میں نہیں رہا۔"

"اور..... وہ..... ایکسیڈنٹ.....؟" شائنہ بے یقینی سے ہکلائی۔

"کبھی ہُوا ہی نہیں۔ وہ نعمان بابو کی قابلیت کا ایک مظاہرہ تھا۔ راہل اور پردیپ پولیس کی کسٹڈی میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔"

"اتنا بڑا دھوکا۔۔۔ ایشور داس۔" وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر غرائی۔ اس کا سارا خوف' سارا ڈر ہوا ہو گیا۔ وہ اب کسی زخمی ناگن کی طرح بل کھا رہی تھی۔

"کوئی دھوکا نہیں کیا میں نے تمہارے ساتھ۔" ایشور داس ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تمہارے چھل کا جواب چھل سے دیا ہے میں نے اور بس۔"

"تم تو اس ملک کے دشمن ہو ایشور داس۔ پھر یہ سب....." شائنہ نے لپک کر گاؤن کی جیب سے پسٹل نکالا اور اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

"اولاد کتنی بھی نافرمان ہو۔ بُری ہو۔ بدکار ہو۔ ماں کی دشمن کبھی نہیں ہوتی شائنہ۔ اگر کبھی ماں بچے کو کسی مجبوری کے باعث بھوکا رکھے تو کیا اولاد کو چاہئے کہ وہ ماں کے کلیجے میں خنجر اتار دے؟ اگر کبھی حالات ایسے ہوں کہ ماں دکھوں کا مداوا اولاد کے حسبِ منشاء نہ کر سکے تو کیا اولاد کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ماں کو غداروں اور دشمنوں کے حوالے کر دے؟ ایسا تم جیسے رام رام کرتے ہوئے پشت میں خنجر اتار دینے والوں کا شیوہ ہو گا شائنہ' مجھ جیسے بُرے آدمی کا نہیں جو بھٹک تو سکتا ہے' جانتے بوجھتے ہوئے مادرِ وطن سے غداری نہیں کر سکتا۔" ایشور داس نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا اور فرش پر کھڑا ہو گیا۔ "میں بہت بُرا ہوں۔ شاید مخلوق کا سب سے بُرا آدمی..... مگر نہ بے غیرت ہوں نہ غدار۔ تم نے اول تا آخر مجھ سے غلط بیانی کی اور جب تم نے اپنا آپ مجھ پر کھولا تو اس وقت دراصل میں تمہارے جھوٹ کا جواب جھوٹ سے دے رہا تھا۔ اور ہاں۔ یہ لو۔ اپنے دو دن کے اخبارات جو میں صبح تم سے پہلے اٹھ کر قبضے میں کر لیا کرتا تھا۔" ایشور داس نے بیڈ کا گدا اٹھا کر اخباروں کا پلندہ نکالا اور اس کی طرف اچھال دیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور ٹی وی کا سوئچ دبا دیا۔ ٹی وی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



یوں آن ہو گیا جیسے کبھی خراب ہوا ہی نہ تھا۔

''اسے بھی میں نے ہی خاموش کر رکھا تھا۔ اب یہ تمہیں وہ سچائی بتائے گا جو اَب سے پہلے تم تک نہیں پہنچنی چاہئے تھی۔'' کہتے ہوئے ایشور داس نے ٹی وی کی طرف بازو دراز کر دیا جہاں خبروں کا خاص بلیٹن نشر کیا جا رہا تھا اور سب سے پہلی خبر ریسٹ ہاؤس نمبر تین کی تباہی کے بارے میں وہاں کی ویڈیو فلم کے ساتھ آن ائیر جا رہی تھی۔

''ایشور داس۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' خبر کا متن سنتے ہی شائنہ جیسے دیوانی ہو گئی۔ ہوش و حواس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

''یہ نہیں پوچھو گی کہ ریسٹ ہاؤس نمبر تین' تم لوگوں کی دہشت گردیوں کا خاص الخاص اڈہ نیست و نابود کیسے ہوا؟'' ایشور داس نے اس کے پسٹل کو نظر انداز کر دیا۔ وہ اسے باتوں میں لگا کر شاید اس پر جھپٹنا چاہتا تھا۔

''یہ بھی بک ڈالو؟'' وہ قہر آلود نظروں سے اس پر بجلیاں برساتے ہوئے غرائی۔

''ریسٹ ہاؤس کی میٹنگ میں آخری بم پر میں نے ہاتھ بیگ کے اندر رکھتے ہوئے پندرہ منٹ بعد کا ٹائم اس وقت سیٹ کر کے سرخ بٹن دبا دیا تھا جب تم آخری آدمی کو اس کی ڈیوٹی سمجھا رہی تھیں مس فول۔'' اس کے لہجے کے طنز نے شائنہ کو بالکل ہی آپے سے باہر کر دیا۔ اس نے دانت بھینچ کر پسٹل ایشور داس کی طرف سیدھا کر لیا۔

''اب تو تمہارے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ایشور داس۔''

''پہلے اپنے بارے میں سوچو شائنہ بی بی۔ آٹھ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی ہیں!''

اور..... شائنہ کا ہاتھ کیا' پورا بدن لرز کر رہ گیا۔ اضطراب بھری نظروں سے اس نے دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔

''ایشور داس جی۔'' اس کی آواز کانپ گئی۔ ''میں اپنے ساتھیوں کی ہلاکت' اپنے پلان کی ناکامی' اپنے ملک والوں کا عتاب' سب کچھ بھول جاؤں گی' بس مجھے اپنے عمل کے شراپ سے بچا لیجئے۔'' ایک دم اس کا لہجہ بدل گیا۔

''تمہارے فریب کا جواب نہیں شائنہ۔'' ایشور داس نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ ''پل میں ایشور داس' پل میں ایشور داس جی۔ پل میں مار ڈالنے کی دھمکی' پل میں بچا لینے کی التجا۔ کتنے روپ ہیں تمہارے میری جان!'' اس نے دونوں ہاتھ پھر سینے پر باندھ لئے۔

''دیر نہ کیجئے ایشور داس جی۔'' اس نے پسٹل والا ہاتھ جھکا لیا۔ ''میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔''



''تم میرے وطن کے لئے موت ہی موت ہو شائنہ!'' نفرت کی ایک تیز لپک تھی جو ایشور داس کے ہونٹوں سے نکلی اور شائنہ کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ بن کر اتر گئی۔ ''تمہیں زندگی دینے کا مطلب ہے' وطن سے غداری..... اور ایشور داس بہر حال غدار نہیں ہے۔''

''ایشور داس جی۔'' وہ آگے بڑھ کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔ ''مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے بچا لیجئے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔''

''کیا تم نے میرے وطن کے بچوں پر رحم کیا؟ میرے وطن کی بہنوں' ماؤں اور بے گناہ لوگوں پر رحم کیا؟ میرے وطن کی سرزمین پر رحم کیا؟ نہیں کیا ناں؟ تو پھر میں تم پر رحم کیوں کروں؟'' ایشور داس نے اسے ٹھوکر مار کر پیچھے ہٹا دیا۔

ٹھیک اسی وقت دیوار گیر کلاک نے آٹھ بجنے کا اعلان کیا۔

اس کے ساتھ ہی پھٹاک کی ایک تیز آواز ابھری اور شائنہ کے ماتھے پر ایک بڑا سا سیاہ پیپ بھرا آبلہ نمودار ہو کر پھٹ گیا۔

بے اختیار اس کے حلق سے ایک خوفزدہ اور تیز چیخ نکل گئی۔ اذیت اور درد سے اس کا برا حال تھا۔ سرخی مائل پیلا مواد اس کے چہرے کے بعد گردن پر بہہ نکلا۔ جہاں جہاں سے وہ مواد گزر رہا تھا وہاں کی جلد جیسے تیزاب سے جھلستی جا رہی تھی۔ پھر ایک کے بعد ایک آبلے پھٹاک پھٹاک کی آوازوں کے ساتھ اس کے جسم پر نمودار ہونے اور پھٹنے لگے۔ چیختی چلاتی شائنہ نے پسٹل پھینک دیا اور چند لمحوں بعد وہ سرتاپا برہنہ کمرے میں دوڑتی پھر رہی تھی۔ اس کا جسم لمحہ بہ لمحہ سیاہ آبلوں کی نمود و ریخت کا شکار ہو رہا تھا۔

ترحم اور تاسف سے شائنہ کے کوڑھ زدہ جسم کو دیکھ کر ایشور داس نے رخ پھیر لیا۔ زخم زخم شائنہ جو اَب جہنم کی کسی مخلوق کا نمونہ لگ رہی تھی' اچانک تڑپتی ہوئی' چیختی ہوئی ایشور داس پر لپکی۔ وہ غراتی اور چلاتی شائنہ کے سامنے سے ہٹ گیا۔ شائنہ اپنے زور میں آگے بڑھی اور بیڈ سے ٹکرا کر فرش پر الٹ گئی۔ تبھی اس کے ہاتھ اس کا پھینکا ہوا پسٹل آ گیا۔ اس نے اذیت اور درد سے ٹوٹتی آواز میں چیخ کر کہا۔

''ایشور داس۔ میں تو اب نہ رہوں گی..... مگر کتے۔ میں تجھے بھی زندہ نہ چھوڑوں گی۔'' اور اوپر تلے اس نے چھ کی چھ گولیاں ایشور داس پر داغ دیں۔

ایشور داس نے ادھر ادھر ہو کر خود کو بہت بچایا مگر آخری دو گولیاں اس کے سینے میں اتر گئیں۔ وہ کراہ کر دروازے سے آ ٹکرایا۔ اس کا ہاتھ سینے پر جم گیا جہاں ساتھ ساتھ دو سوراخوں سے چھل چھل خون بہتا چلا آ رہا تھا۔ اسی وقت شائنہ کے پسٹل والے ہاتھ کی پشت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



پر ایک سیاہ بڑا سا سیاہ آبلہ مخصوص پھٹاک کی آواز کے ساتھ نمودار ہوا اور پھٹ گیا۔ چیخ کر اس نے پسٹل ہاتھ سے چھوڑ دیا اور دوسرے آبلہ زدہ ہاتھ سے پہلے ہاتھ کو تھام لیا۔

ایشورداس نے دروازہ بمشکل کھولا اور لڑکھڑاتا ہوا باہر آ رہا۔ اردگرد کے کمروں کے ادھ کھلے دروازوں سے لوگ گردنیں نکالے باہر جھانک رہے تھے۔ اسی وقت وہاب سیڑھیوں کے اختتام پر نمودار ہوا۔ وہ فائرنگ کی آواز سن کر اوپر چلا آیا تھا۔ اگر فائرنگ نہ ہوتی تو وہ نیچے ہی رہ کر فلیٹ کی نگرانی کا فرض ادا کرتا رہتا۔ اس نے آگے بڑھ کر زخمی ایشورداس کو باہوں میں سنبھال لیا۔ لوگ باگ فائرنگ کی آواز سن کر ادھر ادھر دبک گئے۔ دروازے کھٹاک کھٹاک کی آوازوں سے بند ہو گئے اور لمحوں میں کاریڈور سنسان ہو گیا۔

"ایشورداس۔ یہ کیا ہوا؟"

"یہاں سے نکل چلو وہاب۔ مجھے نعمان بابو کے پاس لے چلو۔ ابھی۔" ایشورداس نے ٹوٹتے لہجے میں کہا۔ زخموں کی اذیت سے اس کا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چہرہ یوں بھیگا ہوا تھا جیسے کسی نے اس پر جگ بھر پانی انڈیل دیا ہو۔

"نہیں۔ پہلے ہاسپٹل....." وہاب نے کہنا چاہا۔

"جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا کرو وہاب۔" تکلیف سے اس کی آواز لرزنے لگی۔ "میں جانتا ہوں مجھے اس وقت کیا درکار ہے۔ مجھے نعمان بابو یا ان کے پاپا کے پاس لے چلو۔ پلیز۔" اس پر غشی طاری ہونے کو تھی۔

اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہاب نے اسے بازوؤں میں سنبھالا اور لفٹ کی طرف چل پڑا۔ لفٹ بوائے نے اسے کاریڈور کا موڑ مرتے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھا اور وہاب کے ساتھ مل کر ایشورداس کو سنبھالنے لگا۔

"جوان جلدی کرو۔ اسے میرے ساتھ گاڑی تک نیچے پہنچانے میں میری مدد کرو۔"

"جی صاحب۔" وہ نوجوان سا لڑکا کوئی دردمند دل رکھتا تھا۔ اس نے ایشورداس کو وہاب کی مدد سے لفٹ میں ڈالا اور بٹن دبا دیا۔

●●●

شائنہ کی دل دہلا دینے والی چیخیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ لوگ ادھ کھلے دروازوں سے باہر جھانک رہے تھے مگر کسی میں حوصلہ نہ تھا کہ اس کے فلیٹ کا دروازہ کھول کر دیکھتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟

کسی خارش زدہ کتیا کی طرح فرش پر گھسٹتی شائنہ کا گلا چیخ چیخ کر رو رو کر بیٹھ گیا۔ اس



کا چہرہ اس قدر بھیانک ہو چکا تھا کہ دیکھنے والے پر غشی طاری کر دیتا۔ وہ اب صرف کراہ رہی تھی۔ اس میں چیخنے کی قوت باقی نہ رہی تھی۔ ایک دم اس کے مفلوج ہوتے دماغ میں ایک خیال سرسرایا۔ اس کی کراہیں دم توڑنے لگیں۔ پھر خون اور پیپ سے لتھڑی ہوئی اس کی زبان نے حرکت کی اور وہ دھیرے دھیرے کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ ادا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ آہستہ آہستہ وہ الفاظ ایک مخصوص ردھم کی شکل اختیار کر گئے۔ پھر وہ حتی الامکان تیزی سے ان الفاظ کو دہرانے لگی۔

یہ الفاظ کیا تھے؟

وہی جاپ تھا جو ایشورداس کے ساتھ تہ خانے میں سات راتیں گزارنے کے دوران ایشورداس دہرایا کرتا تھا۔ اسے وہ جاپ ازبر تھا۔ اس جان کنی کی حالت میں اسے اچانک ہنومان سے سہائتا لینے کا خیال آیا اور اس نے اپنی ناقابل بیان اذیت میں لتھڑے جسم پر اس جاپ کا مرہم رکھ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ نتیجہ جو بھی ہوتا۔ اس وقت وہ کون سے سکھ میں تھی کہ دکھ کی مار سے ڈر جاتی۔

دس سے پندرہ منٹ کا وقت گزرا ہو گا کہ اچانک کمرے کی ٹیوب لائٹس نے دم توڑ دیا۔ اندھیرے میں اچانک بے شمار بندروں کے سائے نمودار ہوئے اور ادھر ادھر خوخیاتے ہوئے فرش پر' فضا میں' دیواروں پر تیرنے لگے۔ شائنہ کے ہونٹوں کی حرکت مزید تیز ہو گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ ابھی ہنومان نمودار ہو گا اور اسے اس اذیت سے نجات دے دے گا۔

بندروں کے سائے دھیرے دھیرے وجود اختیار کرتے چلے جا رہے تھے۔ پھر وہ اس کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ ان کے خونخوار اور نوکیلے دانت' لمبے لمبے ناخن اس کی طرف لپکنے لگے۔ وہ خوفزدہ ہو گئی۔ جاپ کے الفاظ بے ربط ہونے لگے۔ حتیٰ کہ دھیرے دھیرے اس کے ذہن سے محو ہو گئے۔ اب وہ صرف ہونٹ ہلا رہی تھی۔ آواز ناپید تھی۔ الفاظ معدوم ہو چکے تھے۔

بندروں نے ایک پل کے لئے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ پھر اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں کا محور شائنہ کو بنا لیا۔ اس نے خوف کے عالم میں پیچھے ہٹنا چاہا مگر وہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہ سرک سکی۔ اس کے ہر طرف تو بندروں کا جمگھٹا تھا۔

اسی لمحے ایک بوڑھے بندر نے ایک لمبی چیخ مارتے ہوئے اپنا سیاہ بالوں بھرا بازو اس کی طرف دراز کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے تمام بندر اس پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے اس کی تکہ بوٹی کر ڈالیں گے۔ پھر انہیں اس فرض کی ادائیگی سے شائنہ کی چیخیں روک سکیں نہ فریادیں۔ چند

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



منٹ بعد جب بندروں کی چیختی آوازیں ان کے سایوں کے ہمراہ ناپید ہوئیں تو وہاں ایسا سناٹا طاری ہو گیا جس میں درز پیدا کرنا کسی کرشمے سے کم نہ تھا۔

دائیں بائیں کے کسی مکین نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔

پولیس والے آئے تو شائنہ کے کمرے سے امڈتی چیخوں کے سلسلے کو رُکے پندرہ منٹ سے زائد گزر چکے تھے۔

دروازہ کھولنا چاہا تو اس کا ہینڈل جام ہو چکا تھا۔ پولیس والوں نے ہتھیار سنبھالے اور شستیں لے لیں۔ پھر دو جوانوں نے دروازے پر کندھے برسانے شروع کئے۔ چوتھے ہلے میں دروازہ ٹوٹ گیا۔ دونوں جوان دروازے کے ساتھ ہی کمرے میں گھستے چلے گئے۔ مگر اندر کا منظر دیکھتے ہی انہوں نے سہم کر گھگیاتے ہوئے باہر کو دوڑ لگا دی۔

سارا کمرہ خون اور پیپ آلود لوتھڑوں سے سَنا ہوا تھا۔ فرش' دیواریں' بستر' چھت' ہر جگہ غلیظ چھیچھڑے جمے ہوئے تھے اور ایک کے بعد دوسرا پولیس والا جب بھاگ کر باہر نکلا تو اس کی ٹھوکر سے کوئی شے باہر کاریڈور میں لڑھکتی چلی گئی۔ پھر باہر موجود پولیس والوں اور دوسرے لوگوں کے حلق سے اگر چیخیں نکل گئیں تو اس میں حیرت کی کیا بات تھی؟

وہ لڑھکتی ہوئی شے جب ٹھہری تو ان لوگوں کے سانس روک دینے کے لئے یہ کافی تھا کہ وہ ایک ایسی نسوانی کھوپڑی تھی جس کا چہرہ خوفناک حد تک زہریلے آبلوں کی پیپ سے جھلسا ہوا تھا اور سر کے بالوں میں سے دماغ بہ بہ کر فرش کو غلیظ کر رہا تھا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ چند ساعت پہلے کی شائنہ ہے!

●●●



●●●

**احمد صاحب**' نعمان کی رہائش گاہ پر ہی تھے۔ وہ مدحت آباد واپس جانے سے پہلے شائنہ کا قصہ نمٹا دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے ابھی تک یہاں رکے ہوئے تھے۔ نعمان صبح سے اپنے دفتر میں بند تھا۔ شائنہ کے فلیٹ میں ایشورداس کے ہر وقت آن رہنے والے موبائل سے اسے کسی وقت بھی کوئی ایسی اطلاع میسر آ سکتی تھی جو اسے فوری ایکشن لینے پر مجبور کر دیتی۔

ٹیکسی میں سے وہاب نے چوکیدار کو پکارا تو اس نے وہاب کے اشارے پر گیٹ کھولا۔ خاص ہدایات تھیں کہ وہاب جب بھی آئے اسے نعمان یا احمد صاحب سے ملوا دیا جائے۔ ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روکی۔ وہاب تیزی سے باہر نکلا۔ پچھلا دروازہ کھولا اور چوکیدار کی مدد سے لہولہان ایشورداس کو اٹھا کر اندر ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

''احمد صاحب کو بلاؤ۔ جلدی!'' وہاب نے ملازم سے کہا اور ایشورداس کو صوفے پر ٹھیک طرح لٹانے لگا۔ ''اور سنو۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔ اسے کہو ایمرجنسی ہے۔ جلدی چلا آئے۔''

''جی سر۔'' ملازم بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

''ایشورداس۔ ایشورداس۔'' وہاب نے اس کے زخم پر اپنا رومال تہہ کر کے رکھتے ہوئے اسے آواز دی۔

بڑی مشکل سے ایشورداس نے آنکھیں کھولیں۔ اس پر بے حد نقاہت طاری تھی۔ اسی وقت احمد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

''ارے کیا ہوا اسے وہاب؟'' وہ لپک کر ایشورداس کے قریب چلے آئے۔

''کچھ نہیں احمد صاحب۔'' بڑی کمزور آواز میں کہتے ہوئے ایشورداس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''ارے یہ تو زخمی ہے۔ تم اسے گھر کیوں لائے' ہاسپٹل کیوں نہ لے گئے؟'' وہ تیزی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سے بولے۔

"میں نے تو کہا تھا سر۔" وہاب نے کہنا چاہا۔

"میں ابھی نہیں مروں گا احمد صاحب۔" ایشورداس نے لہو میں تر ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "مجھے اتنی آسانی سے موت نہیں آئے گی۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں صرف آپ سے ملنا چاہتا تھا اس لئے....."

"میں وہاں ہاسپٹل آ جاتا ایشورداس۔ یہ تم نے کیا احمقانہ ضد کی؟" وہ اس کا خون آلود ہاتھ تھام کر پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"چھوڑیئے احمد صاحب۔ ان باتوں میں وقت ضائع ہوگا۔ مجھے آپ کو دیکھنا تھا' دیکھ لیا۔ آپ کی آواز سننا تھی' سن لی۔ آپ کو بتانا چاہتا تھا اپنی زبان سے کہ میں نے آپ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ انجانے میں اپنے ماتھے پر لگ جانے والا وطن سے غداری کا داغ میں نے اپنے خون سے دھو دیا۔"

اس کا سانس پھول گیا۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔ وہاب نے خون سے بھیگا رومال اس کے سینے سے اٹھایا اور ایک طرف ڈال دیا۔ اتنے میں ملازم گھر میں موجود ایمرجنسی بکس لے آیا۔ وہاب نے اس میں سے روئی نکالی۔ سپرٹ اس پر چھڑکی اور بڑا سا روئی کا گولہ ایشورداس کے زخموں پر رکھ کر دبا دیا۔

"مگر۔ آ.....ہ۔" وہ سپرٹ سے پہنچنے والی اذیت پر کراہ اٹھا۔

"ایشورداس۔ تم نے وطن دشمنوں کو ان کے انجام تک پہنچا کر خود کو سرخرو کر لیا۔" احمد صاحب نے اسے محبت سے دیکھا۔ "اب اگر تم مان لو تو ہاسپٹل چلیں۔ خون رک نہیں رہا۔ اب بھی بہے جا رہا ہے!"

"نہیں احمد صاحب۔ میں نے کہا ناں' میں ابھی نہیں مروں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"تم یہ بات اتنے دعوے سے کیسے کہہ رہے ہو پگلے۔" احمد صاحب نے اسے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

"کہہ سکتا ہوں احمد صاحب۔" وہ بڑے کرب سے مسکرایا۔ "میں کالے علم کی تاریک راہوں کا مسافر ہوں۔ ہنومان کا بھگت ہوں۔ شیطان کی پیروی کا اندھیرا میری رگ رگ میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔ میں تب تک جان کنی کے عذاب میں مبتلا رہوں گا جب تک میں اپنا یہ علم' یہ کالا علم کسی کو دان نہ کر دوں۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ لینے والا اپنی مرضی سے اس کی خواہش کرے۔ زبردستی میں اسے کسی کو نہیں دے سکتا!"



"اوہ۔" ایک دم احمد صاحب چونکے۔ اس طرف تو ان کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ "مگر ایشورداس۔" وہ تڑپ کر بولے۔ "کیا ضروری ہے کہ تم اس وقت موت ہی کی سرحد پر کھڑے ہو۔"

"ہاں احمد صاحب۔" وہ دائیں بائیں آنکھوں کو گردش دیتے ہوئے یوں خرخرایا' جیسے اس کے نرخرے پر کسی نے انگوٹھا رکھ کر دبا دیا ہو۔ "میرے اردگرد میری روح کے خریدار' ہنومان' کالی اور شیطان ٹھنڈے مشروب کے پیالے لئے ابھی آ وارد ہوں گے۔ جونہی میں اپنا کالا علم کسی کے حوالے کروں گا' ایک نیا ایشورداس جنم لے لے گا اور وہ مشروب میرے حلق میں انڈیل دیا جائے گا۔ یہ کالے اندھیروں' بیکراں ظلمات کا حامل مشروب میرے حلق سے اترے گا تو میری روح میرے ان خریداروں کے قبضے میں چلی جائے گی اور وہ اسے لے کر جہنم کی سمت پرواز کر جائیں گے۔"

آہ۔ آ۔ہ۔ اوغ۔ اوغ۔" وہ شدید اذیت سے تڑپ کر رہ گیا۔ اس کے چہرے کا سیاہ رنگ پیلاہٹ اگلنے لگا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم ابھی نزع کے عالم میں نہیں ہو۔ یہ اس سے پہلے کی منزل ہے۔" احمد صاحب بڑبڑائے۔

"جی ہاں۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ نزع کے عالم سے پہلے کا مرحلہ ہے۔ ورنہ میں ایک بھی لفظ ادا نہ کر سکتا زبان سے۔ جان کنی کے لمحوں میں تو انسان کی زبان بند ہو جاتی ہے ناں!" اس کی آنکھیں پلٹیں اور واپس لوٹ آئیں۔

"اور تم اس اذیت میں کب تک گرفتار رہو گے ایشورداس؟" احمد صاحب نے پوچھا۔

"جب تک کوئی مجھ سے میرا کالا علم اپنی خوشی سے وصول نہ کر لے' یہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔" وہ ڈوبتی آواز میں بولا۔

"خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگ جائے؟"

"جی ہاں۔ خواہ اس میں مہینوں لگ جائیں۔ تب تک میں اسی کیفیت میں مبتلا رہوں گا احمد صاحب۔"

"تم اس وقت کیا محسوس کر رہے ہو ایشورداس؟" اچانک احمد صاحب نے پوچھا۔

"جیسے کوئی میرے ننگے جسم کو کانٹوں دار جھاڑیوں پر مسلسل گھسیٹ رہا ہو اور کانٹے میرے جسم کے آر پار گوشت ادھیڑ رہے ہوں۔" اس نے دانت بھینچ کر کہا۔

"ایشورداس۔" اچانک احمد صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس کا ہاتھ دبا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



چھوڑ دیا۔ ''میں ابھی آیا۔''

وہ تیز تیز قدموں سے کمرے کا دروازہ پار کر گئے۔ ایک منٹ بعد لوٹے تو ان کے ہاتھ میں ایک پلاسٹک کی سفید چھوٹی سی سفید بوتل تھی جس میں پانی چھلک رہا تھا۔

احمد صاحب نے کرسی گھسیٹ کر مزید قریب کی اور ایشورداس کے سر کے پاس ہو کر بیٹھ گئے۔ وہاب اس کے زخموں پر نیا روئی کا گالا رکھ رہا تھا۔

''ایشورداس! میں تمہارے لئے ایک پیش کش لایا ہوں!'' احمد صاحب اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

''اس وقت میں کسی پیش کش کو قبول یا رد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں احمد صاحب۔'' اس کا پسینہ اب دھاروں کی صورت بہہ رہا تھا۔

''ہو ایشورداس۔ تم اب بھی اس پوزیشن میں ہو۔ ابھی تم پر نزع کا عالم طاری نہیں ہوا اور میرے اللہ کا فرمانا ہے کہ مہلت نزع سے پہلے تک ہے!''

''کیا مطلب؟'' ایشورداس نے جیسے پورا زور لگا کر اپنی حیرت زدہ آنکھیں کھولیں اور احمد صاحب پر جما دیں۔

''توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے ایشورداس!'' احمد صاحب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

''توبہ.....؟'' وہ بڑے کرب اور مشکل سے بولا۔ ''میں عیسائی ہوں احمد صاحب۔ کالے علم کا عامل ہونے کی وجہ سے شیطان کا پیروکار ہوں۔ توبہ سے میرا کیا تعلق؟ یہ تو آپ مسلمانوں کا حصہ ہے!''

''تو مسلمان ہو جاؤ ایشورداس!'' احمد صاحب نے کہا اور ایشورداس اس حال میں بھی سُن ہو کر رہ گیا۔ وہاب کو بھی پھریری سی آ گئی۔ ایشورداس پتھرائی ہوئی آنکھوں سے احمد صاحب کو دیکھے جا رہا تھا۔

''سوچو مت ایشورداس۔ ابھی توبہ کی مہلت باقی ہے۔ ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ زندگی تو جیسے تیسے گزر گئی۔ آخرت سنوار لو بیٹے۔'' احمد صاحب کی آواز بھیگ گئی۔ ''میرے سچے اللہ کا کلمہ پڑھ لو۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق ہو جاؤ۔ اپنی روح کو اپنے شیطان خریداروں سے آزاد کرا لو۔''

''احمد صاحب!'' ایشورداس کے ہونٹ تھرتھرائے۔ ''کیا آپ کا اللہ مجھے معاف کر دے گا۔ مجھے بخش دے گا۔''



''ہاں ایشورداس، تم سچے دل سے اس کا کلمہ پڑھ لو۔ وہ تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ تم اس طرح پاک ہو جاؤ گے جیسے تم نے ابھی ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔ کفر اور شرک سے توبہ اور اس کی وحدانیت کا اقرار تمہیں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھری چھاؤں میں لے جائے گا ایشورداس۔ تم کوثر کے جام کے حقدار ہو جاؤ گے۔''

''آپ۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں احمد صاحب۔'' ایشورداس کی آواز میں ایک دم خراخراہٹ بڑھ گئی۔ لہجہ تھرا گیا۔

''میرے اللہ کا فرمایا ہوا ایک ایک حرف سچ ہے ایشورداس!'' احمد صاحب نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تو مجھے مسلمان کیجئے احمد صاحب۔'' اس نے بمشکل یہ الفاظ ادا کئے۔ ''اس سے پہلے کہ میری روح کے خریدار مجھ پر حاوی ہو جائیں مجھے اپنے اللہ کا سچا کلمہ پڑھا دیجئے۔'' اس کی گردن ڈھلک گئی۔

''ایشورداس۔ ایشورداس۔'' احمد صاحب نے اس کے چہرے کو اپنی طرف موڑا۔ اس کا تنفس بے حد ہلکا ہو چکا تھا۔ زبان دانتوں میں بھنچ کر رہ گئی تھی۔ شاید اس پر کالی طاقتیں اپنی قوت آزما رہی تھیں۔ اسے شرک کا دامن چھوڑ کر وحدانیت کی طرف قدم بڑھانے سے روکنے کے لئے پورا زور لگا رہی تھیں..... شاید نہیں یقیناً ایسا ہی تھا۔

''ایشورداس۔ ایشورداس۔'' احمد صاحب نے اس کے گالوں پر ہلکے ہلکے تھپڑ رسید کرتے ہوئے اسے زور سے پکارا۔ تب۔۔۔ اس نے جیسے اپنی روح کی ساری طاقت مجتمع کر کے آنکھیں کھولیں۔

''مجھے کلمہ پڑھائیے احمد صاحب۔'' وہ بولا تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''پڑھو ایشورداس۔'' احمد صاحب نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

''لا الٰہ۔''

''لا الٰہ۔'' ایشورداس نے کہا اور زبان اس کے ہونٹوں کے بیچ کھچاک سے کٹ گئی۔ خون باچھوں سے بہ نکلا۔ یوں لگا جیسے کسی نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اور سر کے اوپر گھونسا رسید کر کے اس کی زبان دانتوں میں بھینچ کر کاٹ ڈالی ہو۔

''الا اللہ۔'' احمد صاحب نے کسی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے رکھیں۔

''الا اللہ۔'' وہ لڑکھڑاتی زبان میں بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"محمد رسول اللہ۔" احمد صاحب نے سرگوشی کی۔

"محمد..... رسول اللہ۔"

ایشورداس کے لبوں سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ کمرے میں جیسے بھونچال آ گیا۔ غراہٹیں، چیخیں، تیز ہواؤں کا شور، اڑتے بگولوں اور تاریک سایوں کی یلغار۔ احمد صاحب نے خود کو ایشورداس پر گرا دیا۔ اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیا۔ اس پر سائبان ہو گئے۔ وہاب نے بازوؤں میں چہرہ چھپا لیا اور صوفے میں سمٹ سمٹا کر پڑ گیا۔

پھر یوں لگا جیسے ان کو تپش اور کراہت کے صحرا میں سفر کرتے صدیاں گزر گئی ہوں۔ ہر طرف آگ تھی۔ گرمی تھی۔ حبس تھا۔ مسموم ہوا کے جھونکے تھے۔ چیخوں اور رونے کی آوازوں کے جمگھٹے تھے۔ بدبو کا ایک سیلاب تھا جو کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔

دھیرے دھیرے وہ طوفان رکا۔ آہستہ آہستہ مکروہ آوازوں، بین کرتی چیختی صداؤں اور روح کو لرزا دینے والے نوحوں کی گونج نے دم توڑ دیا۔

احمد صاحب نے سر اٹھایا۔

وہاب نے چہرے کے گرد سے بازو ہٹائے۔

سارا کمرہ تہس نہس ہو چکا تھا۔ فرنیچر اُلٹا پڑا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے کرچی کرچی ہو چکے تھے۔ پردے تار تار تھے۔ ہر چیز برباد ہو چکی تھی۔ کوئی شے سلامت نہ تھی۔

"ایشورداس!" احمد صاحب نے ایک نظر کمرے کا جائزہ لیا اور فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ایشورداس کا ہر بے چینی سے آزاد چہرہ اس کی روحانی طمانیت کیا علمبردار تھا۔ اس کی سانس بے حد آہستہ چل رہی تھی۔ دھڑکن اس قدر مدھم تھی کہ بڑی مشکل سے اس کا پتہ چلا۔

چوتھی آواز پر اس نے یوں پلکیں وا کیں جیسے بڑی مشکل سے ان کو آنکھوں پر حرکت دے پایا ہو۔

"احمد صاحب۔" وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔ "میں آزاد ہو گیا احمد صاحب۔"

"الحمد للہ۔" احمد صاحب کی آنکھوں سے شکرانہ چھلک پڑا۔ "منہ کھولو بیٹے!" انہوں نے صوفے کی تہ میں پھنسی ہوئی پلاسٹک کی شیشی اٹھائی اور اس کا ڈھکن کھولا۔

"یہ کیا ہے احمد صاحب؟" اس نے معصومیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"آبِ زمزم۔ تمہاری روح کو غسل دینے اور حشر تک تمہیں تشنگی سے بچائے رکھنے والا کائنات کا وہ متبرک تر پانی جس کا اعجاز ہزاروں سالوں سے جاری و ساری ہے۔"



ایشورداس نے زور لگا کر ہونٹ کھولے تو احمد صاحب نے آبِ زمزم تھوڑا تھوڑا کر کے اس کے زخمی منہ میں انڈیل دیا۔ اس پاکیزہ پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ ایشورداس مکمل طور پر پُرسکون ہو گیا۔

"اب میں آسانی سے مر سکتا ہوں احمد صاحب۔" وہ آنکھیں موند کر بولا۔

"نہیں ایشورداس۔"

"اب مجھے ایشورداس نہ کہئے احمد صاحب۔ مجھے کوئی ایسا نام دیجئے جو اللہ کے ساتھ میرا تعلق ظاہر کرتا ہو۔ یہ تو مشرکانہ نام ہے!"

"عبداللہ۔" احمد صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر فوراً کہا۔

"ہاں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ "یہ بالکل صحیح ہے۔ عبداللہ۔ اللہ کا بندہ۔ اللہ کا غلام۔ ایشورداس..... نہیں نہیں....." عبداللہ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

"اب تم زندہ رہو گے عبداللہ۔ تمہاری روح کو آزادی مل گئی۔" احمد صاحب نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"نہیں احمد صاحب۔ میرا آخری وقت آ چکا ہے۔ وہ دیکھئے۔ میری ماں مجھے لینے آ رہی ہے۔" اس نے ہاتھ دراز کرتے ہوئے کھلی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ "اب مجھے جانا ہی ہے۔ بس ایک چھوٹی سی خواہش ہے۔"

"کہو عبداللہ۔ میں اسے پورا کروں گا۔" احمد صاحب کا لہجہ بھرا گیا۔

"میرے پاس سُودا نام کا ایک مسلمان لڑکا ملازم ہے احمد صاحب۔ میرا سب کچھ اسے دے دیجئے گا۔ میرے گھر کو بتوں سے پاک کر دیجئے گا اور سُودے کو اپنی کفالت میں لے لیجئے گا۔ غربت نے اسے ایک مشرک کا خادم بنا دیا تھا۔ اسے اس شرک کدے سے نکال لیجئے گا۔ ایسا نہ ہو کل وہاں سُودا، ایک نئے ایشورداس کی شکل میں ظاہر ہو جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا عبداللہ۔"

"تو بس۔ اب اجازت دیجئے۔ نعمان بابو کو میرا سلام کہئے گا۔ اللہ ان کو سلامت رکھے۔ احمد صاحب۔ اللہ حافظ۔" اس کا سارا بدن کانپ کر رہ گیا۔

"عبداللہ۔" احمد صاحب نے اسے چھلکتی آنکھوں سے دیکھا اور اس کا لرزتا ہوا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں بھینچ لیا۔

"لا الہ الا اللہ..... محمد رسول اللہ۔"

عبداللہ کے ہونٹوں پر ازلی و ابدی گواہی کی خوشبو رقصاں ہوئی تو وہ مسکرا اٹھا۔ پھر اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


کی آنکھیں سامنے کھلی کھڑکی میں شاید اپنی ماں کو دیکھتے دیکھتے ساکت ہو گئیں۔ کمرہ ایک عجیب سی مہک سے دمک رہا تھا۔

''عبداللہ۔'' احمد صاحب نے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھر آنکھوں کو اس کے ہاتھ پر ٹکایا تو سسک پڑے۔

وہاب دانتوں میں ہونٹ دبائے عبداللہ کے مسکراتے ہوئے پُرسکون چہرے کو والہانہ انداز میں ایک رشک آور جذبہ لئے تکے جا رہا تھا۔

کمرے کے دروازے میں نعمان بُت بنا کھڑا تھا۔ وہ عبداللہ کے کلمہ پڑھنے کی آواز سن چکا تھا۔ وہ آخری لمحات میں وہاں پہنچا تھا اور عبداللہ سے ملاقات کی کسک اس کے چہرے پر آنسوؤں کی صورت نقش ہو رہی تھی۔

عبداللہ کے چہرے پر ایسی ہی طمانیت تھی' ایسا ہی سکون تھا' ایسی ہی معصومیت تھی' جیسی کسی بچے کے چہرے پر پیدائش کے وقت ہوتی ہے۔ احمد صاحب نے ٹھیک کہا تھا۔ کفر اور شرک کے خارزاروں سے نکل کر وحدانیت و رسالتؐ کے مرغزاروں میں قدم رکھتے ہوئے عبداللہ نے دوسرا جنم لیا تھا۔ ابدی زندگی کے لئے۔ جہاں نجات اس کا زادِراہ تھی۔ آخری لمحوں کی مہلت نے اپنے پَر کھول کر اس پر عاقبت بخیر کا سایہ کر دیا تھا۔

ختم شدہ